مواعظِ عثمانی

اِصلاحی تقاریر و مضامین کا موضوع وار مجموعہ

آدابِ زندگی ﴿حصہ سوم﴾

جلد: ۱۲

مُفتی محمّد تقی عُثمانی

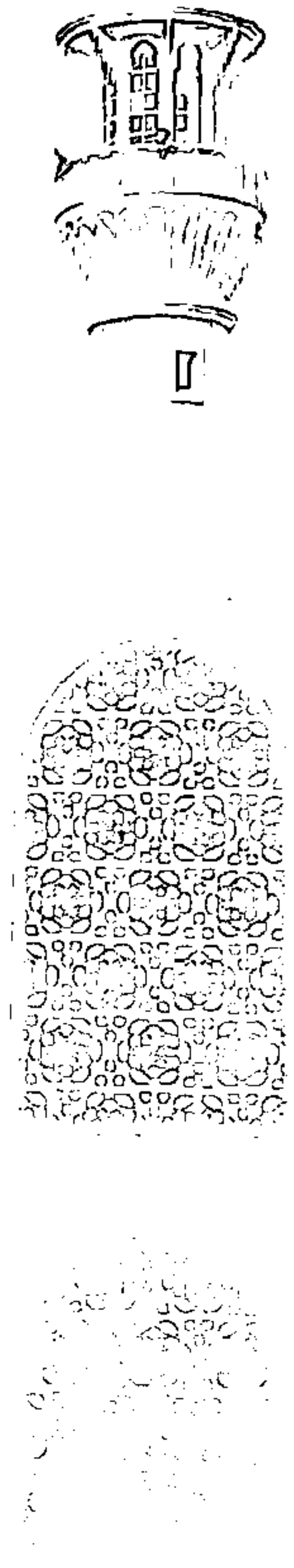
مکتبہ مُعارف القرآن کراچی ۱۴
(Quranic Studies Publishers)

مواعظِ عثمانی

آدابِ زندگی

جلدِ ۱۲

بسم الله الرحمن الرحيم



مواعظِ عثمانی

آدابِ زندگی

جلد: ۱۲

مفتی محمد تقی عثمانی

ترتیب و تخریج

مولانا عنایت الرحمٰن

مکتبہ معارف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)

Karachi, Pakistan.

عرضِ ناشر: الحمد للہ اگر چہ مکتبہ معارف القرآن کراچی نے "مواعظِ عثمانی" کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔
اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

باہتمام
ڈاکٹر مفتی محمد حسان اشرف عثمانی

طبع : ربیع الاول ۱۴۴۶ھ - ستمبر ۲۰۲۴ء
ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی
فون : 92-21-35123130
35031565
0312-2592838
ای میل : info@mmqpk.com
mm.q@live.com
ویب سائٹ : www.mmqpk.com
www.maktabamaarifulquran.com

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
maktabamaarifulquran.com
احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا، کراچی، پاکستان۔ 75180

فیس بک سے خریداری کے لئے scan کریں
0300-2150304

ONLINE SHARIAH
www.SHARIAH.com
آن لائن خریداری کے لئے تشریف لائیں۔

ملنے کے پتے

- مکتبہ دار العلوم، کراچی
- دار الاشاعت، کراچی
- بیت القرآن، کراچی
- مکتبۃ القرآن، کراچی
- بیت الکتب، کراچی
- ادارہ اسلامیات، کراچی/لاہور
- مکتبہ عمر فاروق، کراچی
- فخر الدین کارنج والا، کراچی
- مکتبہ اصلاح وتبلیغ، حیدرآباد
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
- مکتبہ رحمانیہ، لاہور
- مکتبہ بیت العلوم، لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، لاہور
- الفلاح پبلیشرز، لاہور
- اسلامی کتاب گھر، فیصل آباد
- مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد
- مکتبہ صفدریہ، راولپنڈی
- اسلامی کتاب گھر، راولپنڈی
- مکتبہ عثمانیہ، راولپنڈی
- مسٹر بکس، اسلام آباد
- دار السلام، اسلام آباد
- مکتبہ رشیدیہ، راولپنڈی
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- دار الاخلاص، پشاور
- مکتبہ احیاء العلوم، کرک
- مکتبہ عباسیہ، تیمرگرہ
- مکتبہ احرار، مردان
- قرآن مجید محل، مردان

پیشِ لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على رسوله الكريم وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرّہٗ نے بندے کو دارالعلوم ۱۹۵۹ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد ہی سے جمعہ کی تقریر کرنے پر مقرر فرمادیا تھا، شروع میں اپنے لسبیلہ ہاؤس والے گھر کے قریب عزیزی مسجد میں کئی سال جمعہ کی تقریر کرتا رہا، پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کے بعد جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس میں سالہا سال جمعے کی تقریر کی نوبت آتی رہی۔ ۱۹۹۹ء میں میرے استاد گرامی حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی جو جامع مسجد بیت المکرم میں جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور ان کی تعلیمات کا فیض دور تک پھیلا ہوا تھا، اس موقع پر مجھے جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس سے بیت المکرم منتقل کیا گیا اور وہاں ۱۹۹۹ء سے ۲۰۲۰ء تک جمعہ کی تقریر کا سلسلہ رہا۔

میرے شیخ مکرم حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی صاحب قدس اللہ سرہ کی

وفات کے بعد میرے استاذ حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر میں نے لسبیلہ ہاؤس کی جامع مسجد نعمان میں اور پھر بیت المکرم میں اتوار کے دن عصر کے بعد ایک اصلاحی مجلس کا سلسلہ شروع کیا، اس وقت میری تقریریں محفوظ کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا اور نہ میں انہیں اس قابل سمجھتا تھا کہ انہیں شائع کیا جائے، لیکن میرے انتہائی مشفق دوست حضرت پروفیسر شمیم احمد صاحب (جو اس وقت ''معارف القرآن'' کا انگریزی ترجمہ کر رہے تھے) نے میرے معاون مولانا عبد اللہ میمن صاحب سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ان تقریروں کو ریکارڈ کر کے قلمبند کرلیا کریں، چنانچہ انہی کی تحریک پر ان اصلاحی بیانات اور کسی قدر جمعے کے خطبوں پر مشتمل ایک طویل سلسلہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے منظرِ عام پر آگیا جس کی اب غالبا ۲۵ جلدیں ہو چکی ہیں۔

تجربے سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان کی اشاعت مفید ہوئی اور حضراتِ ائمہ و خطباء بھی اپنی تقاریر میں ان سے مدد لینے لگے اور عام مسلمانوں کو بھی عام فہم انداز میں دین کی بنیادی معلومات آسانی سے پہنچنے لگیں، اس کے علاوہ بندہ کو مختلف مواقع پر کراچی یا کسی اور شہر میں، بلکہ کسی اور ملک میں بھی اس طرح کی تقریروں کا موقع ملتا رہا اور متعدد احباب انہیں قلمبند کر کے شائع کرتے رہے اور کسی خاص موضوع کے بارے میں انہی تقاریر سے متعدد مجموعے بھی مرتب کر کے شائع کیے گئے۔

مجھے ایک فکر ہمیشہ دامن گیر رہی کہ اصلاحی بیانات میں بسا اوقات واقعات اور احادیث میں صحت کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا مستقل تالیفات میں ہوتا ہے، اس لیے میں نے اپنے احباب میں سے مولانا عنایت الرحمن صاحب کو اس پر

نامزد کیا کہ وہ میری تقاریر میں بیان کردہ احادیث یا سلف کے واقعات کی تحقیق وتخریج کریں اور جہاں غلطی ہوئی ہو، اس کی اصلاح کریں۔ میرے مشورے سے وہ یہ کام ماشاء اللہ قابلیت کے ساتھ کرتے رہے۔ مولانا عنایت الرحمٰن صاحب نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ''اصلاحی خطبات''، ''اصلاحی مجالس'' اور بیانات کے مختلف مجموعوں کو بھی عنوانات ومضامین کی ترتیب سے مرتب کیا اور جو تقاریر ''البلاغ'' میں یا کسی دوسرے رسالے میں شائع ہوئی تھیں یا کسی کتاب کا جز تھیں ان کا بھی استقصاء کرکے ایک نیا مجموعہ ''مواعظِ عثمانی'' کے نام سے مرتب کردیا اور اس لحاظ سے یہ بندہ کی تقاریر، مواعظ اور بیانات کا سب سے زیادہ جامع مجموعہ ہوگیا ہے اور حسبِ استطاعت اس میں تخریج وتحقیق کا بھی اہتمام ہے جس سے اس کے درجۂ استناد میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزِ موصوف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اس بے عمل کے لیے ذخیرۂ آخرت بنادیں اور اس سے عام وخاص مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ آمین

دارالعلوم کراچی ۱۴

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۵/محرم ۱۴۴۳ھ

عرض ناشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

زیرِ نظر کتاب سلسلہ ''مواعظِ عثمانی'' جلد۱۲ ''آدابِ زندگی (حصہ سوم)'' جو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات، تقاریر اور مضامین کا تخریج شدہ جامع اور مستند موضوع وار مجموعہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو اللہ ربُّ العزت نے جو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، ماہرِ معاشیاتِ اسلامی، مؤرخ، محقق، شاعر، ادیب اور مبلغ و داعیٔ اسلام ہیں۔ اسی دعوت وارشاد کا سلسلہ عرصۂ دراز سے ہفتہ واری مجلس کی صورت میں تاحال جاری ہے اور الحمد للہ اس سے بلا مبالغہ لاکھوں انسانوں کو فائدہ ہورہا ہے، جن میں غیر مسلم حضرات بھی شامل ہیں۔ اور اسی دعوت وارشاد کی برکت سے بہت سارے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں اور آج ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم کے انہی بیانات ومواعظ سے علماء، طلباء اور خطباء کرام استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور حضرت والا دامت برکاتہم کے جملہ بیانات ومواعظ تحریراً اور تقریراً عوام الناس میں مقبول ہیں اور ہر طبقہ ان سے مستفید ہورہا ہے۔

فاضل مرتب نے اس مجموعہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا مکمل استیعاب کیا گیا ہے:

۞ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۞ اصلاحی خطبات ۞ اصلاحی مواعظ

۞ اصلاحی مجالس ۞ خطباتِ عثمانی ۞ خطبات دورۂ ہند

۞ درسِ شعب الایمان ۞ نشری تقریریں ۞ فرد کی اصلاح

۞ اصلاحِ معاشرہ ۞ تربیتی بیانات ۞ ذکر وفکر

۞ The Islamic months

۞ اور اس کے علاوہ

۞ آسان ترجمہ قرآن ۞ اسلام اور ہماری زندگی ۞ انعام الباری

۞ تقریرِ ترمذی ۞ جہانِ دیدہ ۞ سفر در سفر

۞ دنیا مرے آگے ۞ اسلام اور جدید معاشی مسائل ۞ ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، نیز ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شائع شدہ اور صوتی صورت میں محفوظ شدہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے بعض بیانات و خطبات کو شامل کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر اس کی تصحیح اور تحقیق کا اہتمام ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مجموعہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات ومضامین کا جامع اور مستند ترین مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کی ترتیب، تحقیق وتخریج حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر ان کی نگرانی میں مولانا عنایت الرحمن صاحب نے کی ہے۔ اس مجموعہ کی خصوصیات اور تحقیق وتخریج کا طریقۂ کار اس مجموعہ کی پہلی جلد ''ایمان وعقائد ونظریات (حصہ) اوّل'' کے شروع میں درج ہے، اس کی مراجعت ان شاء اللہ مفید رہے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اسے ادارہ کے جملہ احباب ومعاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنادے۔ آمین یا رب العالمین۔

انتظامیہ مکتبہ معارف القرآن کراچی

فہرستِ عنوانات

اجمالی فہرستِ عنوانات

تفصیلی فہرست

عنوان	صفحہ
آنکھیں بڑی نعمت ہیں	۳۷

عنوان	صفحہ
دوسروں کے لیے پسندیدگی کا معیار	**۳۳۹**

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

(اصلاحی خطبات ۱۵/۱۶۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤی

اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (۱)

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالك من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! یہ سورۂ مؤمنون کی پانچویں اور چھٹی آیت کا بیان گزشتہ دو جمعوں سے چل رہا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی فلاح کے لیے جو صفات بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک صفت یہ ہے کہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ

جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی طبیعت میں ایک جنسی جذبہ رکھا ہے اور چونکہ اسلام ایک دینِ فطرت ہے، لہٰذا اس جنسی جذبے کی تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے حلال راستہ تجویز فرمادیا وہ نکاح کا راستہ ہے کہ نکاح کے ذریعے انسان اپنے اس فطری جذبے کی تکمیل کرے، تو یہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ موجبِ اجر و ثواب بھی ہے، لیکن اس نکاح کے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرنے والے لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔ قرآنِ کریم نے لفظ تو بہت مختصر استعمال فرمایا کہ وہ حد سے گزرنے والے ہیں، لیکن اس کے

(۱) سورۃ المومنون آیت (۱تا۸)۔

مفہوم میں بہت ساری خرابیاں داخل ہوجاتی ہیں، چنانچہ جو شخص نکاح کے رشتے کے باہر اپنے جنسی جذبے کی تسکین کرنا چاہے وہ شخص معاشرے کے اندر فساد اور بگاڑ پھیلاتا ہے، یہ اس آیت کے مطلب اور تشریح کا خلاصہ ہے۔

پہلا حکم: نگاہ کی حفاظت

شریعت نے جہاں ناجائز جنسی تسکین کا راستہ بند کیا اور اس کو حرام قرار دیا تو اس کے لیے فضا بھی ایسی سازگار پیدا فرمائی جس میں اس حکم پر عمل کرنا انسان کے لیے آسان ہوجائے۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے نکاح کے راستے کو آسان سے آسان فرمایا ہے، لیکن ہم نے اپنے معاشرے میں طرح طرح کی رسموں اور قیدوں سے اس نکاح کو جکڑ کر اپنے لیے اس کو مشکل بنادیا ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے وہ تمام دروازے بند فرمائے جو انسان کو بدکاری کی طرف لے جانے والے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلا حکم نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا کہ اپنی نگاہ کو پاکیزہ رکھو اور اس کو غلط جگہ پر استعمال نہ کرو۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"النظرة سهم مسموم من سهام ابليس"(۱)

(۱) مسند الشهاب ۱/۱۹۵ (۲۹۲) طبع موسسة الرسالة۔ والمستدرک للحاکم ۴/۳۴۹ (۷۸۷۵) وقال هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه. وقال الذهبي في "التلخيص": إسحاق بن عبد الواحد القرشي واه، عبد الرحمن هو الواسطي ضعفوه. والحديث ذكره العجلوني في "كشف الخفاء" ۲/۳۹۱ (۲۸۶۴) وقال: رواه الحاكم وصححه، وأقره العراقي، وضعفه المنذري عن حذيفة. وأخرجه الطبراني عن ابن مسعود ... ومن شواهده ما عند البيهقي وغيره، قال المنذري: ورواتهم لا أعلم فيهم مجروحًا، عن ابن مسعود: الإثم حواز القلوب، وما من نظرة إلا وللشيطان فيها مطمع. والله أعلم.

یہ نظر شیطان کے زہر کے بجھے ہوئے تیروں میں سے
ایک تیر ہے۔

بعض اوقات صرف ایک نگاہ انسان کے دل کی حالت کو خراب کر دیتی ہے، اس میں فساد پیدا کر دیتی ہے۔ بعض اوقات ایک غلط نگاہ کے نتیجے میں انسان کی سوچ، انسان کی فکر، اس کے خیالات اس کے جذبات اور بعض اوقات اس کا کردار بھی خراب ہو جاتا ہے، اس لیے شریعت نے پہلا پہرہ انسان کی نگاہ پر عائد فرمایا۔

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

یہ نگاہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر کوئی انسان بینائی سے محروم ہو تو وہ لاکھوں کروڑوں روپیہ بھی خرچ کر کے بھی یہ نعمت حاصل نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت ہمیں مفت میں بغیر معاوضے کے عطا فرما رکھی ہے، اس لیے اس نعمت کی قدر نہیں ہوتی اور یہ نعمت پیدائش سے لے کر مرتے دم تک تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ یہ نازک اتنی ہے کہ اگر ذرا اس کے اندر کوئی بال آ جائے، ذرا خراش لگ جائے تو یہ بے کار ہو جائے، لیکن اتنی نازک مشین پوری زندگی انسان کا ساتھ دیتی ہے اور اس طرح ساتھ دیتی ہے کہ نہ اس کی سروس کی ضرورت ہے، نہ اس کو پٹرول اور تیل کی ضرورت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ آٹو میٹک نظام کے تحت اس کی سروس بھی کرتے رہتے ہیں اور اس کو غذا بھی پہنچاتے رہتے ہیں، چنانچہ جو لقمہ تم اپنی بھوک مٹانے کی خاطر کھاتے ہو اسی لقمے کے ذریعے اللہ تعالیٰ جسم کے ہر حصے کو غذا پہنچاتے ہیں اسی طرح آنکھ کو بھی پہنچاتے ہیں۔

آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں

یہ آنکھ تمہیں اس لیے دی گئی ہے تاکہ تم اس کے ذریعے لذت حاصل کرو، تاکہ اس کے ذریعے تم اپنے کام نکالو، اس آنکھ پر صرف چند چیزوں کو نہ دیکھنے کی پابندی عائد کی گئی ہے کہ ان چیزوں کی طرف مت دیکھنا، وہ یہ کہ کسی نامحرم خاتون کو لذت حاصل کرنے کی غرض سے مت دیکھنا، ایسا کرنے کو گناہ قرار دیا گیا اور فرمایا کہ یہ آنکھوں کا زنا ہے۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"العینان تزنیان وزناھما النظر"(۱)

یعنی آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے۔

لذت کی غرض سے شہوت کی نگاہ سے کسی غیر محرم کو دیکھنا یہ بدنظری ہے، اس کو شریعت میں ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ جب تمہاری نگاہ محفوظ ہوگی تو تمہارے خیالات بھی پاکیزہ ہوں گے، تمہارے جذبات بھی پاکیزہ ہوں گے اور پھر تمہارے اعمال بھی پاکیزہ ہوں گے۔

شرم گاہ کی حفاظت آنکھ کی حفاظت پر ہے

چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (۲)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مؤمنوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں

(۱) مسند البزار ۲۰۴/۱۶ (۹۳۴۱) واصلہ فی صحیح البخاری ۵٤/۸ (٦٢٤٣)۔
(۲) سورۃ النور آیت (۳۰)۔

اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور یہ تمہارے لیے پاکی حاصل کرنے کا بہترین راستہ ہے اور عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اس کے ذریعے یہ بتا دیا کہ شرمگاہ کی حفاظت کا راستہ یہ ہے کہ اس کا آغاز آنکھ کی حفاظت سے ہو اور جب آنکھ محفوظ رہے گی تو پھر تمہاری شرمگاہ بھی محفوظ رہے گی اور تم بدکاری سے محفوظ رہو گے۔ یہ حکم کسی مولوی اور ملا کا بیان کردہ حکم نہیں ہے، یہ کسی قدامت پسند، مذہبی دہشت گرد کا حکم نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو قرآنِ کریم کے اندر بیان فرمایا ہے۔

قلعے کا محاصرہ کرنا

جب تک مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان فتنوں اور فسادات سے محفوظ رکھا۔ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا تھا جو ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں حضرت ابوعبیدۃ بن جراح رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور بڑے درجے کے صحابہ میں سے ہیں اور شام کے فاتح ہیں، اس لیے کہ شام کے بہت سے علاقوں کی فتح کا سہرا اللہ تعالیٰ نے ان کے سر رکھا، بعد میں وہ شام کے گورنر رہے۔ ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے غیر مسلموں کے قلعے پر حملہ کیا اور اس قلعے کا محاصرہ کرلیا، محاصرہ لمبا ہوگیا اور قلعہ فتح نہیں ہورہا تھا، یہاں تک کہ جب قلعے کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ مسلمان بڑی ثابت قدمی سے محاصرہ کیے ہوئے ہیں تو انہوں نے ایک سازش تیار کی، وہ یہ کہ ہم مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہم قلعے کا دروازہ آپ کے لیے کھول رہے ہیں، آپ اپنی فوج کو لے کر شہر میں داخل ہوجائیں اور یہ سازش کی کہ شہر کا دروازہ

جس طرف کھلتا تھا اس طرف بہت لمبا بازار تھا۔ جس کے دونوں طرف دکانیں تھیں اور وہ بازار شاہی محل پر جا کر ختم ہوتا تھا ان لوگوں نے بازار کے دونوں طرف عورتوں کو مزین کر کے اور آراستہ کر کے ہر دکان پر ایک ایک عورت کو بٹھا دیا اور ان عورتوں کو یہ تاکید کردی کہ اگر یہ مجاہدین داخل ہونے کے بعد تمہیں چھیڑنا چاہیں اور تمہارے ساتھ کوئی معاملہ کرنا چاہیں تو تم انکار مت کرنا، رکاوٹ مت ڈالنا، ان کے پیشِ نظر یہ تھا کہ یہ لوگ حجاز کے رہنے والے ہیں مہینوں سے اپنے گھروں سے دور ہیں، جب اندر داخل ہونے کے بعد اچانک ان کو خوبصورت اور آراستہ عورتیں نظر آئیں گی تو یہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں گے اور جب یہ ان کے ساتھ مشغول ہوں گے، اس وقت ہم پیچھے سے ان پر حملہ کردیں گے۔

مؤمن کی فراست سے بچو

منصوبہ بنا کر قلعے کے والی نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ ہم ہار مان گئے ہیں اور اب ہم قلعے کا دروازہ آپ کے لیے کھول رہے ہیں آپ اپنی فوج کو لے کر قلعے کے اندر داخل ہوجائیں۔ جب حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام ملا۔ جب اللہ تعالیٰ ایمان عطا فرماتے ہیں تو فراست ایمانی بھی عطا فرماتے ہیں، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله"(۱)

یعنی مؤمن کی فراست سے بچو، کیوں وہ اللہ تعالیٰ کے نور

---

(۱) سنن الترمذی ۲۰۰/۵ (۳۱۲۷) وقال هذا حديث غريب۔

سے دیکھتا ہے۔

جب یہ پیغام ملا تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ماتھا ٹھنک گیا کہ اب تک یہ لوگ مقابلے کے لیے تیار تھے اور دروازہ نہیں کھول رہے تھے اور اب اچانک یہ کیا بات ہوئی کہ انہوں نے دروازہ کھولنے کی پیش کش کر دی اور فوجوں کو داخل ہونے کی اجازت دے دی، اس میں ضرور کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔

پورا لشکر بازار سے گزر گیا

چنانچہ آپ نے سارے لشکر کو جمع کیا اور ان کے سامنے خطبہ دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دشمن نے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور وہ ہمیں داخل ہونے کی دعوت دے رہا ہے، آپ لوگ بے شک داخل ہوں، لیکن میں آپ کے سامنے قرآنِ کریم کی ایک آیت پڑھتا ہوں آپ اس آیت کو پڑھتے ہوئے اور اس آیت پر عمل کرتے ہوئے داخل ہوں، اس وقت آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔

قَلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ[1]

یعنی مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے پاکیزگی کا راستہ ہے۔

چنانچہ لشکر قلعے کے اندر اس شان سے داخل ہوا کہ ان کی نگاہیں نیچی تھیں

---

(۱) سورۃالنور آیت (۳۰)

اور اسی حالت میں پورے بازار سے گزر گئے اور شاہی محل تک پہنچ گئے اور کسی نے دائیں بائیں آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا کہ کیا فتنہ ان دکانوں میں ان کا انتظار کر رہا ہے۔

یہ منظر دیکھ کر اسلام لائے

جب شہر والوں نے یہ منظر دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ کون سی مخلوق ہے اس لیے کہ کوئی فوج فاتح بن کر کسی شہر میں داخل ہوتی ہے تو سینہ تان کر داخل ہوتی ہے آزادی کے ماحول میں داخل ہوتی ہے اور لوٹ مار کرتی ہے اور عصمتیں لوٹتی ہے، لیکن یہ عجیب وغریب لشکر اس شان سے داخل ہوا کہ چونکہ ان کے امیر نے کہہ دیا تھا کہ نگاہیں نیچی رکھنا تو سب کی نگاہیں نیچی تھیں اور اس حالت میں پورا لشکر اس بازار کو پار کر گیا اور شہر کے بے شمار لوگ صرف یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام لانے کی توفیق عطا فرما دی۔

کیا اسلام تلوار سے پھیلا ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ ''اسلام تلوار سے پھیلا تھا''، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کے اس کردار سے پھیلا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عمل سے پھیلا تھا۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کو نیچے رکھنے کے عمل سے نہ صرف یہ کہ ان کو جسمانی اور نفسانی اور شہوانی فتنے سے محفوظ رکھا، بلکہ اس کے ذریعے سے دشمن کے منصوبے اور ان کی چال سے بھی حفاظت فرمائی۔

شیطان کا حملہ چار اطراف سے

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا اور اس کو راندۂ درگاہ کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑے چیلنج کے انداز میں کہا تھا کہ جب آپ نے مجھے جنت سے نکالا ہے اور میری یہ دعا بھی آپ نے قبول کرلی ہے کہ میں قیامت تک زندہ رہوں گا تو اس نے یہ عزم کیا تھا کہ یہ آدم جس کی وجہ سے مجھے جنت سے نکلنا پڑا اس کی اولاد کو میں اس طرح گمراہ کروں گا کہ

لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ (۱)

یعنی میں ان کے سامنے سے حملے کروں گا، ان کے پیچھے سے حملے کروں گا، دائیں سے حملے کروں گا، بائیں طرف سے حملے کروں گا اور آپ کی اس مخلوق پر چاروں طرف سے حملے کروں گا۔

لہٰذا شیطان نے چاروں جہتیں گھیر رکھی ہیں۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دوسمتوں کو بیان کرنا بھول گیا، ایک اوپر کی جہت اور ایک نیچے کی جہت۔ لہٰذا یہ چاروں طرف سے تو حملہ آور ہے اور اس سے بچاؤ کا راستہ یا تو اوپر ہے یا نیچے ہے اور اوپر کے راستے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرو اور اس سے مدد مانگو، اس سے رجوع کرو، اس کی طرف انابت کرو اور کہو

(۱) سورۃ الاعراف آیت (۱۷)۔

کہ یا اللہ! یہ شیطان مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اپنے فضل وکرم سے مجھے شیطان کے حملوں سے بچایئے، لہٰذا اوپر کا راستہ تو شیطان سے اس لیے محفوظ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔

نیچے کا راستہ محفوظ ہے

اور نیچے کا راستہ شیطان سے اس لیے محفوظ ہے تا کہ تم نگاہ کو نیچے کر کے چلو، دائیں بائیں آگے پیچھے ان چاروں طرف سے شیطان کا حملہ ہوسکتا ہے، لیکن نیچے کی جہت شیطان کے حملے سے محفوظ ہے۔ جب تم نیچے نگاہ کر کے چلوگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ یہ حکم دے رہے ہیں کہ اپنی نگاہ کو نیچے کر کے چلو تا کہ اس فتنے میں مبتلا نہ ہو۔ بہرحال! یہ نگاہ کا فتنہ انسان کے باطنی اخلاق کو، باطنی کیفیات کو تباہ کرنے والا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں یہ بلا ایسی پھیل گئی ہے کہ شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ اس سے بچا ہوا ہوگا۔ ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ چاروں طرف نگاہ کو متوجہ کرنے اور نگاہ کو لبھانے کے سامان بکھرے پڑے ہیں، ہر طرف سے دعوتِ نظارہ مل رہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو معاشرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا اس معاشرے میں پردہ تھا، حجاب تھا، حیا تھی، شرم تھی اور انسانیت کی اعلیٰ صفات اس کے اندر موجود تھیں، لیکن آج کے معاشرے میں بے پردگی، بے حیائی، بے شرمی اور فحاشی اور عریانی کی دوڑ چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے جس کی وجہ سے کسی طرف نگاہ کو پناہ نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا دھیان

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمتیں کمزور ہوگئی ہیں اور ایک مؤمن کے اندر اپنے آپ پر قابو پانے کا جو ملکہ ہونا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کو ہر وقت پیش نظر رکھے وہ ایمان کا جذبہ کمزور پڑگیا ہے اس کی وجہ سے چاروں طرف بدنظری کا فتنہ پھیلا ہوا ہے، لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ شریعت کے جس حکم پر عمل کرنا جس وقت مشکل ہوجاتا ہے اتنا ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے فضل و کرم ہوتا ہے اور اتنا ہی اس حکم پر اجر وثواب بھی زیادہ دیا جاتا ہے۔

اچٹتی نگاہ معاف ہے

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر پہلی مرتبہ بلا قصد اور بلا ارادہ کسی نامحرم پر نگاہ پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں معاف ہے اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ حکم یہ ہے کہ جب بے اختیار نگاہ پڑے تو فوراً ہٹالو، حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لك النظرة الاولى وليست لك الثانية"(۱)

یعنی پہلی نگاہ تمہارے لیے ہے، یعنی اس میں کوئی گناہ نہیں، لیکن اگر دوسری نگاہ ڈالی اور اس کو باقی رکھا تو یہ گناہ ہے اور قابل مؤاخذہ ہے۔

لہٰذا اگر کبھی بلا اختیار نگاہ پڑ جائے تو یہ سمجھ کر فوراً ہٹائے کہ یہ میرے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور یہ مراقبہ کرے کہ جس وقت میں آنکھ کا غلط استعمال کر رہا

---

(۱) سنن ابی داود ۲۴۶/۲ (۲۱۴۹) وسنن الترمذی ۴۸۱/۴ (۲۷۷۷) وقال هذا حديث غريب۔

ہوں، اگر اس وقت اللہ تعالیٰ میری بینائی واپس لے لے اور مجھ سے یہ کہا جائے کہ جب تک تم بدنگاہی نہیں چھوڑو گے اس وقت تک یہ بینائی نہیں ملے گی تو میں ہزار مرتبہ اس بدنگاہی کو چھوڑنے کے لیے تیار ہوجاؤں گا۔ جب میں اس وقت اس گناہ سے بچنے کے لیے تیار ہوسکتا ہوں تو آج بھی یہ سوچ کر تیار ہوسکتا ہوں کہ میرے مالک نے مجھے اس گناہ سے منع کیا ہے۔

یہ نمک حرامی کی بات ہے

آدمی یہ سوچے کہ جس محسن نے بلا معاوضہ، بے مانگے، بلا قیمت، یہ نعمت مجھے دے رکھی ہے اس کی مرضی کے خلاف اس کو استعمال کرنا بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بڑی نمک حرامی کی بات ہے، اس نمک حرامی سے بچنے کے لیے میں اس گناہ کو چھوڑتا ہوں، اور پھر ہمت کر کے اس نگاہ کو ہٹالے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں بڑی طاقت دی ہے، اپنی ہمت سے بڑے بڑے پہاڑ سر کر لیتا ہے، لہٰذا اس ہمت کو استعمال کرو اور اس نظر کو ہٹالو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں یہ وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر نگاہ کو غلط جگہ سے ہٹالے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی ایسی روحانی لذت عطا فرمائیں گے جس کے آگے بدنگاہی کی لذتیں ہیچ در ہیچ ہیں، ان لذتوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں[1]۔

اللہ تعالیٰ سے دعا

اس کے علاوہ یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہو کہ یا اللہ! میں کمزور

---

(۱) المستدرك للحاكم ۳۴۹/٤ (۷۸۷۵) وقال هذا صحيح الإسناد ولم يخرجاه، وقال الذهبي في "التلخيص" اسحاق بن عبدالواحد القرشي واہ وعبدالرحمن هو الواسطي ضعفوه۔

ہوں، بے ہمت ہوں، بے حوصلہ ہوں، اے اللہ! جب آپ نے یہ کام گناہ قرار دیا ہے تو اپنی رحمت سے مجھے ہمت بھی عطا فرمائیے، مجھے حوصلہ بھی دیجیے اور مجھے اس بات کی توفیق عطا فرمائیے کہ میں آپ کے اس حکم پر عمل کرسکوں اور آپ کی دی ہوئی اس نعمت کو صحیح استعمال کرسکوں، غلط جگہ استعمال کرنے سے بچوں۔ خاص طور پر اس وقت جب آدمی گھر سے باہر نکلے، چونکہ وہ اس وقت فتنے کے ماحول کی طرف نکل رہا ہے، نہ جانے کون سا فتنہ پیش آجائے، اس لیے گھر سے نکلنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! میں عہد تو کرتا ہوں کہ آپ کی دی ہوئی اس نعمت کو غلط استعمال نہیں کروں گا، لیکن مجھے اپنے اوپر بھروسہ نہیں ہے اور میں اس وقت تک نہیں بچ سکتا جب تک آپ کی مدد شامل نہ ہو، اس لیے یا اللہ! مجھے اپنے فضل و کرم سے اس فتنے سے بچا لیجیے۔ یہ دعا مانگ کر گھر سے باہر نکلو اور ہمت کو کام میں لاؤ اور اگر کبھی غلطی ہوجائے تو فوراً توبہ استغفار کرو۔ اگر انسان یہ کام کرتا رہے تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اس فتنے سے محفوظ رہ سکے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے بھی اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آنکھوں کی حفاظت کیجیے

(اصلاحی خطبات ۱۵ / ۱۵۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آنکھوں کی حفاظت کیجیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ، ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (۱)

(۱) سورۃ النور آیت (۳۰)۔

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

ایک مہلک بیماری

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری ایک بیماری کا بیان فرمایا ہے۔ وہ ہے ''بدنگاہی''۔ یہ بدنگاہی ایسی بیماری ہے جس میں بے حد ابتلاء ہے، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ، علماء، اہل اللہ کی صحبت میں اُٹھنے بیٹھنے والے، متدین، نماز، روزے کے پابند بھی اس بیماری کے اندر مبتلا ہوجاتے ہیں اور آج کل تو حالت یہ ہے کہ اگر آدمی گھر سے باہر نکلے تو آنکھوں کو بچانا مشکل نظر آتا ہے، ہر طرف ایسے مناظر ہیں کہ ان سے آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے۔

بدنگاہی کی حقیقت

''بدنگاہی'' کا حاصل یہ ہے کہ کسی غیر محرم پر نگاہ ڈالنا، بالخصوص جبکہ شہوت کے ساتھ نگاہ ڈالی جائے یا لذت حاصل کرنے کے لیے نگاہ ڈالی جائے، چاہے وہ غیر محرم حقیقی طور پر زندہ ہو اور چاہے غیر محرم کی تصویر ہو، اس پر بھی نگاہ ڈالنا حرام ہے اور ''بدنگاہی'' کے اندر داخل ہے۔

یہ بدنگاہی کا عمل اپنے نفس کی اصلاح کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور یہ عمل انسان کے باطن کے لیے اتنا تباہ کن ہے کہ دوسرے گناہوں سے یہ بہت آگے بڑھا ہوا ہے اور انسان کے باطن کو خراب کرنے میں اس کا بہت دخل ہے۔ جب تک اس عمل کی اصلاح نہ ہو اور نگاہ قابو میں نہ

آئے۔ اس وقت تک باطن کی اصلاح کا تصور تقریباً محال ہے، حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"النظرة سهم مسموم من سهام إبليس"(۱)
یعنی یہ "نظر" ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔

یہ تیر جو ابلیس کے کمان سے نکل رہا ہے۔ اگر کسی نے اس کو ٹھنڈے پیٹوں سے برداشت کرلیا اور اس کے آگے ہتھیار ڈال دیے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باطن کی اصلاح میں اب بڑی رکاوٹ کھڑی ہوگئی، اس لیے کہ انسان کے باطن کو خراب کرنے میں جتنا دخل اس آنکھ کے غلط استعمال کا ہے، شاید کسی اور عمل کا نہ ہو۔

یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑے گا

میں نے اپنے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٌ صاحب عارفی قدس اللہ سرہٗ سے سنا، فرماتے تھے کہ نگاہ کا غلط استعمال باطن کے لیے سمِ قاتل ہے، اگر باطن کی اصلاح

---

(۱) مسند الشهاب ۱۹۵/۱ (۲۹۲)، والمستدرک للحاکم ۳۴۹/۴ (۷۸۷۵) وقال هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه. وقال الذهبي في "التلخيص": إسحاق بن عبد الواحد القرشي واه، عبد الرحمن هو الواسطي ضعفوه. والحديث ذكره العجلوني في "كشف الخفاء" ۳۹۱/۲ (۲۸٦٤) وقال: رواه الحاكم وصححه، وأقره العراقي، وضعفه المنذري عن حذيفة. وأخرجه الطبراني عن ابن مسعود... ومن شواهده ما عند البيهقي وغيره، قال المنذري: ورواتهم لا أعلم فيهم مجروحًا، عن ابن مسعود: الإثم حواز القلوب، وما من نظرة إلا وللشيطان فيها مطمع. والله أعلم.

منظور ہے تو سب سے پہلے اس نگاہ کی حفاظت کرنی ہوگی۔ یہ کام بڑا مشکل نظر آتا ہے۔ ڈھونڈے سے بھی آنکھوں کو پناہ نہیں ملتی، ہر طرف بے پردگی، بے حجابی، عریانی اور فحاشی کا بازار گرم ہے، ایسے میں اپنی نگاہوں کو بچانا مشکل نظر آتا ہے، لیکن اگر ایمان کی حلاوت حاصل کرنا منظور ہے اور اللہ جل جلالہٗ کے ساتھ تعلق اور محبت منظور ہے اور اپنے باطن کی صفائی، تزکیہ اور طہارت منظور ہے، تو پھر یہ کڑوا گھونٹ تو پینا ہی ہوگا اور یہ کڑوا گھونٹ پیے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکتی، لیکن یہ کڑوا گھونٹ ایسا ہے کہ شروع میں تو بہت کڑوا ہوتا ہے، مگر جب ذرا اس کی عادت ڈال لو تو پھر یہ گھونٹ ایسا میٹھا ہوجاتا ہے کہ پھر اس کے بغیر چین بھی نہیں آتا۔

عربوں کا قہوہ

عرب کے لوگ قہوہ پیا کرتے ہیں، آپ حضرات نے بھی دیکھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے فنجانوں میں قہوہ پیتے ہیں، مجھے یاد ہے کہ جب میں چھوٹا بچہ ہی تھا، اس وقت قطر کے ایک شیخ کراچی آئے ہوئے تھے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میں بھی اس سے ملنے کے لیے چلا گیا اس ملاقات کے دوران وہاں مجلس میں پہلی مرتبہ وہ قہوہ دیکھا، وہ قہوہ سب کو پینے کے لیے پیش کیا گیا، جب قہوہ کا لفظ سنا تو ذہن میں یہی خیال آیا کہ میٹھا ہوگا، لیکن جب اس کو زبان سے لگایا تو وہ اتنا کڑوا تھا کہ اس کو حلق سے اُتارنا مشکل ہوگیا۔ حالانکہ وہ ذرا سا قہوہ تھا اور اس کا ذائقہ بھی تلخ تھا اور اب وہاں مجلس میں بیٹھ کر کلی تو کر نہیں سکتے تھے۔ اس لیے چار ناچار اس کو کسی طرح حلق سے اُتارا، لیکن جب حلق سے اُتارا تو اب ذرا اس کا سرور محسوس ہوا، اس کے بعد پھر ایک اور مجلس

میں پینے کا اتفاق ہوا، آہستہ آہستہ اب یہ حالت ہوگئی کہ اب اتنا پیارا اور اتنا مزیدار لگتا ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، اس لیے کہ اب پینے کی عادت ہوگئی ہے۔

پھر حلاوت اور لذت حاصل ہوگی

اس طرح یہ بھی ایسا کڑوا گھونٹ ہے کہ شروع میں اس کو پینا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے، لیکن پینے کے بعد جب اس کا سرور طاری ہوجائے گا۔ تو پھر دیکھو گے کہ اس کے پینے میں کیا لطف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حلاوت ہم سب کو عطا فرمادے، آمین۔ بہرحال! یہ ایسی کڑوی چیز ہے کہ ایک مرتبہ اس کی کڑواہٹ کو برداشت کرلو اور ایک مرتبہ دل پر پتھر رکھ کر اس کی کڑواہٹ کو نگل جاؤ تو پھر ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ ایسی حلاوت، ایسا سرور، ایسی لذت عطا فرمائیں گے کہ اس کے آگے اس بدنگاہی کی لذت ہیچ در ہیچ ہے، اس کے آگے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

یہ آنکھ ایک مشین ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے کہ انسان اس کا تصور نہیں کرسکتا اور بے مانگے مل گئی ہے اور مفت میں مل گئی ہے۔ اس کے لیے کوئی محنت اور پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑا، اس لیے اس نعمت کی قدر نہیں ہے۔ ان لوگوں سے جاکر پوچھو جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ نابینا ہیں یا تو بینائی چلی گئی ہے یا جن کے پاس یہ نعمت شروع ہی سے نہیں ہے، ان سے پوچھو کہ یہ آنکھ کیا چیز ہے اور خدا نہ کرے، اگر بینائی میں کوئی خلل آنے لگے اور بینائی جاتی ہوئی معلوم ہونے لگے تو اس وقت معلوم ہوگا کہ ساری کائنات اندھیری ہوگئی ہے اور

اس وقت انسان اپنی ساری دولت خرچ کر کے بھی یہ چاہے گا کہ مجھے یہ دولت دوبارہ حاصل ہو جائے اور یہ ایسی مشین ہے کہ آج تک ایسی مشین کوئی ایجاد نہیں کر سکا۔

سات میل کا سفر ایک لمحے میں

میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی آنکھ میں جو یہ پتلی رکھی ہے یہ اندھیرے میں پھیلتی ہے اور روشنی میں سکڑ جاتی ہے، جب آدمی اندھیرے سے روشنی میں آتا ہے یا روشنی سے اندھیرے میں آتا ہے تو اس وقت یہ سکڑنے اور پھیلنے کا عمل ہوتا ہے اور اس سکڑنے اور پھیلنے میں آنکھ کے اعصاب سات میل کا فاصلہ طے کرتے ہیں، لیکن انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیا بات ہوئی، ایسی نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمادی ہے۔

آنکھ کا صحیح استعمال

اب اگر اس نعمت کا صحیح استعمال کرو گے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تم کو اس پر ثواب بھی دوں گا، مثلاً آنکھ کے ذریعے محبت کی نگاہ اپنے والدین پر ڈالو، تو حدیث شریف میں ہے کہ ایک حج مبرور کا ثواب ملے گا[1]۔ اللہ اکبر! ایک دوسری حدیث میں ہے کہ شوہر گھر میں داخل ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ

(۱) شعب الایمان للبیھقی ۳۶۵/۱۰ (۷۴۷۲) و (۷۴۷۵) والحدیث اخرجہ الذھبی فی "سیر اعلام النبلاء" ۲۰۸/۱۹ وقال ھذا منکر۔ (طبع موسسۃ الرسالۃ)۔

سے دیکھتے ہیں[1]۔ جب اس آنکھ کو صحیح جگہ پر استعمال کیا جارہا ہے تو صرف یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر لذت اور لطف عطا فرمارہے ہیں، بلکہ اس پر اجر وثواب بھی عطا فرمارہے ہیں، لیکن اگر اس کا غلط استعمال کرو گے اور غلط جگہ پر نگاہ ڈالو گے اور غلط چیزیں دیکھو گے تو پھر اس کا وبال بھی بڑا سخت ہے اور یہ عمل انسان کے باطن کو خراب کرنے والا ہے۔

بدنگاہی سے بچنے کا علاج

اب اس بدنگاہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ ہے کہ ہمت سے کام لے کر یہ طے کرلو کہ یہ نگاہ غلط جگہ پر نہیں اُٹھے گی۔ اس کے بعد پھر چاہے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں، لیکن اس نگاہ کو مت ڈالو ؎

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

بس ہمت اور ارادہ کرکے اس نگاہ کو بچائیں تو پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی مدد اور نصرت آتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آنکھ کو بدنگاہی سے بچانے کی کچھ تدبیریں بیان فرمائی ہیں، وہ یاد رکھنے کی ہیں، فرماتے

---

(۱) التدوین فی اخبار قزوین ۴۷/۲ طبع دار الکتب العلمیة، والحدیث مذکور في "الجامع الصغير" ۴۱۹/۱ (۱۹۷۷) معزوا إلى ميسرة بن علي في "مشيخته"، والرافعي في "تاريخه" عن أبي سعيد، برمز الصحة. (طبع مكتبة نزار مصطفى) وسكت عنه المناوي في "الفيض" ۳۳۳/۲ و "التيسير" ۲۸۳/۱. لیکن اس روایت کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن یحیی التمیمی ہیں، جس کی حضرات محدثین نے سخت تضعیف کی ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: میزان الاعتدال للذہبی ۴۱۵/۱، طبع دار الکتب العلمیة، از مرتب عفی عنہ

ہیں کہ

''اگر کوئی عورت نظر آئے اور نفس یہ کہے کہ ایک دفعہ دیکھ لے، کیا حرج ہے؟ کیونکہ تو بدفعلی تو کرے گا نہیں، تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ نفس کا کید ہے اور طریقہ نجات کا یہ ہے کہ عمل نہ کیا جائے۔''(۱)

اس لیے یہ شیطان کا دھوکہ ہے وہ کہتا ہے کہ دیکھنے میں کیا حرج ہے؟ دیکھنا تو اس لیے منع ہے تا کہ انسان کسی بدفعلی کے اندر مبتلا نہ ہو اور یہاں بدفعلی کا امکان ہی نہیں۔ اس لیے دیکھ لو کوئی حرج نہیں، حضرتِ والا فرماتے ہیں کہ یہ نفس کا مکر ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے اور چاہے جتنا بھی تقاضا ہو رہا ہو۔ نگاہ کو وہاں سے ہٹالے۔

شہوانی خیالات کا علاج

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ یہ جو گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا علاج اس طرح کرو کہ جب دل میں یہ سخت تقاضا پیدا ہو کہ اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کروں اور اس نگاہ کو غلط جگہ استعمال کر کے لذت حاصل کروں تو اس وقت ذرا سا یہ تصور کرو کہ اگر میرے والد مجھے اس حالت میں دیکھ لیں۔ کیا پھر بھی یہ حرکت جاری رکھوں گا؟ یا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرے شیخ مجھے اس حالت میں دیکھ رہے ہیں، کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ یا مجھے پتہ ہو کہ میری اولاد میری اس حرکت کو دیکھ رہی ہے تو کیا پھر بھی یہ کام

(۱) ملاحظہ ہو انفاسِ عیسیٰ ص ۱۴۲، طبع ایچ ایم سعید کمپنی۔

جاری رکھوں گا؟ ظاہر ہے کہ اگر ان میں سے کوئی بھی میری اس حرکت کو دیکھ رہا ہوگا تو میں اپنی نظر نیچی کرلوں گا اور یہ کام نہیں کروں گا، چاہے دل میں کتنا شدید تقاضا پیدا کیوں نہ ہو۔

پھر یہ تصور کرو کہ ان لوگوں کے دیکھنے نہ دیکھنے سے میری دنیا و آخرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن میری اس حالت کو احکم الحاکمین دیکھ رہا ہے اس کی پرواہ مجھے کیوں نہ ہو، اس لیے کہ وہ مجھے اس پر سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس خیال اور تصور کی برکت سے اُمید ہے کہ ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ اس گناہ سے محفوظ رکھیں گے۔

تمہاری زندگی کی فلم چلادی جائے تو

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہٗ کی ایک بات اور یاد آ گئی فرماتے تھے کہ ذرا اس بات کا تصور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے یوں فرمائیں کہ اچھا اگر تمہیں جہنم سے ڈر لگ رہا ہے تو چلو ہم تمہیں آگ سے اور جہنم سے بچالیں گے، لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے وہ یہ کہ ہم ایک کام کریں گے کہ تمہاری پوری زندگی جو بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک اور مرنے تک تم نے گزاری ہے۔ اس کی ہم فلم چلائیں گے اور اس فلم کے دیکھنے والوں میں تمہارا باپ ہوگا، تمہاری ماں ہوگی، تمہارے بہن بھائی ہوں گے، تمہاری اولاد ہوگی، تمہارے شاگرد ہوں گے، تمہارے استاد ہوں گے، تمہارے دوست و احباب ہوں گے اور اس فلم کے اندر تمہاری پوری زندگی کا نقشہ سامنے کردیا جائے گا، اگر تمہیں یہ بات منظور ہو تو پھر تمہیں جہنم سے بچالیا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ ایسے موقع پر آدمی شاید آگ کے عذاب کو گوارا کرلے گا، مگر اس بات کو گوارا نہیں کرے گا کہ ان تمام لوگوں کے سامنے میری زندگی کا نقشہ آجائے، لہٰذا جب اپنے ماں، باپ، دوست احباب، عزیز و اقارب اور مخلوق کے سامنے اپنی زندگی کے احوال کا آنا گوارا نہیں۔ تو پھر ان احوال کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے آنا کیسے گوارا کرلوگے؟ اس کو ذرا سوچ لیا کرو۔

دل کا مائل ہونا اور مچلنا گناہ نہیں

پھر آگے دوسرے ملفوظ میں ارشاد فرمایا کہ

> ”بدنگاہی میں ایک درجہ میلان کا ہے جو کہ غیر اختیاری ہے اور اس پر مواخذہ بھی نہیں اور ایک درجہ ہے اس کے مقتضاء پر عمل کرنا، یہ اختیاری ہے، اس پر مواخذہ ہے۔“
>
> (انفاسِ عیسیٰ)

میلان کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے کا بہت دل چاہ رہا ہے، دل مچل رہا ہے، یہ دل کا چاہنا، مچلنا اور مائل ہونا۔ چونکہ یہ غیر اختیاری ہے۔ اس لیے اس پر مواخذہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر ان شاء اللہ کوئی گرفت نہیں ہوگی، کوئی گناہ نہیں ہوگا، لیکن دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس دل کے چاہنے پر عمل کرلیا اور اس کی طرف نگاہ اُٹھادی، یہ اختیاری ہے اور اس پر مواخذہ بھی ہے یا نگاہ غیر اختیاری طور پر پڑ گئی تھی، اب اس نگاہ کو اپنے اختیار سے باقی رکھا، اس پر بھی مواخذہ ہے اور اس پر بھی گناہ ہے۔ تو میلان کا پہلا درجہ غیر اختیاری ہے وہ

معاف ہے اس پر گرفت نہیں اور دوسرا درجہ اختیاری ہے، اس پر مواخذہ بھی ہے۔ آگے فرمایا:

سوچ کرلذت لینا حرام ہے

''اور اس عمل میں قصداً دیکھنا اور سوچنا سب داخل ہے
اور اس کا علاج کفِ نفس اور غضِ بصر ہے۔''

کسی اجنبی اور نامحرم عورت کا تصور کر کے لذت لینا، یہ بھی اسی طرح حرام ہے جیسے بدنگاہی حرام ہے تو دیکھنا بھی اس میں داخل ہے اور سوچنا بھی اس میں داخل ہے اور اس کا علاج یہ بتلادیا کہ نفس کو روکو اور نگاہ کو نیچی رکھو، آگے پیچھے، اِدھر اُدھر اور دائیں بائیں دیکھنے کے بجائے زمین کی طرف نگاہ رکھتے ہوئے چلے۔

راستے میں چلتے وقت نگاہ نیچی رکھو

حضرتِ والا قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا تو جاتے جاتے وہ دعا مانگ گیا کہ یااللہ! مجھے قیامت تک کی مہلت دے دیجیے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو مہلت دے دی، اب اس نے اکڑ فوں دکھائی، چنانچہ اس وقت اس نے کہا کہ

لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ (۱)

(۱) سورۃ الاعراف آیت (۱۷)۔

یعنی میں ان بندوں کے پاس ان کے دائیں طرف سے،
بائیں طرف سے، آگے سے اور پیچھے سے جاؤں گا اور
چاروں طرف سے ان پر حملے کروں گا۔

حضرتِ والا فرماتے ہیں کہ شیطان نے چار سمتیں تو بیان کر دیں، تو معلوم ہوا کہ شیطان انہی چار سمتوں سے حملہ آور ہوتا ہے، کبھی آگے سے ہوگا، کبھی پیچھے سے ہوگا، کبھی دائیں سے ہوگا، کبھی بائیں سے ہوگا، لیکن دو سمتیں وہ چھوڑ گیا، ان کو نہیں بیان کیا۔ ایک اوپر کی سمت اور ایک نیچے کی سمت۔ اس لیے اوپر کی سمت بھی محفوظ ہے اور نیچے کی سمت بھی محفوظ ہے۔ اب اگر نگاہ اوپر کر کے چلوگے تو ٹھوکر کھا کر گر جاؤ گے۔ اس لیے اب ایک ہی راستہ رہ گیا کہ نیچے کی طرف نگاہ کر کے چلوگے تو ان شاء اللہ شیطان کے چار طرفی حملے سے محفوظ رہوگے۔ اس لیے بلاوجہ دائیں بائیں نہ دیکھو، بس اللہ اللہ کرتے ہوئے نیچے دیکھتے ہوئے چلو۔ پھر دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تمہاری حفاظت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ (۱)

یعنی مؤمنین سے کہہ دو کہ اپنی نگاہوں کو نیچی کرلیں تو خود قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے نگاہ نیچی کرنے کا حکم فرما دیا اور پھر آگے اس کا نتیجہ بیان فرما دیا کہ اس کی وجہ سے شرم گاہوں کی حفاظت ہوجائے گی اور پاک دامنی حاصل ہوجائے گی۔

---

(۱) سورۃ النور آیت (۳۰)۔

یہ تکلیف جہنم کی تکلیف سے کم ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں کہ

''ہمت کرکے ان (دونوں) کو اختیار کرے، گو نفس کو
تکلیف ہو مگر یہ تکلیف نارِ جہنم کی تکلیف سے کم ہے۔''

یعنی اس وقت تو نگاہ کے بچانے سے نفس کو تکلیف ہو رہی ہے، لیکن اس بدنگاہی کے بدلے میں جو جہنم کا عذاب ہے، اس کی تکلیف کے مقابلے میں یہ تکلیف لاکھوں، کروڑوں، بلکہ اربوں گنا کم ہے، بلکہ یہاں کی تکلیف کو وہاں کی تکلیف سے کوئی نسبت ہی نہیں، کیونکہ وہاں کا عذاب غیر متناہی ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں اور یہاں کی تکلیف ختم ہونے والی ہے۔ آگے فرمایا کہ

ہمت سے کام لو

''جب چند روز ہمت سے ایسا کیا جائے گا تو میلان میں
بھی کمی ہو جائے گی، بس یہی علاج ہے، اس کے سوا کچھ
علاج نہیں، اگرچہ ساری عمر سرگرداں رہے۔''

اس لیے کہ جب انسان محنت اور مشقت برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے وعدہ فرمالیا ہے کہ

وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [1]

یعنی جو شخص ہمارے راستے میں مجاہدہ کرے گا ہم ضرور

(۱) سورۃ العنکبوت آیت (۶۹)۔

اس کو راستہ دکھادیں گے۔

تو وہ مجاہدہ کرنے والے کو راستہ دیتے ہیں، لہٰذا مجاہدہ کرکے نظر نیچی کرلو گے بالآخر اللہ تعالیٰ میلان بھی کم فرمادیں گے، ان شاء اللہ۔ بس یہی علاج ہے اس کے سوا کچھ علاج نہیں، اگر چہ ساری عمر سرگرداں رہو۔ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جب ہم شیخ کے پاس جائیں تو شیخ ایسی پھونک مارے یا ایسا نسخہ پلادے یا ایسا وظیفہ پڑھ دے کہ بس یہ میلان ختم ہوجائے۔ ارے بھائی! ایسا نہیں ہوا کرتا، جب تک انسان ہمت سے کام نہ لے۔

دو کام کرلو

دیکھو! دو کام کرلو، ایک ہمت کو استعمال کرو، دوسرے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو۔ ''ہمت کے استعمال'' کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو حتیٰ الامکان جتنا بچاسکتے ہو، بچالو اور ''رجوع الی اللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی ایسی آزمائش پیش آئے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے کہو کہ یا اللہ! اپنی رحمت سے مجھے بچالیجیے، میری آنکھ کو بچالیجیے، میرے خیالات کو بچالیجیے، اگر آپ نے مدد نہ فرمائی تو میں مبتلا ہوجاؤں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت

حضرت یوسف علیہ السلام جب آزمائش میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے بھی یہی کام کیا کہ اپنی طرف سے کوشش کی، چنانچہ جب زلیخا نے چاروں طرف دروازوں میں تالے ڈال دیے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی اس

وقت حضرت یوسف علیہ السلام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام دروازوں کی طرف بھاگ پڑے۔ اب جب آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں تو بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ راستہ تو ہے نہیں۔ مگر چونکہ اپنے اختیار میں تو اتنا ہی تھا کہ دروازے تک بھاگ جاتے، چنانچہ جب اپنے حصے کا کام کرلیا اور اپنے اختیار میں جو تھا وہ کرلیا اور دروازے تک پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ سے یہ کہنے کے حقدار ہوگئے کہ یا اللہ! میرے اختیار میں تو بس اتنا ہی تھا، میرے بس میں اس سے زیادہ نہیں، اب آگے تو آپ کے کرنے کا کام ہے۔ تو جب اپنے حصے کا کام کرکے اللہ تعالیٰ سے مانگ لیا کہ اے اللہ! باقی آگے کا کام آپ کے قبضے میں ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے حصے کا کام کرلیا اور انہوں نے بھی دروازوں کے تالے توڑ دیے۔ اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کتنے خوبصورت انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وار می باید دوید

اگرچہ تمہیں اس دنیا کے اندر کوئی راستہ اور کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آرہی ہے۔ چاروں طرف سے گناہوں کی دعوت دی جارہی ہے، لیکن تم دیوانہ وار اس طرح بھاگو، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام بھاگے، تم جتنا بھاگ سکتے ہو، اتنا تو بھاگ لو، باقی اللہ سے مانگو۔ بہرحال! اگر انسان یہ دو کام کرلے، ایک اپنی استطاعت کی حد تک کام کرلے اور دوسرے اللہ سے مانگے، یقین کیجیے دنیا میں کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی ہے۔

۞ حضرت یونس علیہ السلام کا طرز اختیار کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہٗ بھی بڑی عجیب عجیب باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رکھا، اب وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، چاروں طرف تاریکیاں اور اندھیریاں چھائی ہوئی تھیں اور معاملہ اپنے بس سے باہر ہوگیا تھا بس اس وقت ان تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا اور یہ کلمہ پڑھا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۱)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اس نے ہمیں تاریکیوں کے اندر پکارا تو پھر ہم نے یہ کہا کہ

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (۲)

یعنی ہم نے اس کی پکار سنی اور ہم نے اس گھٹن سے اس کو نجات عطا فرمادی۔

چنانچہ تین دن کے بعد مچھلی کے پیٹ سے نکل آئے، آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اسی طرح مؤمنوں کو نجات دیتے ہیں اور دیں گے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم ذرا سوچو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کیا لفظ ارشاد فرمادیا کہ ہم مؤمنوں کو اسی طرح نجات دیں گے؟ کیا ہر مؤمن

---

(۱) سورۃ الانبیاء آیت (۸۷)۔

(۲) سورۃ الانبیاء آیت (۸۸)۔

پہلے مچھلی کے پیٹ میں جائے گا اور پھر وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کو پکارے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نجات دیں گے، کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے؟ آیت کا یہ مطلب نہیں، بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں گرفتار ہوئے تھے، اسی طرح تم کسی اور قسم کی تاریکیوں میں گرفتار ہو سکتے ہو، لیکن وہاں پر بھی تمہارا سہارا وہی ہے جسے حضرت یونس علیہ السلام نے اختیار کیا تھا۔ وہ یہ کہ ہمیں ان الفاظ سے پکارو!

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ

جب تم ان الفاظ سے ہمیں پکارو گے تو تم جس قسم کی تاریکی میں گرفتار ہو گے ہم تمہیں نجات دے دیں گے۔

ہمیں پکارو

لہٰذا جب نفس کے تقاضوں کی تاریکیاں سامنے آئیں، ماحول کی ظلمتیں اور تاریکیاں سامنے آئیں تو اس وقت تم ہمیں پکارو، یااللہ! ان تاریکیوں سے بچا لیجیے۔ ان تاریکیوں سے نکال دیجیے، ان اندھیروں سے باہر کر دیجیے، ان کے شر سے محفوظ فرمائیے۔ جب دعا کرو گے تو پھر ممکن نہیں ہے کہ یہ دعا قبول نہ ہو۔

دنیاوی مقاصد کے لیے دعا کی قبولیت

دیکھیے! جب انسان کسی دنیاوی مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے۔ مثلاً یہ دعا کرتا ہے کہ یااللہ! مجھے صحت دے دے۔ یااللہ! مجھے پیسے دے دے۔ یااللہ! مجھے فلاں ملازمت دے دے۔ یااللہ! مجھے فلاں عہدہ دے

دے۔ ویسے تو ہر دعا قبول ہوتی ہے، مگر قبولیت کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات تو وہی چیز اللہ تعالیٰ دے دیتے ہیں، جو مانگی تھی، مثلاً پیسہ مانگا تھا، اللہ تعالیٰ نے پیسہ دے دیا۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی منصب مانگا تھا، وہ دے دیا، لیکن بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ یہ جانتے ہیں کہ یہ انسان اپنی بے وقوفی اور نادانی کی وجہ سے ایسی چیز مانگ رہا ہے کہ اگر میں نے اس کو دے دی تو وہ چیز اس کے لیے عذاب ہوجائے گی۔ مثلاً یہ پیسہ مانگ رہا ہے، لیکن اگر میں نے اس کو پیسہ دے دیا تو اس کا دماغ خراب ہوجائے گا اور یہ فرعون بن جائے گا۔ اپنی دنیا بھی خراب کرے گا اور آخرت بھی خراب کرے گا۔ اس لیے ہم اس کو زیادہ پیسے نہیں دیتے یا مثلاً ایک شخص نے کوئی عہدہ یا منصب مانگ لیا، لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر یہ منصب اس کو مل گیا تو یہ معلوم نہیں کیا کیا فساد برپا کرے گا، اس لیے بعض اوقات وہ چیز دینا مناسب نہیں ہوتا جو اس نے مانگی ہے، اس لیے اس کے بجائے اللہ تعالیٰ اس سے اچھی چیز دے دیتے ہیں۔

دینی مقصد کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے

لیکن اگر کوئی شخص دین مانگ رہا ہے اور یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ! مجھے دین پر چلا دیجیے، مجھے سنت پر چلا دیجیے، مجھے گناہوں سے بچا لیجیے تو کیا اس میں اس بات کا امکان ہے کہ دین پر چلنے میں نقصان زیادہ ہے اور کسی اور راستے پر چلنے میں نقصان کم ہے؟ اور اللہ تعالیٰ دین کے بجائے دوسرے راستے پر چلا دیں؟ چونکہ اس بات کا امکان ہی نہیں۔ لہٰذا وہ دعا جو دین کے لیے مانگی جاتی ہے کہ یا اللہ! مجھے دین عطا فرمادے۔ یا اللہ! مجھے گناہوں سے بچالے۔ یا اللہ!

مجھے طاعات عطا فرما دے۔ یہ دعائیں تو ضرور قبول ہونی ہیں اس میں قبول نہ ہونے کا امکان ہی نہیں۔ اس لیے جب بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اس یقین کے ساتھ مانگو کہ ضرور قبول ہوگی۔

دعا کے بعد اگر گناہ ہوجائے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب تم نے یہ دعا مانگ لی کہ یااللہ مجھے گناہ سے بچالیجیے، لیکن اس دعا کے بعد پھر تم گناہ کے اندر مبتلا ہوگئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ دنیا کے معاملے میں تو یہ جواب دیا تھا کہ جو چیز بندے نے مانگی تھی چونکہ وہ بندے کے لیے مناسب نہیں تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے وہ چیز نہیں دی، بلکہ کوئی اور اچھی چیز دے دی، لیکن ایک شخص یہ دعا کرتا ہے کہ یااللہ! میں گناہ سے بچنا چاہتا ہوں۔ مجھے گناہ سے بچنے کی توفیق دے دیجیے تو کیا یہاں بھی یہ جواب دے سکتے ہیں کہ گناہ سے بچنا اچھا نہیں تھا۔ اس سے اچھی کوئی چیز تھی جو اللہ تعالیٰ نے اس دعا مانگنے والے کو دے دی؟

توبہ کی توفیق ضرور ہوجاتی ہے

بات دراصل یہ ہے کہ گناہ سے بچنے کی یہ دعا قبول تو ہوئی، لیکن اس دعا کا اثر ہوگا کہ اول تو ان شاء اللہ گناہ سرزد نہیں ہوگا اور اگر بالفرض ہو بھی گیا تو توبہ کی توفیق ضرور ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ توبہ کی توفیق نہ ہو، لہٰذا دین کے بارے میں یہ دعا کبھی رائیگاں نہیں جاسکتی۔ کبھی یہ دعا بے کار نہیں ہوسکتی

اور اگر گناہ کے بعد توبہ کی توفیق ہو جائے تو وہ توبہ بعض اوقات انسان کو اتنا اونچا لے جاتی ہے اور اس کا اتنا درجہ بلند کرتی ہے کہ بعض اوقات گناہ نہ کرنے کی صورت اس کا اتنا درجہ بلند نہ ہوتا اور وہ اتنا اونچا نہ جاتا، اس لیے کہ غلطی سرزد ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے سامنے اس نے توبہ کی، رویا، گڑگڑایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجے میں اس کا درجہ اور زیادہ بلند کر دیا۔

پھر ہم تمہیں بلند مقام پر پہنچائیں گے

اس لیے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اس دعا کے کرنے کے باوجود اگر پاؤں پھسل گیا اور وہ گناہ سرزد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ سے بدگمان مت ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری دعا قبول نہیں کی۔ ارے ناداں! تجھے کیا معلوم، ہم تجھے کہاں تک پہنچانا چاہتے ہیں؟ اس لیے کہ جب گناہ سرزد ہوگا تو پھر ہم تمہیں توبہ کی توفیق دیں گے پھر ہم تمہیں اپنی ستاری کا، اپنی غفاری کا، اپنی پردہ پوشی کا اور اپنی رحمتوں کا مورد بنائیں گے۔ اس لیے اس دعا کو کبھی رائیگاں اور بے کارمت سمجھو۔ بس یہ دو کام کرتے رہو۔ ہمت سے کام لو اور دعا مانگتے رہو، پھر دیکھو! کیا سے کیا ہو جاتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تمام گناہوں سے بچنے کا صرف ایک ہی نسخہ

بدنگاہی کے بارے میں یہ باتیں عرض کر دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ صرف بدنگاہی نہیں، دنیا کے ہر گناہ کے اندر یہ ضروری ہے کہ ہمت کا استعمال کرنا، اس کو بار بار تازہ کرنا اور

اللہ تعالیٰ سے رجوع اور دعا کرنا۔ یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں، ان میں سے صرف ایک چیز سے کام نہیں بنے گا، اگر صرف دعا کرتے رہوگے اور ہمت نہیں کروگے تو یہ چیز حاصل نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک آدمی مشرق کی طرف بھاگا جارہا ہے اور دعا مغرب کی کررہا ہے یہ دعا کیسے قبول ہوگی؟ کم از کم پہلے اپنا رُخ تو مغرب کی طرف کر اور جتنا تیرے بس میں ہے وہ تو کرلے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگ کہ یااللہ! مجھے مغرب پہنچادے، تب تو وہ دعا فائدہ مند ہے، ورنہ وہ دعا نہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ سے مذاق ہے۔

اس لیے پہلے رُخ اس طرف کرو اور ہمت کرو اور جتنا ہوسکے اس طرف قدم بڑھاؤ اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگو، تمام گناہوں سے بچنے کا یہی نسخہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور نسخہ نہیں ہے اور ساری طاعات کو حاصل کرنے کا بھی یہی نسخہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

وقت بڑی نعمت ہے

(اصلاحی خطبات ۱۶/ ۴۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وقت بڑی نعمت ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فقد قال النبی ﷺ: «نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحۃ والفراغ».(۱)

(۱) صحیح البخاری ۸۸/۸ (۶۴۱۲) والزھد لابن المبارک ۱/۱ (۱) طبع دار الکتب العلمیۃ۔ وسنن الترمذی ۱۳۹/۴ (۲۳۰۴)۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادرانِ عزیز! گزشتہ کل بھی میں نے یہی حدیث تلاوت کی تھی، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

''دونعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ایک صحت کی نعمت اور دوسری فراغت کی نعمت''۔

اس حدیث کا دوسرا ترجمہ اس طرح بھی کرسکتے ہیں کہ ''دونعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں لوگ گھاٹے کے سودے میں ہیں'' گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونعمتوں کو تاجر کے مال تجارت سے تشبیہ دی ہے کہ یہ ''وقت'' ایک مال ہے، جیسے کوئی شخص تجارت میں اپنا سرمایہ لگا رہا ہے، وہ سرمایہ اس لیے لگاتا ہے تاکہ اس میں اضافہ ہو، بڑھوتری ہو اور نفع ہو، لیکن اگر تجارت کے اندر فائدہ اور نفع ہونے کے بجائے اصل سرمایہ ہی ڈوب جائے تو یہ خسارہ ہے، نقصان اور گھاٹا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت اور فراغت کو تاجر کے سرمائے سے تشبیہ دی ہے کہ یہ صحت جو تمہیں ملی ہوئی ہے یا یہ فراغت جو تمہیں ملی ہوئی ہے، یہ تمہارا سرمایہ ہے اور اس سرمائے کے ذریعے نفع حاصل ہونا چاہیے اور وہ نفع یہ ہے کہ دنیا کے اندر بھی بہتری ہو اور یہ صحت و فراغت آخرت کی بہبود کے لیے بھی استعمال ہو۔

پھر وہ سرمایہ ڈوب گیا

اگر اس صحت کی نعمت کو ضائع کردیا، ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کسی نفع بخش کام میں نہیں لگایا، بلکہ فضول ضائع کردیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

وہ سرمایہ ڈوب گیا یا جو فراغت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی تھی، اس کو غلط مصرف میں استعمال کرلیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سرمایہ ڈوب گیا۔ اسی لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن میں اکثر لوگ خسارہ اٹھاتے ہیں اور ان کا سرمایہ بھی ڈوب جاتا ہے اور نفع بھی حاصل نہیں ہوتا۔

عمرِ فسانہ ساز گزرتی چلی گئی

اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب و غریب تعلیم دی ہے اور حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم سب لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، اوقاتِ زندگی کو صحیح مصرف میں استعمال کرنے کی فکر نہیں ہے، اوقاتِ زندگی بے فائدہ ضائع ہورہے ہیں، ایک وقت ایسا آئے گا جس میں انسان حسرت کرے گا کہ کاش! میں ان اوقاتِ زندگی کو صحیح کام میں خرچ کرلیتا۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آخر میں جا کر یہ انجام ہوتا ہے کہ ؎

میں دیکھتا ہی رہ گیا نیرنگ صبح و شام
عمرِ فسانہ ساز گزرتی چلی گئی

یعنی صبح شام ہوگئی، شام صبح ہوگئی، دن گزرتے چلے گئے، گزرتے چلے گئے اور اس وقت میں جو کام کرنا چاہیے تھا وہ نہ کرسکا۔

پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو

انبیاء علیہم السلام اسی لیے تشریف لاتے ہیں تا کہ وہ ہمیں اور آپ کو اس پر

متنبہ کریں کہ خدا کے لیے اس نعمت کی قدر کرلو، یہ صحت جو ملی ہوئی ہے، یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں، فراغت کے جو لمحات ملے ہوئے ہیں وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں، ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

«اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ»(۱)

جوانی کو غنیمت سمجھو

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ ایک یہ کہ اپنی جوانی کو غنیمت سمجھو، قبل اس کے کہ بڑھاپا آجائے، جوانی میں طاقت ہے، قوت ہے، جذبہ ہے، کرنا چاہوگے تو اس جوانی کو استعمال کرکے پہاڑ بھی ڈھاسکتے ہو اور محنت کرکے اپنے لیے آخرت میں ذخیرہ کرسکتے ہو، لیکن جب یہ جوانی گزرجائے گی اور بڑھاپا آجائے گا تو ہاتھ پاؤں نہیں چلیں گے، ان میں طاقت ختم ہوجائے گی، اس وقت کچھ کرنا بھی چاہوگے تو نہیں کرسکوگے۔

صحت کو غنیمت سمجھو

دوسرے یہ کہ ''بیماری'' سے پہلے ''صحت'' کو غنیمت سمجھو، کیوں کہ جب

---

(۱) الزهد لابن المبارك ۲/۱ (۲) والسنن الكبرى للنسائى ۱۰/۴۰۰ (۱۱۸۳۲) طبع مؤسسة الرسالة. والمستدرك للحاكم ۳۴۱/۴ (۷۸۴۶) وقال: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه. ووافقه الذهبي في ''التلخيص''.

بیماری آجائے گی تو پھر کچھ نہیں بن پڑے گا، تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت دی ہے اس کو غنیمت سمجھو، قبل اس کے کہ فقر و فاقے کی نوبت آجائے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کو اس کے صحیح مصرف پر خرچ کرلو، جب فقر آجائے گا تو پھر کچھ نہیں کرسکو گے۔

عبرتناک واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں ایک واقعہ بیان فرمایا جو بڑا عبرتناک ہے۔ وہ یہ کہ ڈھاکہ میں ایک نواب صاحب تھے، بہت بڑے رئیس اور صاحب جائیداد تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو بہت دولت چھوڑ گئے۔ ان کا ایک بیٹا تھا اور ایک بیٹی تھی، یہ دونوں تو نواب زادے تھے، ان کے دماغ عرشِ معلیٰ پر رہتے تھے، کسی سے بات کرنے کو تیار نہیں اور اپنے تکبر اور غرور میں مست تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ صاحب زادے کو ماچس جلانے کی ضرورت پیش آگئی اور جب تیلی کو ماچس پر رگڑا اور تیلی جل گئی تو اس میں ایک بو نکلی اور وہ صاحب زادے کو بہت پسند آگئی کہ یہ بو بہت اچھی ہے، چنانچہ اس کے بعد صبح سے لے کر شام تک ان کا یہ مشغلہ ہوگیا کہ ماچس خریدی جارہی ہے اور یہ صاحب زادے اس کو جلا کر اس کی بو سونگھے جارہے ہیں اور اس سے لطف لے رہے ہیں اور اس میں پیسہ برباد ہو رہا ہے۔

صاحب زادی کا حال

صاحب زادی ایک مرتبہ بازار گئیں اور کپڑا خریدا اور جب دکان دار نے قینچی سے کٹ لگا کر ہاتھ سے کپڑا پھاڑا تو اس کی آواز صاحب زادی کو پسند

آ گئی، اب واپس گھر آ کر بازار سے مزید کپڑے منگوا کر ان کو پھڑوایا جا رہا ہے، اب دن رات صاحب زادی کا یہی مشغلہ ہوگیا کہ کپڑوں کے تھان کے تھان منگواتیں اور ان کو اپنے سامنے پھڑواتیں اور اس کی آواز سن کر لطف اندوز ہوتیں اور اسی میں پیسہ برباد ہو رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری دولت انہی دو مشغلوں میں ختم ہوگئی اور بعد میں یہ دونوں بھیک کا پیالہ لے کر بازار میں مانگا کرتے تھے اور جس بازار میں مانگتے تھے، وہ آج بھی ''بیگم بازار'' کے نام سے مشہور ہے۔ ایک وقت تھا جب اپنا روپیہ پیسہ صحیح مصرف میں خرچ کر سکتے تھے، لیکن ایسا وبال آیا کہ فقر و فاقے کی نوبت آ گئی، اب اگر صحیح مصرف پر خرچ کرنا بھی چاہیں تو اس کا کوئی راستہ نہیں، اسی لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کو غنیمت سمجھو، قبل اس کے کہ وہ مال چھن جائے۔

فرصت کو غنیمت سمجھو

چوتھا یہ کہ ''وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ'' یعنی جب فرصت میسر ہو اور آدمی کے پاس وقت ہو، اس کو غنیمت سمجھے، قبل اس کے کہ مشغولیت آ جائے اور کوئی وقت کام کرنے کے لیے نہ ملے۔ آخر میں فرمایا ''وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ'' گویا کہ آخر میں خلاصہ دے دیا کہ مرنے سے پہلے زندگی کو غنیمت سمجھو، یہ زندگی سرمایہ ہے، جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرمایا ہوا ہے، اس کو صحیح طریقے سے استعمال کرلو، اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، اگر اس کو صحیح طریقے سے استعمال کرلو گے تو یہی زندگی آخرت کا سرمایہ بن جائے گی۔

زندگی کو تول تول کر خرچ کرو

یہ جو حکم ہے کہ موت کی تمنا مت کرو[۱]، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر اس وقت موت آ گئی تو کیا پتہ کیا انجام ہوگا، اور اس وقت جو زندگی ملی ہوئی ہے اس کا ایک ایک لمحہ اس وجہ سے قیمتی ہے کہ نجانے کون سا لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے کسی کام میں صرف ہوجائے، وہ تمہارا بیڑا پار کرادے۔ اس لیے اس زندگی کو غنیمت سمجھو، اس لیے کہ یہ زندگی تمہاری نہیں ہے کہ تم اپنی ملکیت سمجھ کر جس طرح چاہو خرچ کرو، یہ امانت ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں دی گئی ہے اور اس مقصد کے لیے دی گئی ہے کہ تم اس کے ذریعے آخرت کا سرمایہ بناؤ۔ لہٰذا اس زندگی کو تول تول کر خرچ کرو۔

"فرصت نہیں" ایک بہانہ ہے

آج ہم اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ کیا ہمارے اوقات صحیح استعمال ہو رہے ہیں؟ یہ زندگی صحیح مصرف پر گزر رہی ہے؟ فضولیات میں، بے فائدہ کاموں میں، لایعنی امور میں تو خرچ نہیں ہو رہی ہے؟ ہر آدمی اس کا جائزہ لے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ زندگی کا اکثر نہیں تو بہت بڑا حصہ ہم فضولیات میں خرچ کر دیتے ہیں، آج جس سے بات کرو تو ایک جملہ ہر آدمی کی زبان پر ہے کہ "فرصت نہیں ہے"، "وقت نہیں ہے"، کیوں فرصت نہیں؟ اگر تم حساب کر کے وقت خرچ کرو تو تمہیں فرصت ہی فرصت مل جائے۔

---

(۱) صحیح البخاری ۱۲۱/۷ (۵۶۷۲) و ۷۶/۸ (۶۳۴۹-۶۳۵۰)۔

پچاس سال پہلے کا تصور

آج سے پچاس سال پہلے کا تصور کرو تو اس میں نہ گیس کی سہولت ہے، نہ مصالحہ پیسنے کی مشین ہے، نہ آٹا گوندھنے کی مشین ہے، ہر کام ہاتھ سے کیا جارہا ہے، چولہا جلانے کے لیے آدھا گھنٹہ درکار ہے، اگر چائے بھی پکانی ہو تو صرف چولہا جلانے کے لیے آدھا گھنٹہ چاہیے۔ اس وقت یہ صورت ہے کہ چولہے کا کان مروڑا اور چولہا جل گیا، اب یہ آدھا گھنٹہ بچ گیا، سوال یہ ہے کہ آدھا گھنٹہ کہاں گیا؟ پہلے خواتین خود چکی میں آٹا پیستی تھیں، پھر آٹا خود گوندتیں، پھر روٹی پکاتیں، اب تو پسا ہوا آٹا موجود ہے، مشین نے اس کو گوند دیا، اس کو خاتون نے توے پر ڈالا، روٹی پک گئی۔ پہلے مصالحے سل پر پیسے جاتے تھے، اب مشین کے ذریعے ایک منٹ میں مصالحہ تیار۔ پہلے سفر میں بہت وقت لگتا تھا، لاہور جانا ہو، ریل سے جائیں تو چوبیس گھنٹے پہنچنے میں لگتے تھے، اب ہوائی جہاز سے صبح جاؤ اور شام کو کام کر کے کراچی واپس آجاؤ، یہ سارا وقت بچ گیا، لیکن یہ وقت کہاں گیا؟ پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ ''فرصت نہیں ملتی''، ''وقت نہیں ملتا''، یہ سارا وقت فضولیات میں چلا گیا، ٹیپ ٹاپ میں یہ وقت گیا، لایعنی امور میں گیا، لیکن کسی صحیح مصروف میں استعمال نہیں ہوا۔

''ام الامراض'' وقت کی قدر نہ کرنا

میرے بھائیو! میں آپ سے پہلے اپنے آپ سے خطاب کر کے کہتا ہوں کہ اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو یہ نظر آئے گا کہ ہماری بہت بڑی بیماری جو ''اُمّ الامراض'' ہے وہ ''وقت کی قدر نہ کرنا'' ہے اور اوقات کو لایعنی امور میں صرف کرنا ہے، کبھی

کہیں کھڑے ہوگئے اور فضول باتیں شروع کردیں اور وقت ضائع کردیا، جس کے نتیجے میں نہ اوقات میں برکت رہتی ہے اور نہ ہی کام نمٹتے ہیں اور یہ رونا ہر وقت رہتا ہے کہ ''وقت نہیں''، ''فرصت نہیں''۔ اگر اللہ تعالیٰ وقت کی قدر پہچاننے کی توفیق دے تو یہ سارا مسئلہ حل ہوجائے۔ مثلاً آپ کسی کی عیادت کرنے کے لیے گئے تو جو سنت طریقہ عیادت کرنے کا ہے، اگر اس طریقے سے عیادت کروگے تو نہ اپنا وقت ضائع ہوگا اور نہ ہی دوسرے کا وقت ضائع ہوگا، نہ یہ کہ وہاں جاکر جم کر بیٹھ گئے، اپنا وقت بھی ضائع کررہے ہیں اور دوسرے کا وقت بھی ضائع کررہے ہیں یا مثلاً کسی سے ملاقات کے لیے گئے تو سنت طریقے سے ملاقات کرو، ضرورت کی بات کرکے اور تھوڑا بہت ہنسی مذاق کرکے رخصت ہوجاؤ، لیکن ملاقات کے اندر گھنٹے گزاردینا تو اپنے سرمائے کو ضائع کردینا ہے، جیسے نواب زادے نے ماچس جلانے میں اپنا سرمایہ ضائع کردیا تھا یا جیسے نواب زادی نے کپڑے پھاڑنے میں اپنا سرمایہ ضائع کردیا تھا، اسی طرح ہم لوگ بھی فضولیات میں اپنے وقت کا سرمایہ ضائع کرتے رہتے ہیں۔

بزرگوں کا وقت کو استعمال کرنے کا انداز

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اوقات کو تول تول کر خرچ کرو، مثلاً پہلے سے یہ ذہن میں رہے کہ فلاں موقع پر مجھے پانچ منٹ کا وقت ملے گا، میں اس میں فلاں کام کرلوں گا۔ جن اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ وقت کی قدر پہچاننے کی توفیق عطا فرماتے ہیں، ان کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہوتا اور کچھ نہیں تو چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، جو اونچے درجے کے محدث، فقیہ اور عالم تھے، تصانیف کے دریا بہادیے، ان کے

حالات میں لکھا ہے کہ وہ لکڑی کے قلم سے لکھتے تو لکھتے لکھتے قلم کی نوک جب گھس جاتی تو چاقو سے اس پر قط لگانے کی ضرورت پیش آتی، جتنی دیر قلم پر چاقو سے قط لگاتے، اس وقت کو بھی ضائع نہیں کرتے تھے، اس وقت کو ذکر اللہ میں صرف کرتے تھے(۱)۔

بے فائدہ کاموں میں وقت ضائع کرنا

بہرحال! صبح سے شام تک کے اوقات کا جائزہ لو کہ میں ان اوقات کو کہاں خرچ کر رہا ہوں، مفید کاموں میں خرچ کر رہا ہوں یا فضول کاموں میں خرچ کر رہا ہوں یا مضر کاموں میں خرچ کر رہا ہوں۔ یاد رکھیے! جو وقت بے فائدہ اور فضول کاموں میں صرف ہو رہا ہے وہ بھی درحقیقت مضر ہی ہے، کیوں کہ وقت کا سرمایہ بے کار ضائع ہو رہا ہے۔ دیکھیے! تاجر ہر وقت اپنا فائدہ دیکھتا ہے، اگر کسی کام میں فائدہ نہ ہو تو فائدہ نہ ہونے کو وہ نقصان سے تعبیر کرتا ہے، حالانکہ نقصان تو اصل میں اس کو کہا جائے گا جب سرمایہ ڈوب جائے، لیکن تاجر نفع نہ ہونے کو بھی نقصان میں شمار کرتے ہیں۔

چار پیسے کا فائدہ

ہمارے ایک دوست حکیم نظامی صاحب مرحوم تھے، وہ ایک دن قصہ سنا رہے تھے کہ یہ جو بنیے ''ہندو تاجر'' ہوتے تھے، یہ ہر قسم کی تجارت کرتے تھے اور تجارت میں بڑے ماہر ہوتے تھے، اگر وہ بنیا ''میمن'' بھی ہو تو وہ اور زیادہ

(۱) الجواهر والدرر فی ترجمة شیخ الاسلام ابن حجر، للسخاوي ۱/۱۷۰ طبع دار ابن حزم-بیروت۔

ماہر ہوتا تھا، جیسے ''کریلا نیم چڑھا'' ہمارے ایک میمن دوست یہ سنا رہے تھے کہ ہمارے یہاں میمنوں میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک میمن تاجر کا جب انتقال ہوا تو اس سے فرشتوں نے پوچھا کہ تمہیں ''جنت'' میں لے جائیں یا ''جہنم'' میں لے جائیں؟ تو اس تاجر نے جواب دیا کہ جہاں چار پیسے کا فائدہ ہو، وہاں لے جائیں۔

ایک بنیے کا قصہ

بہرحال! ایک بنیا عطار تھا، دواؤں اور عطروں کی دکان تھی، ایک دن اس کو کہیں جانا پڑ گیا تو اس نے دکان پر اپنے بیٹے کو بٹھا دیا اور اس سے کہا کہ دیکھو! ذرا خیال سے کام کرنا اور یہ دیکھو! یہ دو شیشیاں بظاہر دیکھنے میں ایک جیسی لگتی ہیں، لیکن ان دونوں کی قیمت میں بڑا فرق ہے، یہ شیشی دو روپے کی ہے اور یہ دوسری شیشی دوسو روپے کی ہے، اس لیے احتیاط سے کام لینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دوسو والی شیشی دو روپے میں فروخت کردو اور اس کے نتیجے میں بڑا نقصان ہوجائے۔ بیٹے نے کہا ٹھیک ہے میں سمجھ گیا اس کے بعد وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ بیٹا اپنے دماغ میں یہ بات بٹھا رہا تھا کہ یہ بوتل دو روپے کی ہے اور یہ بوتل دوسو روپے کی ہے، بار بار اس کا ذہن میں تکرار کرتا رہا، یہاں تک کہ ایک خریدار آ گیا تو بیٹے نے غلطی سے دوسو روپے والی بوتل دو روپے میں فروخت کردی۔ جب بنیا واپس آیا تو بیٹے سے پوچھا کہ کیسا رہا اور ان بوتلوں میں سے کوئی بوتل تو نہیں بکی؟ بیٹے نے کہا کہ ہاں ایک بوتل بکی۔ پوچھا کہ کتنے میں بیچی؟ بیٹے نے کہا: دو روپے میں۔ وہ بنیا ماتھا پکڑ کر بیٹھ گیا کہ تو نے میرا نقصان کردیا، تو حرام خور ہے، میں تجھے اتنا سمجھا کر گیا تھا، مجھے جس بات کا

خطرہ تھا وہی ہوا، بیٹے کو خوب ڈانٹا۔ اس بیٹے کو بڑا افسوس ہوا کہ میں نے باپ کا نقصان کردیا، اب اس بیٹے پر ندامت، شرم، پشیمانی اور صدمہ طاری ہوگیا اور سارا دن اسی صدمے میں گزر گیا کہ میں نے اپنے باپ کا اتنا بڑا نقصان کردیا، جب سارا دن اس طرح گزر گیا کہ صدمے کی وجہ سے بیٹے نے نہ کچھ کھایا، نہ کچھ پیا تو بنئے نے کہا بیٹے! خیر جو نقصان ہونا تھا وہ ہوا، لیکن یہ تم نے جو بوتل دو روپے کی بیچی اس میں چھ پیسے پھر بھی نفع کے ہیں، اپنی جیب سے کچھ نہیں گیا، البتہ جو غم ہے وہ اس بات کا ہے کہ جو نفع کمانا تھا وہ نہیں کمایا، ورنہ اصلی سرمایہ نہیں ڈوبا۔

فائدہ نہ ہونا نقصان ہے

بہرحال! تاجر اس حساب سے کام کرتا ہے کہ اگر نفع نہیں ہوا تو وہ بھی نقصان اور گھاٹا ہے۔ اسی طرح زندگی کے لمحات کے اندر یہی حساب کرلو کہ زندگی کے جس لمحے سے دنیا کا یا آخرت کا فائدہ نہیں پہنچا تو وہ بھی نقصان اور گھاٹا ہے، اس لیے کہ یہ عمر عزیز گزرتی چلی جارہی ہے۔ اب دو باتیں عرض کرتا ہوں، جو بزرگوں سے سنی ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس پر عمل کی توفیق عطا فرمادے تو ان شاء اللہ اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ زندگی کارآمد ہوجائے گی، وہ دو باتیں یہ ہیں۔

وقت کی اہمیت کا احساس پیدا کرو

پہلی بات یہ کہ ذہن میں اس بات کی اہمیت بٹھاؤ کہ میری زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، وقت کی اہمیت کا احساس دل میں بٹھائیں، اگر وقت کی اہمیت

کا احساس ہی نہ ہو تو پھر بات آگے نہیں چل سکتی، میں بے شمار لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ ان کے دلوں میں وقت کی اہمیت کا احساس ہی نہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بات چیت میں گزار دیا تو اس میں کیا نقصان ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت کی اہمیت کا احساس ہی نہیں، جو حدیث میں نے تلاوت کی اس کے الفاظ کو یاد کرو اور پھر بار بار اس کا تصور کرو جو حضورِ اقدس ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ

"نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس، الصحة والفراغ"

اور آپ ﷺ کے دوسرے ارشاد کا تصور کرو جس میں آپ نے فرمایا:

"اِغْتَنِمْ خمسًا قَبْلَ خمسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ"

جب بار بار ان احادیث کے الفاظ اور معانی کا تصور دل میں لاؤ گے تو رفتہ رفتہ وقت کی اہمیت دل میں پیدا ہوگی اور اس کے نتیجے میں وقت ضائع کرنے سے بچنے کی کوشش کرو گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وقت ضائع کرنے سے بچائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اوقاتِ زندگی بہت قیمتی ہیں

(اصلاحی خطبات ۱۴/ ۲۷۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اوقاتِ زندگی بہت قیمتی ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ

فٰعِلُوْنَ ۙ۝ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ۝ اِلَّا عَلٰٓى
اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ
مَلُوْمِيْنَ ۚ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ۝ (١)

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالك من الشاهدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

تمہید

گزشتہ چند جمعوں سے سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کا بیان چل رہا ہے۔ ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنون کی ان صفات کو بیان فرمایا ہے جو ان کی دنیا وآخرت میں فلاح اور کامیابی کی موجب ہیں، لہٰذا اگر مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ان کو دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل ہوجائے تو ان کو یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہیں جو صفات ان آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی صفت ''نماز میں خشوع اختیار کرنا'' ہے، اس کا مفصل بیان الحمد للہ پچھلے چند جمعوں میں ہو چکا۔ (٢)

(١) سورۃ المومنون آیت (١تا٨)۔
(٢) اس بیان کو دیکھنے کے لئے مواعظِ عثمانی (حصۂ عبادات) ملاحظہ فرمائیں۔

آیت کا ایک مطلب

دوسری صفت جو ان آیات میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ

یعنی فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو لغو سے اعراض کرتے ہیں، کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ بیہودہ گفتگو کرے یا بیہودہ معاملہ کرے تو تم ترکی بہ ترکی اس کا جواب نہ دو، گالی کا جواب گالی سے نہ دو، بلکہ اس سے کنارہ کش ہو جاؤ اور اس کو معاف کر دو۔ اس کی تفصیل گزشتہ جمعے عرض کر دی تھی۔

آیت کا دوسرا مطلب

اس آیتِ کریمہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ فلاح یافتہ مؤمن وہ ہیں جو فضول کاموں سے بچتے ہیں۔ یعنی ایسے کاموں سے بچتے ہیں جس میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت کا کوئی فائدہ ہے، ''لغو'' کے معنی ہیں وہ کام جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ وہ کام فضول ہے۔ اگر کوئی کام ایسا ہے جس کا فائدہ آخرت میں ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے، سبحان اللہ اور اگر کوئی کام ایسا ہے جس کا فائدہ دنیا میں ہے تو وہ بھی ٹھیک ہے، لیکن ایسا کام جس کا فائدہ نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں ہے، ایسے کام کو ''لغو اور فضول'' کہتے ہیں۔

کام سے پہلے سوچو

اس آیت کریمہ نے یہ بتا دیا کہ مؤمن کو چاہیے کہ جو بھی کام کرنے جا رہا ہے، اس کے بارے میں پہلے سے یہ سوچے کہ اس کا کوئی فائدہ آخرت میں ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی فائدہ ہے تو بے شک وہ کام کر لے، لیکن اگر کوئی فائدہ نہیں ہے تو بلا وجہ اپنے اوقات کو اس لغو اور فضول کام میں برباد نہ کرے۔

زندگی بڑی قیمتی ہے

وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو جو زندگی عطا فرمائی ہے اس کا ایک ایک لحہ بڑا قیمتی ہے اور ایک ایک لحہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، یہ لحات ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے دیے ہیں تا کہ ہم ان لحات کو دنیا یا آخرت کے کسی مفید کام میں صرف کریں، اگر ہم ان لحات کو فضول اور بے فائدہ کاموں میں صرف کر رہے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زندگی کی ناقدری اور ناشکری ہے، اس لیے فرمایا کہ اپنے آپ کو بے فائدہ کاموں میں مت لگاؤ اور اس میں اپنا وقت ضائع مت کرو۔

فضول بحث ومباحثہ

مثال کے طور پر بہت سے لوگ بحثوں میں الجھتے رہتے ہیں جن کا کوئی حاصل اور نتیجہ نہیں، دو چار آدمی کہیں بیٹھ گئے تو کسی موضوع پر بحث شروع ہوگئی، اب ایک شخص اپنے موقف پر دلیل پیش کر رہا ہے اور دوسرا شخص اپنے موقف پر دلیل پیش کر رہا ہے اور اس بحث ومباحثے کے اندر اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں،

حالانکہ اگر اس بحث کا تصفیہ بھی ہوجائے تو بھی نہ دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہوگا اور نہ آخرت کا کوئی فائدہ حاصل ہوگا، ایک مومن کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنے اوقات فضول بحثوں میں برباد کرے۔

آج کل ہمارے معاشرے میں فضول بحثوں کا رواج بہت بڑھ گیا ہے، کوئی بھی مسئلہ اٹھا دیا اور اس میں دو فریق بن گئے اور بحث شروع ہوگئی، حالانکہ وہ مسئلہ ایسا ہے کہ اگر اس کا تصفیہ بھی ہوجائے تو دنیا و آخرت کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

ایک سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سبق آموز واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، دہلی میں قیام تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا اونچا مقام عطا فرمایا تھا، ساتھ میں بڑے نازک مزاج بھی تھے، ان کی نازک مزاجی کے بڑے واقعات مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ دو طالب علموں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں، ہم ان کی خدمت میں جائیں اور ان سے بیعت ہوں اور ان سے اصلاحی تعلق قائم کریں، چنانچہ یہ دونوں طالب علم اپنے شہر ''بلخ'' سے جو اس وقت ترکستان کا حصہ تھا، وہاں سے سفر کرکے دہلی پہنچے، دہلی کی مسجد میں حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا، اس مسجد میں گئے، نماز کا وقت قریب تھا، یہ دونوں وضو کرنے کے لیے مسجد کے حوض پر بیٹھ گئے اور وضو کرنا شروع کیا حضرت مرزا صاحب بھی کہیں قریب تھے، البتہ دونوں طالب علم حضرت مرزا صاحب کو

پہچانتے نہیں تھے، وضو کے دوران ایک طالب علم نے دوسرے سے پوچھا کہ یہ حوض بڑا ہے یا ہماری بلخ کی مسجد کا حوض بڑا ہے؟ دوسرے طالب علم نے کہا مجھے یہ بڑا معلوم ہوتا ہے، پہلے طالب علم نے کہا نہیں، بلخ کی مسجد کا حوض بڑا ہے، اس پر دونوں کے درمیان بحث شروع ہوگئی، ایک کہتا کہ بلخ والا حوض بڑا ہے اور دوسرا کہتا کہ دہلی والا حوض بڑا ہے اور دلائل دینے شروع کر دیے اور وضو کرتے رہے، لیکن وضو ختم ہوگیا اور کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔

فضول کاموں کا شوق ہے

پھر ان دونوں نے نماز پڑھی اور نماز کے بعد حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت! ہم آپ سے بیعت ہونے اور اصلاحی تعلق قائم کرنے کے لیے آئے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بیعت کا معاملہ تو بعد میں ہوگا؟ پہلے یہ بتاؤ کہ یہ فیصلہ ہوا یا نہیں کہ دہلی کا حوض بڑا ہے یا بلخ کا حوض بڑا ہے؟ اب وہ دونوں بڑے شرمندہ ہوئے اور کہا کہ حضرت! فیصلہ تو ہوا نہیں، فرمایا کہ اچھا ایسا کرو کہ پہلے یہاں کا حوض ناپو اور پھر واپس جا کر بلخ کا حوض ناپو اور اس مسئلے کا تصفیہ کرو، بیعت کی بات بعد میں کرنا۔ آپ دونوں کی اس بحث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ آپ دونوں کو فضول کاموں میں مشغول رہنے کا بڑا شوق ہے۔ فرض کرو کہ اگر یہ پتہ بھی چل گیا کہ بلخ کا حوض بڑا ہے یا دہلی کا حوض بڑا ہے تو اس سے دنیا یا آخرت میں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ تم نے اس فضول بحث میں اپنے آپ کو لگا رکھا ہے۔

بے تحقیق بات کہنا

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ دونوں کے اندر تحقیق اور احتیاط نہیں ہے، بغیر ناپے ہوئے تم میں سے ایک نے یہ دعویٰ کر دیا کہ یہاں کا حوض بڑا ہے اور دوسرے نے یہ دعویٰ کر دیا کہ وہاں کا حوض بڑا ہے، حالانکہ تم میں سے کسی کو یقینی علم حاصل نہیں ہے اور پھر بھی آپس میں بحث کرنی شروع کر دی۔ یہ دونوں باتیں ایک مومن کی شان کے خلاف ہیں، مومن کی شان یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ

(کامیاب مومن) وہ ہیں جو فضول اور لغو بحث سے پرہیز کرتے ہیں۔

شریعت کے حکم میں تحقیق کرنا

یہاں تک فرمایا گیا کہ جس چیز کے بارے میں شریعت نے کوئی خاص حکم نہیں دیا بلکہ اس کے بارے میں شریعت نے چھوٹ دی ہے تو اس کے اندر مزید تحقیق میں پڑنا بھی پسند نہیں کیا گیا، اس لیے کہ شریعت نے جب عام حکم دیا ہے اور اس کے لیے کوئی خاص حکم مقرر نہیں کیا تو خواہ مخواہ اس کی فکر میں پڑنا اور اس کے اندر بحث کرنا کوئی عقل مندی کا کام نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خوبصورت جواب

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا کہ ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ امام صاحب نے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ ان صاحب نے کہا

کہ مسئلہ یہ ہے کہ میرے گھر کے قریب ایک نہر ہے، میں اس نہر میں نہانے کے لیے جاتا ہوں، جب میں اس نہر میں داخل ہوتا ہوں تو نہر میں داخل ہوتے وقت مجھے اپنا منہ مغرب کی طرف کرنا چاہیے یا مشرق کی طرف کرنا چاہیے؟ یعنی قبلہ کی طرف کروں یا دوسری طرف کروں؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ تم اپنا منہ اپنے کپڑوں کی طرف کر لیا کرو کہ کوئی تمہارے کپڑے لے کر نہ بھاگ جائے[1]۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ جب شریعت نے تمہارے اوپر کوئی پابندی نہیں لگائی کہ نہاتے وقت اپنا منہ مغرب کی طرف کرو یا مشرق کی طرف کرو تو پھر خواہ مخواہ اپنے کو پابند کرنا عقل مندی کا کام نہیں۔

بنی اسرائیل کا گائے کے بارے میں سوالات کرنا

قرآنِ کریم کی سورۃ البقرۃ میں یہ واقعہ آتا ہے کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک گائے ذبح کرو، کوئی قید اور کوئی شرط نہیں لگائی۔ اب سیدھی سی بات یہ تھی کہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو حکم پر عمل ہو جاتا، لیکن بنی اسرائیل نے سوالات شروع کر دیے کہ وہ گائے کیسی ہونی چاہیے؟ اس کا رنگ کیسا ہونا چاہیے؟ اس کی کھال کیسی ہونی چاہیے؟ وہ گائے مذکر ہو یا مؤنث ہو؟ جب انہوں نے سوالات کر کے خود اپنے اوپر پابندیاں عائد کرنا شروع کیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی بتا دیا کہ گائے ایسی ہو، ان صفات کی حامل ہو اور اس کا رنگ زرد ہو۔ اب اس زمانے میں زرد رنگ کی گائے ملتی نہیں تھی، تلاش کر کے تھک گئے، بالآخر بڑی مشکل سے ایک صاحب کے پاس وہ گائے مل گئی پھر اس کو ذبح کیا۔ قرآنِ کریم ان کے بارے میں فرماتا ہے:

---

(۱) التذکرۃ الحمدونیۃ ص ۳۶۸/۹ (۷۳۵) طبع دار صادر بیروت۔

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ (۱)

یعنی آخر میں جا کر انہوں نے وہ گائے ذبح کی، ورنہ قریب تھا کہ وہ ذبح نہ کر پاتے، اس لیے کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنے اوپر پابندیاں عائد کر لی تھیں۔

زیادہ سوالات مت کرو

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (۲)

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات مت کرو کہ اگر تم سے ظاہر کر دی جائیں تو تمہارے لیے ناگواری کا سبب ہو۔

لہٰذا خواہ مخواہ ایسی چیزوں کے پیچھے پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

فضول سوالات کی بھرمار

میرے پاس لوگوں کے بکثرت فون آتے ہیں اور مسائل پوچھتے ہیں، اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ حلال، حرام یا جائز اور ناجائز کا مسئلہ پوچھ لیا، لیکن بسا اوقات سوال کرنے والے بالکل فضول سوال کرتے ہیں۔ مثلاً ایک صاحب نے ایک مرتبہ فون کیا اور پوچھا کہ اصحابِ کہف کا جو کتا تھا اس کا رنگ کیا تھا؟ اور یہ سوال بھی اس وقت کیا جب رات کو سونے کا وقت تھا، میں نے ان سے پوچھا

(۱) سورۃ العنکبوت آیت (۶۹)۔

(۲) سورۃ المائدۃ آیت (۱۰۱)۔

کہ آپ کو کتے کا رنگ معلوم کرنے کی ضرورت کیسے پیش آئی؟ جواب میں کہا کہ ہم چند دوست بیٹھے ہوئے تھے ہمارے درمیان یہ بحث چل پڑی، اس بحث کے تصفیہ کے لیے آپ سے سوال کر رہا ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر تمہیں پتہ چل جائے کہ اس کتے کا رنگ کالا تھا یا سفید تھا تو اس کے نتیجے میں تمہیں دنیا یا آخرت کا کون سا فائدہ حاصل ہوجائے گا؟ یہ فضول باتیں ہیں جن کا آپ سے نہ قبر میں سوال ہوگا نہ حشر میں سوال ہوگا۔ بہت سے لوگ مذہب اور دین کے نام پر ایسی بحثیں شروع کر دیتے ہیں اور پھر اس پر آپس میں مناظرے ہو رہے ہیں، کتابیں لکھی جا رہی ہیں، مقالات لکھے جا رہے ہیں اور ایک دوسرے پر تنقید ہو رہی ہے۔

"یزید" کے بارے میں سوال

یا مثلاً لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ "یزید" جہنمی ہے یا جنتی ہے؟ فاسق ہے یا نہیں؟ ارے بھائی! اگر تمہیں پتہ بھی چل جائے کہ یزید فاسق نہیں تو کون سی تمہیں ایسی بات معلوم ہوجائے گی جس کے بارے میں آخرت میں تم سے سوال ہوگا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ ایک مجلس میں میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ یزید فاسق تھا یا نہیں؟ والد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! یزید کے بارے میں کیا بتاؤں، مجھے تو اپنے بارے میں فکر ہے کہ میں فاسق ہوں یا نہیں؟ جس شخص کو اپنی فکر پڑی ہوئی ہو وہ دوسرے کے بارے میں کیا فکر کرے؟ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا

تُسْاَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱)

یہ وہ لوگ ہیں جو گزر گئے، ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں، تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا وہ اعمال جو زندگی میں انجام دیتے ہیں، جن کے نتیجے میں جنت اور جہنم کا فیصلہ ہونے والا ہے، جو حلال و حرام ہیں اور جائز نا جائز ہیں، ان کی فکر کرو، فضول بحثوں میں اپنے اوقات کو ضائع کرنا مومن کا کام نہیں۔

ایک لمحے میں جہنم سے جنت میں پہنچنا

زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک منٹ اتنا قیمتی ہے کہ اگر تم چاہو تو ایک منٹ کے اندر اپنے آپ کو جنت الفردوس کا مستحق بنا لو۔ اگر ایک انسان ایک منٹ کو صحیح استعمال کرے تو ایک منٹ کے اندر جہنم سے نکل کر جنت میں پہنچ جائے۔ ایک ستر سال کا کافر اگر سچے دل سے یہ کلمہ پڑھ لے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

تو وہ ایک منٹ میں جہنم سے نکل کر جنت میں پہنچ گیا۔ ایک بڑا گناہ گار جس نے ہزاروں لاکھوں گناہ کر لیے، ایک مرتبہ سچے دل سے کہے کہ اے اللہ! میں اپنی ساری پچھلی زندگی سے توبہ کرتا ہوں، سارے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ جس لمحے میں اس نے توبہ کر لی، اسی لمحے میں وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں پہنچ گیا۔ اگر ایک لحہ کے اندر آپ نے "سبحان اللہ" کہہ دیا یا "الحمدللہ"

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۳٤)۔

کہہ دیا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ کلمات انسان کے میزان عمل کو بھر دیتے ہیں (۱)۔

زندگی عظیم نعمت ہے

یہ سب چیزیں ابھی نظر نہیں آ رہی ہیں، لیکن جب یہ آنکھیں بند ہوں گی اور انسان دوسرے عالم میں پہنچے گا تو اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ زندگی کتنی قیمتی تھی۔ لہٰذا جو لمحات تم صحیح کام میں صرف کرکے اس کے ذریعے جنت کے زر و جواہر کما سکتے ہو، ان لمحات کو تم ٹھیکروں اور پتھروں میں ضائع کر رہے ہو؟ زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں فرمایا کہ موت کی تمنا مت کرو، (۲) اس لیے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اگر تمہیں زندگی کے مزید لمحات میسر آ جائیں تو ان لمحات میں نہ جانے کسی نیکی کی توفیق ہو جائے جو تمہارا بیڑا پار کر دے، اس وجہ سے یہ مت کہو کہ یا اللہ! میں مر جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی ہے، یہ بڑی عظیم نعمت ہے، اس نعمت کو صحیح استعمال کرنے کی کوشش کرو، اس نعمت کو فضول بحثوں میں اور فضول کاموں میں صرف کرنا مناسب نہیں۔

مجلس آرائی مت کرو

اسی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ فضول مجلس آرائی کرنا اور گپ شپ کرنا

---

(۱) صحیح مسلم ۲۰۳/۱ (۲۲۳)۔
(۲) صحیح بخاری ۷۶/۸ (۶۳۵۱)۔

اور اس میں گھنٹوں گزار دینا پسندیدہ عمل نہیں، بلکہ اس بات کی کوشش کرو کہ ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں خرچ ہو۔ ہاں! دنیا کے فائدے کے جو کام ہیں ان کو کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا، وہ دنیا کے فائدے کے کام کرو، اگر نیت صحیح ہو تو وہ دنیا کے کام بھی دین بن جائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارا طریقہ درست کر دے اور ہماری نیت درست کر دے تو وہ کام جن کو ہم دنیا کے کام کہتے ہیں، آخرت کے کام بن جائیں گے، لیکن ایسے کام جن کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں کوئی فائدہ ہے، ان سے اعراض کرو۔

نسخۂ اکسیر

اگر یہ نسخہ ہم پلے باندھ لیں، جس پر عمل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو کام ہم کرنے جائیں، ایک لمحہ کے لیے پہلے یہ سوچ لیں کہ اس کام سے کوئی فائدہ دنیا یا آخرت کا ہوگا یا نہیں؟ اگر فائدہ ہو تو بے شک وہ کام کر لیں اور اگر فائدہ نہ ہو تو اس کام کے پیچھے نہ پڑیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

وقت کی قدر کریں

(اصلاحی خطبات ۴/۱۷۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وقت کی قدر کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: «نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس، الصحة والفراغ»(۱)

(۱) صحیح البخاری ۸/۸۸ (۶۴۱۲) والزهد لابن المبارك ۱/۱ (۱) وسنن الترمذی ۴/۱۳۹ (۲۳۰۴)۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

جیسا کہ میں نے پچھلے جمعہ عرض کیا تھا کہ ''ریاض الصالحین'' کی تکمیل کے بعد ان شاء اللہ حدیث کی کوئی دوسری کتاب شروع کرنے کا ارادہ ہے، اس لیے آج اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام پر حدیث کی دوسری کتاب شروع کی جارہی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے انوار و برکات ہم سب کو عطا فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ کتاب ایک بہت بڑے امام، فقیہ، محدث، صوفی، مجاہد حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جس کا نام ''کتاب الزہد والرقائق'' ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہماری اُمت کے ان بزرگوں میں سے ہیں جن کا نام آتے ہی دل میں عقیدت و محبت کی پھواریں محسوس ہوتی ہیں۔ اس مجلس میں پہلے بھی ان کے کئی واقعات بیان کرتا رہا ہوں۔ یہ دوسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ ان کی پیدائش غالباً دوسری صدی ہجری کی ابتداء میں ہوئی ہے، گویا کہ یہ اس زمانے کے بزرگ ہیں، جبکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے گئے ہوئے سو سال ہوئے تھے۔ صحاحِ ستہ کے نام سے حدیث شریف کی جو چھ مشہور کتابیں، بخاری شریف سے لے کر ابن ماجہ تک ہیں، یہ ان سب سے متقدم اور ان سب کے بزرگ ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر بھی ہیں اور ان کے شاگرد بھی ہیں اور یہ اس زمانے کے بزرگ ہیں جب عالم اسلام ان بڑی بڑی علمی شخصیتوں سے جگمگا رہا تھا۔ اس زمانے کے جس خطے کو دیکھیے اس میں بے نظیر شخصیتیں موجود تھیں اور یہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے شہر مَرو میں پیدا ہوئے اور پھر جا کر عراق کے شہر بغداد میں آباد ہوئے اور وہیں قیام کیا۔

آپ کی اصلاح کا عجیب وغریب واقعہ

ان کے حالات بھی بڑے عجیب و غریب ہیں۔ ان بزرگوں کے تذکرے میں بھی بڑا نور اور بڑی برکت ہے۔ ان کے ایک ایک واقعے کے اندر یہ تاثیر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دلوں کی دنیا بدل دیتے ہیں۔ شاید ان کا یہ قصہ میں نے آپ کو پہلے بھی سنایا ہوگا کہ یہ امیر کبیر گھرانے کے فرد تھے اور خاندانی رئیس تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بستان المحدثین'' میں ان کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کا ایک بہت بڑا سیب کا باغ تھا اور جس طرح امیر کبیر لوگوں میں آزادی ہوتی ہے اسی طرح یہ بھی آزاد منش تھے، نہ علم سے کوئی تعلق، نہ دین سے کوئی تعلق، پینے پلانے والے اور گانے بجانے والے تھے، ایک مرتبہ جب سیب کا موسم آیا تو یہ اپنے اہل وعیال سمیت اپنے باغ میں منتقل ہوگئے تاکہ وہاں سیب بھی کھائیں گے اور شہر سے باہر ایک تفریح کی فضا ہوگی، چنانچہ وہاں جا کر مقیم ہوگئے۔

دوست واحباب کا حلقہ بھی بڑا وسیع تھا۔ اس لیے وہاں پر دوستوں کو بھی بلالیا۔ رات کو باغ کے اندر گانے بجانے کی محفل جمی اور اس محفل میں پینے پلانے کا دور بھی چلا۔ یہ خود موسیقی کا آلۂ رباط (ستار) کے بجانے کے بہت ماہر تھے اور اعلیٰ درجے کے موسیقار تھے۔ اب ایک طرف پینے پلانے کا دور اور اس کا نشہ اور دوسری طرف موسیقی کے تانے، اسی نشے کے عالم میں ان کو نیند آگئی اور وہ ساز اسی حالت میں گود میں پڑا ہوا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ ساز گود میں رکھا ہوا ہے، اب اُٹھ کر اس کو دوبارہ بجانا شروع کیا تو وہ ساز اب بجتا ہی نہیں۔ اس میں سے آواز ہی نہیں آرہی تھی، چونکہ خود اس کی مرمت کرنے اور

درست کرنے کے ماہر بھی تھے اس لیے اس کے تار درست کرکے مرمت کی پھر بجانے کی کوشش کی، مگر وہ پھر نہیں بجتا، دوبارہ اس کے تار وغیرہ درست کیے اور بجانے کی کوشش کی تو اب بجائے اس میں سے موسیقی کی آواز نکلنے کے قرآنِ کریم کی ایک آیت کی آواز آرہی تھی۔ وہ یہ کہ

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (۱)

قرآنِ کریم بھی عجیب عجیب انداز سے خطاب فرماتا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا اب بھی ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں پسیجیں اور اللہ نے جو حق کی بات اس قرآن کے اندر اُتاری ہے اس کے لیے ان کے دلوں میں گداز پیدا ہو۔ کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا؟

ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ آواز اسی ساز میں سے آرہی تھی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جس جگہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اس کے قریب ایک درخت پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا تھا اس پرندے کے منہ سے یہ آواز آرہی تھی۔ (۲) بہرحال! اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک غیبی لطیفہ تھا، اللہ تعالیٰ کو نوازنا منظور تھا۔ بس! جس وقت یہ آواز سنی اسی وقت دل پر چوٹ لگی اور خیال آیا کہ اب تک میں نے اپنی عمر کس کام کے اندر گنوائی ہے۔ فوراً جواب میں فرمایا:

بلیٰ یارب قد آن . . . بلیٰ یارب قد آن

(۱) سورۃ الحدید آیت (۱۶)۔

(۲) اعلام الأخبار من فقہاء مذہب النعمان المختار لمحمود بن سلیمان الکفوی، مخطوطۃ ورقۃ ۱۳۱

کیوں نہیں... اے پروردگار! اب وہ وقت آگیا۔

اب میں اپنے ان سارے دھندوں اور مشغلوں کو چھوڑتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں، چنانچہ یہ سارے دھندے چھوڑ کر ہمہ تن دین کی طرف متوجہ ہوگئے۔ کہاں تو یہ عالم تھا کہ رات کے وقت بھی ساز و رباط کی محفلیں جمی ہوئی ہیں، پینے پلانے کا مشغلہ ہو رہا ہے اور کہاں یہ انقلاب آیا کہ اس کتاب کے مؤلف بن کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ آج پوری اُمتِ مسلمہ کی گردنیں ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہیں(۱)۔

علمِ حدیث میں آپ کا مقام

اللہ تعالیٰ نے علمِ حدیث میں آپ کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ علمِ حدیث میں بہت بڑے بڑے علماء پر تنقید کی گئی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی تنقید سے نہیں بچے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نہیں بچے۔ بڑے بڑے ائمہ تنقید سے نہیں بچے، لیکن میری نظر میں اب تک کوئی آدمی ایسا نہیں گزرا جس نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اور حدیث کے بارے میں ان پر تنقید کی ہو، اتنے اونچے درجے کے محدث ہیں۔

دنیا سے آپ کی بے رغبتی اور کنارہ کشی

اور پھر دنیا سے اپنے آپ کو ایسا کاٹا اور ایسے زاہد بن کر دنیا سے رخصت ہوئے کہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ خاندانی رئیس اور امیر کبیر آدمی تھے۔ اس لیے حالات میں تبدیلی کے بعد بھی ایک ایک وقت میں ان کے دسترخوان پر

(۱) بستان المحدثین ص ۱۵۵ و سیر اعلام النبلاء ۴۰۶/۳۔

دس دس پندرہ پندرہ قسم کے کھانے ہوتے تھے اور کھانے کے وقت بڑا مجمع موجود ہوتا تھا، لیکن سارا مجمع کھانے میں مشغول ہوتا تھا مگر یہ خود روزے سے ہوتے تھے اور لوگوں کو بلا بلا کر کھانے کی دعوت دیتے اور ان کی حاجتیں پوری کرتے۔

حدیثِ رسول کا مشغلہ

خراسان کے شہر مرو جہاں یہ پیدا ہوئے وہاں پر ان کا جو مکان تھا۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مکان کا صرف صحن پچاس گز لمبا پچاس گز چوڑا تھا۔ وہ پورا صحن اہلِ حاجت سے بھرا رہتا تھا، کوئی مسئلہ پوچھنے آرہا ہے تو کوئی علم حاصل کرنے کے لیے آرہا ہے۔ کوئی اپنی ذاتی ضرورت کے لیے آرہا ہے، پھر بعد میں جب بغداد میں جا کر آباد ہوئے تو وہاں پر اپنے لیے ایک چھوٹا سا گھر خرید لیا اور اس میں گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگے، تو کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ حضرت! آپ اپنا عالیشان مکان چھوڑ کر یہاں بغداد میں ایک چھوٹے سے مکان میں رہنے لگے ہیں، یہاں آپ کا دل کیسے لگتا ہوگا؟ جواب میں فرمایا کہ الحمدللہ! یہاں میرا دل زیادہ لگتا ہے اس لیے کہ پہلے لوگ میرے پاس بہت آیا کرتے تھے اور اب میں تنہائی کی زندگی گزارتا ہوں۔ بس مسجد میں جا کر نماز پڑھ لیتا ہوں اور پھر اپنے گھر چلا جاتا ہوں اور وہاں میں ہوتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں، یعنی گھر میں دن رات احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشغلہ ہے۔ اس میں مصروف رہتا ہوں یہ زندگی مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔(۱)

---

(۱) تاریخ بغداد ۱۱/۳۹۰ طبع دار الغرب الاسلامی۔ تاریخ الاسلام للذہبی ۱۲/۲۳۵ طبع دار الکتاب العربی۔

لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظمت اور محبت

بغداد کا ایک شہر رقہ تھا۔ جو اب بغداد ہی کا ایک محلہ بن گیا ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کی خلافت کا زمانہ تھا، ایک مرتبہ ہارون الرشید بغداد میں اپنے محل کے برج میں اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں اس نے دیکھا کہ شہر کی فصیل کے باہر ایک شور بلند ہورہا ہے۔ ہارون الرشید کو خیال ہوا کہ شاید کسی دشمن نے حملہ کردیا یا کوئی غنیم چڑھ آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ رقہ شہر میں تشریف لائے ہیں اور لوگ ان کے استقبال کے لیے جوق در جوق شہر سے باہر نکلے ہیں۔ یہ اس کا شور ہے۔

اور میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ استقبال کے دوران حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو چھینک آ گئی تھی اور اس پر انہوں نے ''الحمدللہ'' کہا اور ان کے جواب میں پورے مجمع نے ''یرحمک اللہ'' کہا۔ اس سے یہ شور بلند ہوا۔ جب ہارون الرشید کی بیوی نے یہ صورتحال دیکھی تو ہارون الرشید سے کہا کہ ہارون! تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بڑے بادشاہ ہو اور آدھی دنیا پر تمہاری حکومت ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ بادشاہت تو ان لوگوں کا حق ہے، حقیقت میں تو یہ لوگ بادشاہ ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کررہے ہیں، کوئی پولیس ان کو کھینچ کر یہاں نہیں لائی ہے، بلکہ یہ صرف حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی محبت ہے جس نے اتنے سارے لوگوں کو یہاں پر جمع کردیا ہے۔ یہ مقام اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔

آپ کی فیاضی کا عجیب واقعہ

اللہ تعالیٰ نے دولت اور دنیا کی نعمتیں بہت دیں۔ مگر وہی بات تھی کہ دنیا تو عطا فرمائی، لیکن دل دنیا کی محبت سے خالی رکھا، یہ جو کسی نے کہا ہے کہ دنیا ہاتھ میں ہو دل میں نہ ہو یہ کیفیت اللہ تعالیٰ نے ان کو اس درجہ عطا فرمائی کہ اس کی مثالیں ملنا مشکل ہے۔ خراسان میں قیام کے دوران ایک مرتبہ انہوں نے حج پر جانے کا ارادہ کیا، جب بستی کے لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ حج پر تشریف لے جارہے ہیں تو بستی کے لوگ ایک وفد بنا کر ان کے پاس آ گئے کہ حضرت ہم بھی آپ کے ساتھ حج کو جائیں گے، تاکہ حج کے اندر آپ کی صحبت میسر ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ اچھا اگر تم لوگ بھی میرے ساتھ چلنا چاہتے ہو تو چلو البتہ تم سب اپنا اپنا سفر کا خرچ میرے پاس جمع کرادو تاکہ میں تم سب کی طرف سے اکٹھا خرچ کرتا رہوں۔ چنانچہ جتنے لوگوں نے جانے کا ارادہ کیا ان سب نے اپنے اپنے پیسوں کی تھیلی لاکر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جمع کرادی، انہوں نے وہ ساری تھیلیاں لے کر ایک صندوق میں رکھ دیں اور اس کے بعد سفر پر روانہ ہوگئے، چنانچہ تمام ساتھیوں کی سواری اور کھانے کا انتظام وغیرہ کرتے رہے یہاں تک کہ حج مکمل ہونے کے بعد ان سب کو مدینہ منورہ لے گئے اور وہاں جاکر ان میں سے ہر ایک سے پوچھا کہ بھائی تمہارے گھر والوں نے مدینہ منورہ سے کیا چیز منگوائی تھی؟ چنانچہ ہر ایک کو بازار لے جاکر وہ چیز دلوادی۔ پھر واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے اور وہاں آکر پھر ہر ایک سے پوچھا کہ تمہارے گھر والوں نے مکہ مکرمہ سے کیا چیز لانے کو کہا تھا؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ فلاں چیز منگوائی تھی، چنانچہ ایک ایک فرد کو بازار لے جاکر وہ چیز دلوادی، پھر واپس جب خراسان پہنچے تو وہاں سب کی عالیشان دعوت کی اور اس دعوت میں ہر ایک کو

تحفے بھی پیش کیے اور اس کے بعد وہ صندوق کھولا، جس میں جاتے وقت ہر ایک کے پیسوں کی تھیلی رکھی تھی اور ہر ایک کو اس کی تھیلی واپس کردی۔ اس طریقے سے سخاوت کے دریا بہائے۔ (۱)

آپ کی سخاوت اور غرباء پروری

ایک اور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حج کو جارہے تھے، ایک قافلہ بھی ساتھ تھا، راستے میں ایک جگہ پر قافلے والوں کی ایک مرغی مرگئی۔ قافلے والوں نے وہ مرغی اُٹھا کر کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ قافلے والوں سے ذرا پیچھے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ قافلے والے تو اس مردہ مرغی کو پھینک کر چلے گئے، اتنے میں قریب کی بستی سے ایک لڑکی نکلی اور وہ تیزی سے مردہ مرغی پر جھپٹی اور اس کو اُٹھا کر ایک کپڑے میں لپیٹا اور جلدی سے بھاگ کر اپنے گھر چلی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ یہ سب دیکھ رہے تھے بہت حیران ہوئے کہ اس مردہ مرغی کو اس طرح رغبت کے ساتھ اُٹھا کر لے جانے والی لڑکی کون ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بستی میں اس لڑکی کے گھر گئے اور پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اور اس طرح مردہ مرغی اُٹھا کر کیوں لائی ہے؟ جب بہت اصرار کیا تو اس لڑکی نے بتایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے۔ جو ہمارے گھر میں واحد کمانے والے تھے، میری والدہ بیوہ ہے، میں تنہا ہوں اور لڑکی ذات ہوں اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ ہم کئی روز سے اس حالت میں ہیں جس میں شریعت نے مردار کھانے کی اجازت دے رکھی ہے، چنانچہ اس کوڑے کے ڈھیر میں جو کوئی مردار پھینک دیتا ہے، ہم اس کو کھا کر گزارا کر لیتے ہیں۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۸/۳۸۵ طبع موسسۃ الرسالۃ۔

بس یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر چوٹ لگی۔ انہوں نے سوچا کہ یہ اللہ کے بندے تو اس حالت میں ہیں کہ مردار کھا کھا کر گزارہ کر رہے ہیں اور میں حج پر جا رہا ہوں، چنانچہ اپنے معاون سے پوچھا کہ تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟ اس نے بتایا کہ میرے پاس شاید دو ہزار دینار ہیں، انہوں نے پھر فرمایا کہ ہمیں واپس گھر جانے کے لیے کتنے دینار کی ضرورت ہے۔ معاون نے کہا تقریباً بیس دینار۔ آپ نے کہا وہ رکھ اور باقی سب اس لڑکی کو دے دو اور اس سال ہم حج نہیں کرتے اور ان دیناروں سے اس کے گھر والوں کو جو فائدہ ہوگا اللہ کی رحمت سے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ حج سے زیادہ اجر وثواب اس پر عطا فرمادیں گے۔ یہ کہہ کر واپس چلے گئے [1]۔

غرض یہ کہ ایک دو نہیں، بلکہ ایسے بے شمار فضائل اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے تھے کہ ہم لوگ ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

آپ کی دریا دلی کا ایک اور واقعہ

ایک اور واقعہ یاد آیا۔ جب کبھی یہ رقّہ شہر میں جایا کرتے تھے تو ایک نوجوان ان سے آکر ملا کرتا تھا اور آکر کبھی مسائل پوچھتا اور کبھی دوسری باتیں آکر پوچھتا، ایک مرتبہ جب رقہ شہر جانا ہوا تو وہ نوجوان نہیں آیا اور نہ اس نے آکر ملاقات کی۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ ایک نوجوان تھا جو ہمیشہ آکر ملاقات کیا کرتا تھا، وہ نظر نہیں آرہا ہے وہ کہاں گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اس پر قرضہ بہت ہو گیا تھا اور جس شخص کا قرضہ تھا اس نے اس کو گرفتار کرادیا ہے، اس

(۱) البداية والنهاية لابن كثير ۱۳/۶۱۱ طبع دار هجر۔

لیے وہ جیل میں ہے۔ ان کو دکھ ہوا اور انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ کتنا قرضہ ہوگیا تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ دس ہزار دینار، پھر معلوم کیا کہ کس کا قرضہ تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں شخص کا قرضہ تھا۔ چنانچہ آپ اس شخص کی تلاش میں نکلے اور پتہ پوچھتے پوچھتے اس کے گھر پہنچے اور جا کر اس سے کہا کہ ہمارا ایک دوست ہے تمہارا قرضہ اس کے ذمے ہے، جس کی وجہ سے وہ جیل میں ہے۔ میں وہ قرضہ تمہیں ادا کر دیتا ہوں، لیکن ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ میرے سامنے وعدہ کرو اور قسم کھاؤ کہ میرے جیتے جی اس کو یہ نہیں بتاؤ گے کہ یہ قرضہ کس نے ادا کیا ہے، چنانچہ اس نے قسم کھالی کہ میں نہیں بتاؤں گا، چنانچہ آپ نے دس ہزار دینار اس کو دے دیے اور اسے کہا کہ اب اس کو رہا کرادو۔ چنانچہ اس نے جیل جا کر اس کو رہا کرادیا۔

جب وہ نوجوان جیل سے رہا ہو کر شہر میں آیا تو اس کو پتہ چلا کہ چند روز سے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ یہاں آئے ہوئے تھے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ یہاں سے کب نکلے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ابھی نکلے ہیں۔ چنانچہ وہ نوجوان آپ کے پیچھے دوڑا اور راستے میں آپ کو پالیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے سنا تھا کہ تم جیل میں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں! میں جیل میں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے رہائی عطا فرمادی انہوں نے پوچھا کہ کیسے نکلے؟ اس نوجوان نے کہا کہ بس اللہ تعالیٰ نے غیب سے فرشتہ بھیج دیا اس نے میرا قرضہ ادا کر دیا اس لیے مجھے رہائی مل گئی۔ حضرت عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر ادا کرو اور میں بھی تمہارے لیے دعائیں کر رہا تھا کہ اللہ تمہیں رہائی عطا فرمادے۔

وہ نوجوان بعد میں کہتے ہیں کہ ساری زندگی مجھے یہ پتہ نہ چلا کہ میرا قرضہ ادا

کرنے والے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس لیے کہ اس شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ میں آپ کی زندگی میں اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا، لیکن جب حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی اس وقت اس شخص نے مجھے بتایا کہ تمہاری رہائی کا سبب درحقیقت حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔(۱)

کتاب الزہد والرقائق

بہرحال! یہ اس مقام کے بزرگ ہیں کہ ہمیں ان کا نام لیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ یہ کتاب جو ہم آج شروع کررہے ہیں یہ انہی کی لکھی ہوئی کتاب ہے، جس کا نام ''کتاب الزہد والرقائق'' یعنی ان احادیث کا مجموعہ ہے۔ جن میں نبی کریم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زہد کی تلقین فرمائی ہے اور جن کو پڑھنے سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے اور ''رقائق'' کے معنی وہ احادیث جن کے پڑھنے سے قلب میں گداز اور رِقت پیدا ہوتی ہے۔ دل نرم ہوتے ہیں، غفلت دور ہوتی ہے، ایسی احادیث کو ''رقائق'' یا ''رقاق'' کہا جاتا ہے۔ تقریباً تمام محدثین ایسی احادیث پر ایک مستقل باب قائم کرتے ہیں، لیکن انہوں نے ان احادیث پر یہ مستقل کتاب لکھ دی ہے۔ ویسے ''کتاب الزہد'' کے نام سے دوسرے محدثین نے بھی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ان سب کی کتابیں اس موضوع پر اس نام سے موجود ہیں، لیکن حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب سب سے زیادہ اس لیے مشہور ہوئی کہ اوّل تو یہ متقدمین میں سے ہیں۔ دوسرے اس لیے

(۱) تاریخ دمشق لابن عساکر ۳۲/۴۵۵۔

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر کام کے اندر برکت عطا فرمائی تھی۔ اس لیے خیال ہوا کہ ان کی یہ کتاب شروع کی جائے کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہمارے دلوں میں کچھ نرمی پیدا کردے یہ دنیا جو ہمارے دلوں پر چھائی ہوئی ہے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ آخرت کی کچھ فکر عطا فرمادیں۔

دو عظیم نعمتیں اور ان سے غفلت

اس کتاب میں احادیث بھی ہیں اور صحابہ وتابعین کے کچھ آثار و واقعات بھی ہیں۔ پہلی حدیث وہ مشہور حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

نعمتان مغبون فیہما کثیر من الناس، الصحة والفراغ

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کے بارے میں دھوکے میں پڑے رہتے ہیں ان میں سے ایک نعمت صحت اور تندرستی ہے اور دوسری نعمت فراغت اور فرصت ہے۔

یہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جب تک یہ نعمتیں حاصل رہتی ہیں، اس وقت تک انسان اس دھوکے میں پڑا رہتا ہے کہ یہ نعمتیں ہمیشہ باقی رہیں گی، چنانچہ جب تک تندرستی کا زمانہ ہے اس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی بیماری آئے گی یا فراغت کا زمانہ ہے اس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی مصروفیت اتنی زیادہ ہوجائے گی۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمادیتے ہیں یا فراغت عطا فرمادیتے ہیں وہ دھوکے میں اپنا وقت گزارتا رہتا ہے اور اچھے کاموں کو ٹلاتا رہتا

ہے اور یہ سوچتا رہتا ہے کہ ابھی تو بہت وقت پڑا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی اصلاح سے محروم رہتا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ فرمارہے ہیں کہ ان نعمتوں کی اسی وقت قدر پہچان لو جب یہ حاصل ہوئی۔

صحت کی قدر کرلو

یہ صحت کی نعمت جو اس وقت حاصل ہے، کیا معلوم کہ کب تک یہ حاصل رہے گی، کچھ پتہ نہیں کہ کس وقت بیماری آجائے اور کیسی بیماری آجائے، لہٰذا نیکی اور خیر کے کام کو اور اپنی اصلاح کے کام کو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کے کام کو، آخرت کی فکر کو اسی زمانے کے اندر اختیار کرلو، کیا پتہ پھر موقع ملے یا نہ ملے۔

ارے جب بیماری آتی ہے تو پہلے نوٹس دے کر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ اچھا خاصا چنگا بھلا تندرست انسان ہے مگر بیٹھے بیٹھے کسی بیماری کا حملہ ہوگیا اور اب چلنے پھرنے کی بھی طاقت نہیں، اس لیے یہ زمانہ ٹلا کر نہ گزارو، بلکہ جو نیک کام کرنا ہے، وہ کر گزرو، یہ صحت اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا فرمائی ہے کہ اس کو اس عالَم کے لیے استعمال کرو جو مرنے کے بعد آنے والا ہے، لیکن اگر تم نے اس صحت کو گنوادیا اور بیماری آگئی تو پھر عمر بھر سر پکڑ کر روؤ گے اور حسرت اور افسوس میں مبتلا رہو گے کہ کاش! اس صحت کے عالم میں کچھ کام کرلیا ہوتا، لیکن اس وقت حسرت اور افسوس کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس لیے ان نعمتوں کی قدر کرو۔

صرف ایک حدیث پر عمل

یہ حدیث جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے یہ ''جوامع الکلم'' میں

سے ہے اور غالباً امام ابوداوُد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چند حدیثیں ایسی ہیں کہ اگر انسان صرف ان چند حدیثوں پر عمل کرلے تو اس کی آخرت کی نجات کے لیے کافی ہے، اس میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اس حدیث سے شروع فرمائی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح بخاری میں ''کتاب الرقاق'' کو اسی حدیث سے شروع فرمایا ہے، اس لیے کہ اس حدیث کے ذریعے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پہلے سے تنبیہ فرمارہے ہیں بعد میں تنبیہ تو خود ہوجاتی ہے، لیکن وہ تنبیہ اس وقت ہوتی ہے، جب تدارک کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہیں اور ہماری نفسیات اور رگوں سے واقف ہیں۔ وہ فرمارہے ہیں کہ دیکھو! اس وقت جو تمہیں صحت اور فراغت کا جو عالم میسر ہے۔ پھر بعد میں رہے یا نہ رہے، اس سے پہلے کہ حسرت کا وقت آجائے اس کو کام میں لگالو۔

''ابھی تو جوان ہیں'' شیطانی دھوکہ ہے

یہ ''نفس'' انسان کو دھوکہ دیتا رہتا ہے کہ میاں! ابھی تو جوان ہیں، ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔ ہم نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے، ابھی تو ذرا مزے اُڑالیں، پھر جب موقع آئے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں گے اور اس وقت اصلاح کی فکر کرلیں گے ابھی کیا رکھا ہے؟

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ نفس و شیطان کے اس دھوکے میں نہ آؤ، جو کچھ کرنا ہے کرگزرو، اس لیے کہ یہ وقت جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ یہ بڑی قیمتی چیز ہے، یہ بڑی دولت ہے، عمر کے یہ لمحات جو اس وقت انسان کو

میسر ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ اس کو برباد اور ضائع نہ کرو، بلکہ اس کو آخرت کے لیے استعمال کرو۔

کیا ہم نے اتنی عمر نہیں دی تھی

قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ جب انسان آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ ہمیں ایک مرتبہ اور دنیا میں بھیج دیں، ہم نیک عمل کریں گے، تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائیں گے:

أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ (۱)

کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا، صرف یہ نہیں کہ عمر دے کر تم کو ویسے ہی چھوڑ دیا، بلکہ تمہارے پاس ڈرانے والے، تنبیہ کرنے والے بھیجتے رہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام بھیجے اور آخر میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اور وارثین تمہیں مسلسل جھنجھوڑتے رہے اور تمہیں غفلت سے بیدار کرتے رہے اور آخر یہ کہتے رہے کہ خدا کے لیے اس وقت کو کام میں لگالو۔

ڈرانے والے کون ہیں؟

''ڈرانے والے'' کی تفسیر مفسرین نے مختلف فرمائی ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین ہیں، جو لوگوں کو

(۱) سورۃ فاطر آیت (۳۷)۔

وعظ ونصیحت کرتے ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد ''سفید بال'' ہیں، یعنی جب سفید بال آگئے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا آگیا کہ اب وقت آنے والا ہے تیار ہوجاؤ اور اب بھی اپنی سابقہ زندگی سے تائب ہوجاؤ اور اپنے حالات کی اصلاح کرلو، اس لیے کہ ''سفید بال'' آگئے ہیں[1] اور بعض مفسرین نے اس کی تفسیر ''پوتے'' سے کی ہے، ''یعنی جب کسی کا پوتا پیدا ہوجائے اور وہ دادا بن جائے تو وہ پوتا ڈرانے والا ہے، اس بات سے کہ بڑے میاں تمہارا وقت آنے والا ہے، اب ہمارے لیے جگہ خالی کرو[2]''۔

ملک الموت سے مکالمہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک واقعہ سنا کہ کسی شخص کی ملک الموت سے ملاقات ہوگئی۔ اس شخص نے ملک الموت سے شکایت کی کہ آپ کا بھی عجیب معاملہ ہے، دنیا میں کسی کو پکڑا جاتا ہے تو دنیا کی عدالتوں کا قانون یہ ہے کہ پہلے اس کے پاس نوٹس بھیجتے ہیں کہ تمہارے خلاف یہ مقدمہ قائم ہوگیا ہے۔ تم اس کی جواب دہی کے لیے تیاری کرو، لیکن آپ کا معاملہ بڑا عجیب ہے کہ جب چاہتے ہیں بغیر نوٹس کے آدھمکتے ہیں، بیٹھے بیٹھائے پہنچ گئے اور روح قبض کرلی...... یہ کیا معاملہ ہے؟ ملک الموت نے جواب دیا کہ میاں! میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ دنیا میں کوئی اتنے نوٹس نہیں بھیجتا، لیکن میں کیا کروں؟ تم میرے نوٹس کا نوٹس نہیں لیتے، اس کی پرواہ نہیں کرتے، ارے

---

(۱) تفسیر طبری ۳۸۷/۱۹۔ وتفسیر ابن ابی حاتم ۳۱۸۵/۱۰ (۱۸۰۱۰ تا ۱۸۰۱۲)۔ ولباب التفسیر للکرمانی ص ۲۳۲٤۔

(۲) توضیح القرآن (آسان ترجمہ قرآن) لشیخ الاسلام حفظہ اللہ ص ۸۵٦۔

جب تمہیں بخار آتا ہے، وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب تمہیں کوئی بیماری آتی ہے، وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب تمہارے سفید بال آتے ہیں، وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، تمہارے پوتے آتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے۔ میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ کوئی حد وحساب نہیں، مگر تم کان ہی نہیں دھرتے۔ بہرحال! اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ حسرت کا وقت آئے خدا کے لیے اپنے آپ کو سنبھال لو اور اس صحت کے وقت کو اور اس فراغت کے وقت کو کام میں لے آؤ، خدا جانے کل کیا عالم پیش آئے۔

جو کرنا ہے ابھی کرلو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہٗ ہم لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جوانی دی ہے، صحت دی ہے، فراغت دی ہے اس کو کام میں لے آؤ اور جو کچھ کرنا ہے، اس وقت کرلو، عبادتیں اس وقت کرلو، اللہ کا ذکر اس وقت کرلو، اس وقت گناہوں سے بچ جاؤ، پھر جب بیمار ہوجاؤ گے یا ضعیف ہوجاؤ گے تو اس وقت کچھ بن نہیں پڑے گا اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ابھی تو ان کی آہٹ پر میں آنکھیں کھول دیتا ہوں
وہ کیسا وقت ہوگا جب نہ ہوگا یہ بھی امکاں میں

اس وقت اگر دل بھی چاہے گا کہ آخرت کا کچھ سامان کرلوں، لیکن اس وقت ممکن نہیں ہوگا، کر نہیں سکو گے۔

دو رکعت کی حسرت ہوگی

روایت[۱] میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سفر پر تشریف لے جارہے ہیں تھے، راستے میں ایک قبر کو دیکھا تو وہاں پر سواری سے اُتر گئے اور اُتر کر دو رکعت نفل پڑھی اور پھر سواری پر سوار ہوکر آگے روانہ ہوگئے۔ ساتھ میں جو حضرات تھے، انہوں نے سمجھا کہ شاید کسی خاص آدمی کی قبر ہے اس لیے یہاں اُتر کر دو رکعت پڑھ لیں، چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ حضرت! کیا بات ہے؟ آپ یہاں کیوں اُترے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ جب میں یہاں سے گزرا تو میرے دل میں خیال آیا کہ جو لوگ قبروں میں پہنچ چکے ہیں، ان کا عمل منقطع ہوچکا ہے اور جیسا کہ حدیث شریف[۲] میں ہے یہ کہ لوگ قبروں کے اندر اس بات کی حسرت کرتے ہیں کہ کاش کہ ہمیں اتنا موقع اور مل جائے کہ ہم دو رکعتیں اور پڑھ لیں اور ہماری نیکیوں میں اور ہمارے اعمال میں دو رکعت نفل کا اور اضافہ ہو، لیکن اس حسرت کے باوجود ان کے پاس نفل پڑھنے کا موقع نہیں ہوتا تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ موقع دے رکھا ہے، اس لیے چلو میں جلدی سے دو رکعت نفل پڑھ لوں۔ اس لیے میں نے اُتر کر دو رکعت نفل پڑھ لیں۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ جن کو یہ فکر عطا فرماتے ہیں وہ اپنے ایک ایک لمحے کو اس طرح کام میں لاتے ہیں۔

---

(۱) الزھد والرقائق لابن المبارک ۱۰/۱ (۳۰)۔

(۲) الزھد والرقائق لابن المبارک ۱۰/۱ (۳۱) والمعجم الاوسط للطبرانی ۲۸۲/۱ (۹۲۰) وقال الهيثمي في "المجمع" ۵۱۶/۲ (۳۵۰۶): رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله ثقات.

نیکیوں سے میزانِ عمل بھرلو

یہ وقت کے لمحات بڑے قیمتی ہیں، اسی واسطے کہا گیا کہ موت کی تمنا نہ کرو،(۱) اس لیے کہ کیا معلوم کہ موت کے بعد کیا ہونے والا ہے۔ ارے جو کچھ فرصت اور مہلت اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی ہے، سب کچھ اسی میں ہونا ہے۔ آگے جانے کے بعد کچھ نہیں ہوگا، اس لیے اس دنیا میں جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، اس کو غنیمت سمجھو اور اس کو کام میں لے لو۔ مثلاً ایک لمحے میں اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ کہہ دو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے سے میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے اور ایک مرتبہ الحمدللہ کہہ دیا تو اب میزان عمل کا پورا پلڑا بھر گیا(۲)، دیکھیے! یہ لمحات کتنے قیمتی ہیں، لیکن تم اس کو گنواتے پھر رہے ہو، خدا کے لیے اس کو اس کام میں استعمال کرلو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور وقت کی قدر

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے محدثین میں سے ہیں اور بخاری شریف کے شارح ہیں اور علم کے پہاڑ ہیں، عمل کے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پہنچایا تھا۔ آج انسان اس مقام کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ عالم، مصنف اور محدث کے نام سے مشہور ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جس وقت تصنیف کررہے ہوتے تو کتاب لکھتے لکھتے جب قلم کا قط خراب ہوجاتا۔ اس زمانے میں

---

(۱) صحیح البخاری ۷۶/۸ (۶۳۵۱).

(۲) صحیح مسلم ۲۰۳/۱ (۲۲۳) وسنن الترمذی ۴۹۳/۵ (۳۵۱۹).

لکڑی کے قلم ہوتے تھے اور بار بار اس کا قط بنانا پڑتا تھا، تو اس کو چاقو سے دوبارہ درست کرنا پڑتا تھا اور اس میں تھوڑا سا وقت لگتا تو یہ وقت بھی بے کار گزارنا گوارا نہیں تھا، چنانچہ جتنا وقت قط لگانے میں گزرتا۔ اتنی دیر تیسرا کلمہ "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" پڑھتے رہتے تھے۔ تاکہ یہ وقت بھی ضائع نہ جائے۔ اس لیے کہ جو وقت تصنیف کرنے میں گزر رہا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی میں گزر رہا ہے، لیکن جو چند لمحات ملے ہیں۔ اس کو کیوں ضائع کریں اور اس میں تیسرا کلمہ پڑھ لیں۔ تاکہ یہ لمحات بھی بے کار نہ جائیں[1]۔

بہرحال! حضورِ اقدس ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ وقت کی قدر پہچانیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور وقت کی قدر

آج ہمارے ماحول میں سب سے زیادہ بے قدر اور بے وقعت چیز وقت ہے۔ اس کو جس طرح چاہا گنوادیا، گپ شپ میں گزار دیا یا فضولیات میں گزار دیا یا بلاوجہ ایسے کام کے اندر گزار دیا جس میں نہ دنیا کا نفع نہ دین کا نفع۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے وقت کو تول تول کر خرچ کرتا ہوں، تاکہ کوئی لمحہ بے کار نہ گزرے یا دین کے کام میں گزرے یا دنیا کے کام میں گزرے اور دنیا کے کام میں بھی اگر نیت صحیح ہو

---

(۱) الجواهر والدرر فی ترجمة شیخ الاسلام ابن حجر، للسخاوی ۱۷۱/۱ طبع دار ابن حزم بیروت۔

تو وہ بھی بالآخر دین ہی کا کام بن جاتا ہے، اور ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یہ بات تو ہے ذرا شرم کی سی، لیکن تمہیں سمجھانے کے لیے کہتا ہوں کہ جب انسان بیت الخلاء میں بیٹھا ہوتا ہے تو وہ وقت ایسا ہے کہ اس میں نہ تو انسان ذکر کرسکتا ہے اس لیے کہ ذکر کرنا منع ہے اور نہ کوئی اور کام کرسکتا ہے اور میری طبیعت ایسی بن گئی ہے کہ جو وقت وہاں بے کاری میں گزرتا ہے وہ بہت بھاری ہوتا ہے کہ اس میں کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ اس لیے اس وقت کے اندر میں بیت الخلاء کے لوٹے کو دھولیتا ہوں، تاکہ یہ وقت بھی کسی کام میں لگ جائے اور تاکہ جب بعد میں دوسرا آدمی آ کر اس لوٹے کو استعمال کرے تو اس کو گندا اور بُرا معلوم نہ ہو، اور فرمایا کرتے تھے کہ پہلے سے سوچ لیتا ہوں کہ فلاں وقت میں مجھے پانچ منٹ ملیں گے، اس پانچ منٹ میں کیا کام کرنا ہے؟ یا کھانا کھانے کے فوراً بعد پڑھنا لکھنا مناسب نہیں ہے، بلکہ دس منٹ کا وقفہ ہونا چاہیے تو میں پہلے سے سوچ کر رکھتا ہوں کہ کھانے کے بعد یہ دس منٹ فلاں کام میں صرف کرنے ہیں، چنانچہ اس وقت میں وہ کام کرلیتا ہوں۔

جن حضرات نے میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ہے انہوں نے دیکھا ہوگا کہ آپ کار کے اندر سفر بھی کر رہے ہیں اور قلم بھی چل رہا ہے اور بلکہ میں نے تو ان کو رکشہ کے اندر سفر کے دوران بھی لکھتے ہوئے دیکھا ہے، جس میں جھٹکے بھی بہت لگتے ہیں۔

کام کرنے کا بہترین گُر

اور ایک جملہ بڑے کام کا ارشاد فرمایا کرتے تھے جو سب کے لیے یاد

رکھنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ فرماتے تھے کہ دیکھو! جس کام کو فرصت کے انتظار میں رکھا وہ ٹل گیا، یعنی جس کو اس انتظار میں رکھا کہ جب فرصت ملے گی تب کریں گے وہ ٹل گیا، وہ کام پھر نہیں ہوگا۔ کام کرنے کا راستہ یہ ہے کہ دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو زبردستی اس کے اندر داخل کردو، تو وہ کام ہوجائے گا۔ میں تو اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا احسان مند ہوں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔ آپ کا فرمایا ہوا یہ جملہ ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے اور آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتا ہوں کہ واقعی جس کام کے بارے میں یہ سوچتا ہوں کہ فرصت ملے گی تو کریں گے، وہ کام کبھی نہیں ہوتا، اس لیے کہ حوادث روزگار ایسے ہیں کہ پھر وہ موقع دیتے ہی نہیں، ہاں جس کام کی انسان کے دل میں اہمیت ہوتی ہے انسان اس کام کو کر ہی گزرتا ہے، زبردستی کرلیتا ہے، چاہے وقت ملے یا نہ ملے۔

کیا پھر بھی نفس سستی کرے گا؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! وقت کو کام میں لگانے کا طریقہ سن لو، تمہیں یہ خیال ہوا کہ فلاں وقت میں تلاوت کریں گے یا نفل نماز پڑھیں گے جب وہ وقت آیا تو اب طبیعت میں سستی ہورہی ہے اور اُٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ تو ایسے وقت میں اپنے نفس کی ذرا تربیت کیا کرو اور اس نفس سے کہو کہ اچھا، اس وقت تو تمہیں سستی ہورہی ہے اور بستر سے اُٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ اگر اس وقت صدرِ مملکت کی طرف سے یہ پیغام آجائے کہ ہم تمہیں بہت بڑا انعام یا بہت بڑا منصب یا بہت بڑا عہدہ یا بہت بڑی ملازمت دینا چاہتے ہیں۔ اس لیے تم اس وقت فوراً

ہمارے پاس آ جاؤ۔ بتاؤ کیا اس وقت بھی سستی رہے گی؟ اور کیا تم یہ جواب دے دو گے کہ میں اس وقت نہیں آ سکتا، اس وقت تو مجھے نیند آ رہی ہے، کوئی بھی انسان جس میں ذرا بھی عقل و ہوش ہے۔ بادشاہ کا یہ پیغام سن کر اس کی ساری سستی اور کاہلی اور نیند دور ہوجائے گی اور خوشی کے مارے فوراً اس انعام کو لینے کے لیے بھاگ کھڑا ہوگا کہ مجھے اتنا بڑا انعام ملنے والا ہے۔

لہٰذا اگر اس وقت یہ نفس اس انعام کے حصول کے لیے بھاگ پڑے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اُٹھنے سے کوئی عذر نہیں ہے، اگر حقیقت میں واقعتاً اُٹھنے سے کوئی عذر ہوتا تو اس وقت نہ جاتے بلکہ بستر پر پڑے رہتے، لہٰذا یہ تصور کرو کہ دنیا کا ایک سربراہ حکومت جو بالکل عاجز، درعاجز، درعاجز ہے۔ وہ اگر تمہیں ایک منصب کے لیے بلا رہا ہے تو اس کے لیے اتنا بھاگ رہے ہو، لیکن وہ احکم الحاکمین، جس کے قبضۂ قدرت میں پوری کائنات ہے۔ دینے والا وہ ہے، چھیننے والا وہ ہے، اس کی طرف سے بلاوا آ رہا ہے۔ تو تم اس کے دربار میں حاضر ہونے میں سستی کر رہے ہو؟ اس تصور سے ان شاء اللہ ہمت پیدا ہوگی اور وہ وقت جو بے کار جا رہا ہے۔ وہ ان شاء اللہ کام میں لگ جائے گا۔

شہوانی خیالات کا علاج

حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ صاحب قدس اللہ سرہٗ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ یہ جو گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں، ان کا علاج اس طرح کرو کہ جب دل میں یہ سخت تقاضا پیدا ہو کہ اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کر کے لذت حاصل کروں تو اس وقت ذرا سا یہ تصور کرو کہ اگر میرے والد مجھے اس حالت میں دیکھ لیں۔ کیا پھر بھی یہ حرکت جاری رکھوں گا؟ یا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرے شیخ

مجھے اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ یا مجھے پتہ ہو کہ میری اولاد میری اس حرکت کو دیکھ رہی ہے تو کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ ظاہر ہے کہ اگر ان میں کوئی بھی میری اس حرکت کو دیکھ رہا ہوگا تو میں اپنی نظر نیچی کرلوں گا اور یہ کام نہیں کروں گا۔ چاہے دل میں کتنا شدید تقاضا پیدا کیوں نہ ہو۔

پھر یہ تصور کرو کہ ان لوگوں کے دیکھنے نہ دیکھنے سے میری دنیا و آخرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن میری اس حالت کو جو احکم الحاکمین دیکھ رہا ہے، اس کی پرواہ مجھے کیوں نہ ہو، اس لیے کہ وہ مجھے اس پر سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس خیال اور تصور کی برکت سے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ سے محفوظ رکھیں گے۔

تمہاری زندگی کی فلم چلادی جائے تو؟

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہٗ کی ایک بات اور یاد آ گئی فرماتے تھے کہ ذرا اس بات کا تصور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے یوں فرمائیں کہ اچھا اگر تمہیں جہنم سے ڈر لگ رہا ہے تو چلو ہم تمہیں جہنم سے بچالیں گے، لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے وہ یہ کہ ہم ایک یہ کام کریں گے کہ تمہاری پوری زندگی جو بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک اور مرنے تک تم نے گزاری ہے، اس کی ہم فلم چلائیں گے اور اس فلم کے دیکھنے والوں میں تمہارا باپ ہوگا تمہاری ماں ہوگی، تمہارے بہن بھائی ہوں گے، تمہاری اولاد ہوگی تمہارے شاگرد ہوں گے تمہارے استاذ ہوں گے، تمہارے دوست واحباب ہوں گے اور اس فلم کے اندر تمہاری پوری زندگی کا نقشہ سامنے کردیا جائے گا، اگر تمہیں یہ بات منظور ہو تو پھر تمہیں جہنم سے بچالیا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر آدمی شاید آگ کے عذاب کو گوارا کر لے گا، مگر اس بات کو گوارا نہیں کرے گا کہ ان تمام لوگوں کے سامنے میری زندگی کا نقشہ آ جائے، لہٰذا جب اپنے ماں، باپ، دوست، احباب، عزیز و اقارب اور مخلوق کے سامنے اپنی زندگی کے احوال کا آنا گوارہ نہیں تو پھر ان احوال کا اللہ تعالیٰ کے سامنے آنا کیسے گوارا کر لو گے؟ اس کو ذرا سوچ لیا کرو۔

کل پر مت ٹالو

بہرحال! یہ حدیث جو حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمائی یہ بڑے کام کی حدیث ہے اور لوحِ دل پر نقش کرنے کے قابل ہے کہ عمر کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے، جو وقت اس وقت ملا ہوا ہے۔ اس کو ٹلاؤ نہیں، اور یہ جو انسان سوچتا ہے کہ اچھا یہ کام کل سے کریں گے کل پھر آتی نہیں، جو کام کرنا ہے وہ ابھی اور آج ہی شروع کردو، بلاتاخیر شروع کردو۔ کیا پتہ کہ کل آئے یا نہ آئے؟ کیا پتہ کہ کل کو یہ داعیہ موجود رہے یا نہ رہے؟ کیا پتہ کہ کل کو حالات سازگار رہیں یا نہ رہیں؟ کیا پتہ کہ کل کو قدرت رہے یا نہ رہے، اور کیا پتہ کہ کل کو زندگی رہے یا نہ رہے؟ اس لیے قرآنِ کریم میں فرمایا کہ

وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ [1]

یعنی اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف جلدی دوڑو، دیر

(۱) سورۃ آل عمران آیت (۱۳۳)۔

نہ کرو اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین ہے۔

نیک کام میں جلد بازی پسندیدہ ہے

جلد بازی ویسے تو کوئی اچھی چیز نہیں، لیکن نیکی کے کام میں جلدی کرنا اور جس نیکی کا خیال دل میں پیدا ہوا ہے اس نیکی کو کرگزرنا، یہ اچھی بات ہے اور ''مسارعت'' کے معنی ہیں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، ریس کرو، مقابلہ کرو، اگر دوسرا آگے بڑھ رہا ہے تو میں اس سے اور آگے بڑھ جاؤں اور اسی کام کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں یہ وقت عطا فرمایا ہے۔ اس حدیث کو اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اُتار دے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

آج ہم لوگوں نے اپنے آپ کو غفلت اور بے فکری میں مبتلا کیا ہوا ہے چوبیس گھنٹے کے سوچ بچار میں آخرت کی فکر اور آخرت کا دھیان بہت کم آتا ہے۔ غفلت میں بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ اس مضمون کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ

پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو

عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونِ الْأَوْدِيِّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ: «اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ

مَوْتِكَ»(١)

حضرت عمر بن میمون اودی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو۔ بیماری سے پہلے صحت کو غنیمت سمجھو۔ اپنی مالداری کو محتاجی سے پہلے غنیمت سمجھو۔ فرصت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔

جوانی کی قدر کرلو

مطلب یہ ہے کہ یہ پانچوں ایسی ہیں کہ ان کا خاتمہ ہونے والا ہے اس وقت جوانی ہے، لیکن جوانی کے بعد بڑھاپا آنے والا ہے، یہ جوانی ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہے، بلکہ یا تو اس کے بعد بڑھاپا آئے گا یا موت آئے گی تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس لیے اس بڑھاپے سے پہلے اس جوانی کو غنیمت سمجھو۔ یہ قوت اور توانائی اور صحت اللہ تعالیٰ نے اس وقت عطا فرمائی ہے، اس کو غنیمت سمجھ کر اچھے کام میں لگالو۔ بڑھاپے میں تو یہ حال ہوجاتا ہے کہ نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت۔ اس وقت کیا کروگے جب ہاتھ پاؤں نہیں ہلاسکوگے؟ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

---

(١) الزهد لابن المبارك ٢/١ (٢) والسنن الكبرى للنسائي ٤٠٠/١٠ (١١٨٣٢) طبع موسسه الرساله. والمستدرك للحاكم ٣٤١/٤ (٧٨٤٦) وقال: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه. ووافقه الذهبي في "التلخيص".

وقتِ پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری

بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ کھا ہی نہیں سکتا، طاقت ہی نہ رہی اب کس کو کھائے گا۔ ارے جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے،اس لیے فرمایا کہ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو۔

صحت، مالداری اور فرصت کی قدر کرو

اس وقت صحت ہے، لیکن یاد رکھو، کوئی انسان دنیا کے اندر ایسا نہیں ہے کہ صحت کے بعد اس کو بیماری نہ آئے، بیماری ضرور آئے گی، لیکن پتہ نہیں کب آجائے، اس لیے اس سے پہلے اس موجودہ صحت کو غنیمت سمجھ لو اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے مالی فراغت اور مالداری عطا فرمائی ہے، کچھ پتہ نہیں کہ یہ کب تک ہے، کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے حالات بدل گئے ہیں، اچھے خاصے امیر کبیر تھے، مگر اب فقیر ہوگئے۔ خدا جانے کب کیا حال پیش آجائے، اس وقت کے آنے سے پہلے اس مالداری کو غنیمت سمجھو اور اس کو اپنی آخرت سنوارنے کے لیے استعمال کرلو اور اپنی فرصت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو، یعنی فرصت کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں یہ مت سمجھو کہ یہ ہمیشہ باقی رہیں گے، کبھی نہ کبھی مشغولی ضرور آئے گی۔ اس لیے اس فرصت کو صحیح کام میں لگالو اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔

صبح کو یہ دعائیں کرلو

اس زندگی کے اوقات کو کام میں لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی صبح سے شام

تک کی زندگی کا نظام الاوقات بناؤ اور پھر اس کا جائزہ لو کہ میں کیا کیا کر رہا ہوں اور میں اعمالِ خیر کے اندر کیا کیا اضافہ کرسکتا ہوں، ان کا اضافہ کرو اور میں کن کن گناہوں کے اندر مبتلا ہوں اور ان کو چھوڑو اور صبح کو نماز پڑھ کے یہ دعا مانگا کرو کہ یا اللہ یہ دن آنے والا ہے میں باہر نکلوں گا۔ خدا جانے کیا حالات پیش آئیں۔ یا اللہ! میں اس کا ارادہ کر رہا ہوں کہ آج کے دن کو آخرت کے لیے ذخیرہ بناؤں گا۔ اے اللہ! مجھے اس کی توفیق عطا فرما۔ حضورِ اقدس ﷺ صبح کے وقت دعائیں مانگا کرتے تھے۔ ان دعاؤں کو یاد کرلینا چاہیے اور صبح کو وہ دعائیں ضرور مانگنی چاہیے، چنانچہ آپ ﷺ دعا فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ مَا فِیْ ھٰذَا الْیَوْمِ وَخَیْرَ مَا بَعْدَہٗ،
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا فِیْ ھٰذَا الْیَوْمِ وَشَرِّ مَا بَعْدَہٗ (۱)

اللّٰھم اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الْیَوْمِ وَفَتْحَہٗ وَنَصْرَہٗ وَنُوْرَہٗ وَبَرَکَتَہٗ وَھُدَاہُ (۲)

حضورِ اقدس ﷺ ایسی ایسی دعائیں بتا گئے کہ دین و دنیا کی کوئی حاجت

---

(۱) عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص۳۹ (۳۷) طبع دار القبلہ، والمعجم الکبیر للطبرانی ۲/۲٤ (۱۱۷۰) وقال الھیثمی فی "مجمع الزوائد" ۱۵۳/۱۰ (۱٦۹۹٦) رواہ الطبراني من طریق غسان بن الربیع عن أبي إسرائیل الملائي وکلاھما الغالب علیه الضعف وقد وثقا، وبقیة رجاله رجال الصحیح.

(۲) سنن ابی داود ۳۲۲/٤ (۵۰۸٤) والحدیث سکت عنه أبو داود، وقال المنذري في "مختصرہ" ٤۵۷/٤ (٤۹۱۹): في إسناد ھذا الحدیث محمد بن إسماعیل بن عیاش وأبوہ، وکلاھما فیه مقال. والحدیث ذکرہ الحافظ العراقی فی "تخریج احادیث الاحیاء" ۳۰۲/۱ معزوا الی ابی داود وقال وسندہ جید. انظر مسند الشامیین للطبرانی ٤٤۷/۲ (۱٦۷۵).

نہیں چھوڑی، جن کو یہ دعائیں یاد ہوں وہ صبح کے وقت ان دعاؤں کو پڑھ لیں اور جن کو یہ دعائیں یاد نہ ہوں وہ اردو میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرلیں کہ یا اللہ یہ دن شروع کررہا ہوں اور یہ ارادہ کررہا ہوں کہ اس دن کے چوبیس گھنٹوں کو صحیح استعمال کروں گا، غلط استعمال اور بے فائدہ ضائع کرنے سے بچاؤں گا، میں تو ارادہ کررہا ہوں، لیکن یااللہ! میں کیا اور میرا ارادہ کیا، میرا عزم کیا، میری ہمت اور میرے حوصلے کی کیا حقیقت ہے؟ عزم دینے والے بھی آپ ہیں، ہمت دینے والے بھی آپ ہیں، حوصلہ دینے والے بھی آپ ہیں۔ آپ ہی اپنے فضل سے مجھے ایسے راستے پر لگادیجیے، ایسے حالات پیدا فرمادیجیے کہ میں اس دن کے چوبیس گھنٹوں کو آپ کی مرضی کے مطابق صرف کردوں۔ بس صبح اُٹھ کر روزانہ یہ دعا مانگ لیا کرو، ان شاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس دن کے اوقات کو ضائع ہونے سے بچالیں گے۔

آگے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول نقل فرماتے ہیں:

عَنِ الْحَسَنِ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: ابنَ آدَمَ، إِيَّاكَ وَالتَّسْوِيفَ؛ فَإِنَّكَ بِيَوْمِكَ وَلَسْتَ بِغَدٍ، فَإِنْ يَكُنْ غَدٌ لَكَ فَكِسْ فِي غَدٍ كَمَا كِسْتَ فِي الْيَوْمِ، وَإِلَّا يَكُنْ لَكَ لَمْ تَنْدَمْ عَلَى مَا فَرَّطْتَ فِي الْيَوْمِ... أنه كان يقول: أدركت أقوامًا كان أحدهم أشح على عمره على دراهمه ودنانيره۔ (۱)

---

(۱) الزهد والرقائق لابن المبارك ۱/٤(۸).

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں اور ہمارے مشائخ اور طریقت کے جتنے سلسلے ہیں، ان سب کی انتہاء حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پر ہوتی ہے۔ یعنی ابتداء حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، چنانچہ جو حضرات شجرہ پڑھتے ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ اس میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی آتا ہے۔ اس طرح ہم سب ان کے احسان مند ہیں، ہم سب کی گردنیں ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہیں، اس لیے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ انہی بزرگوں کے واسطے سے عطا فرمایا ہے۔ بہرحال! یہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔

وقت سونا چاندی سے زیادہ قیمتی ہے

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ان کے دو قول نقل کیے ہیں، پہلے قول میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے "لوگوں" سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس لیے کہ یہ خود تابعین میں سے ہیں۔ اس لیے ان کے اساتذہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو پایا ہے اور ان لوگوں کی صحبت اُٹھائی ہے جن کا اپنے عمر کے لمحات اور اوقات پر بخل سونے چاندی کے دراہم اور دینار سے کہیں زیادہ تھا، یعنی جس طرح عام آدمی کی طبیعت سونے چاندی کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس کو حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے اور اگر کسی کے پاس سونا چاندی آجائے تو وہ اس کو بڑی حفاظت

سے رکھتا ہے اور اس کو بے جگہ رکھنے سے پرہیز کرتا ہے تاکہ کہیں چوری نہ ہوجائے یا ضائع نہ ہوجائے۔ اس طرح یہ وہ لوگ تھے جو سونے چاندی سے کہیں زیادہ اپنی عمر کے لمحات کی حفاظت کرتے تھے اس لیے کہ زندگی کا ایک لمحہ سونے چاندی کی اشرفیوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عمر کا کوئی لمحہ کسی بے کار کام میں یا ناجائز کام میں یا غلط کام میں صرف ہوجائے۔ وہ لوگ وقت کی قدر و قیمت پہچانتے تھے کہ عمر کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، یہ بڑی عظیم نعمت ہے کہ اس کی کوئی حد و حساب نہیں اور یہ نعمت کب تک حاصل رہے گی؟ اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں، اس لیے اس کو خرچ کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔

دو رکعت نفل کی قدر

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزر رہے تھے، تو اس وقت جو صحابہ ساتھ تھے۔ ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو دو رکعت نفل کبھی جلدی جلدی میں تم پڑھ لیتے ہو اور ان کو تم بہت معمولی سمجھتے ہو، لیکن یہ شخص جو قبر میں لیٹا ہوا ہے، اس کے نزدیک یہ دو رکعت نفل ساری دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ یہ قبر والا شخص اس بات پر حسرت کر رہا ہے کہ کاش مجھے زندگی میں دو منٹ اور مل جاتے تو میں اس میں دو رکعت نفل اور پڑھ لیتا اور اپنے نامہ اعمال میں اضافہ کرلیتا(۱)۔

(۱) الزهد والرقائق لابن المبارك ۱/۱۰ (۳۱) والمعجم الاوسط للطبرانی ۱/۲۸۲ (۹۲۰) وقال الهيثمي في "المجمع" ۲/۵۱۶ (۳۵۰۶): رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله ثقات.

۞ مقبرے سے آواز آرہی ہے

ہمارے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کہی ہوئی ایک نظم پڑھنے کے قابل ہے۔ جو اصل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کلام سے ماخوذ ہے۔[1] اس نظم کا عنوان ہے۔ ''مقبرے کی آواز'' جیسا کہ ایک شاعرانہ تخیل ہوتا ہے کہ ایک قبر کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ تو وہ قبر والا گزرنے والے کو آواز دے رہا ہے، چنانچہ وہ نظم اس طرح شروع کی ہے ؎

مقبرے پر گزرنے والے سن
ٹھہر! ہم پر گزرنے والے سن
ہم بھی اک دن زمین پر چلتے تھے
باتوں باتوں میں ہم مچلتے تھے

یہ کہہ کر اس نے زبانِ حال سے اپنی داستان سنائی ہے کہ ہم بھی اس دنیا کے ایک فرد تھے، تمہاری طرح کھاتے پیتے تھے، لیکن ساری زندگی میں ہم نے جو کچھ کمایا۔ اس میں سے ایک ذرّہ بھی ہمارے ساتھ نہ آیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جو کچھ نیک عمل کرنے کی توفیق ہوگئی تھی۔ وہ تو ساتھ آ گیا، لیکن باقی کوئی چیز ساتھ نہ آئی۔ اس لیے وہ گزرنے والے کو نصیحت کر رہا ہے کہ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم فاتحہ کو ترستے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ آ کر ہم پر فاتحہ پڑھ کر اس کا ایصالِ ثواب کر دے اور اے گزرنے والے! تجھے ابھی تک زندگی کے یہ لمحات میسر ہیں۔ جنہیں ہم ترس رہے ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو: حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم ۱۰/۳۸۸

صرف ''عمل'' ساتھ جائے گا

نبی کریم ﷺ کے سمجھانے کے کیا عجیب و غریب انداز ہیں۔ کس کس طریقے سے اپنی اُمت کو سمجھایا ہے۔ ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب مردے کو قبرستان لے جایا جاتا ہے تو تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں۔ ایک اس کے عزیز اقارب اور رشتے دار، جو اس کو چھوڑنے کے لیے قبر تک جاتے ہیں۔ دوسرے اس کا مال، مثلاً چار پائی، کفن وغیرہ اور تیسرے اس کا عمل اور پھر پہلی دو چیزیں، یعنی رشتے دار اور مال قبر تک اس کو پہنچانے کے بعد واپس آجاتے ہیں، لیکن آگے جو چیز اس کے ساتھ جاتی ہے وہ صرف اس کا عمل ہے۔[1]

کسی نے خوب کہا ہے ؎

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

وہاں کوئی نہیں جائے گا، بہرحال اس ''مقبرے کی آواز'' میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ سبق دیا کہ جب بھی کسی قبر کے پاس سے گزرو، ذرا سی دیر کے لیے یہ سوچ لیا کرو کہ یہ بھی ہماری طرح ایک انسان تھا اور ہماری طرح اس کو بھی زندگی میسر تھی۔ اس کا بھی مال تھا، دولت تھی۔ اس کے بھی عزیز و رشتہ دار تھے۔ اس کے بھی چاہنے والے تھے۔ اس کی بھی خواہشات تھیں۔ اس کے بھی جذبات تھے، مگر آج وہ سب رخصت ہوچکیں، ہاں اگر کوئی چیز اس کے ساتھ ہے، تو وہ

(۱) صحیح البخاری ۱۰۷/۸ (٦٥١٤) و صحیح مسلم ۲۲۷۳/٤ (۲۹٦۰).

صرف اس کا عمل ہے اور اب یہ چند لمحات کو ترس رہا ہے کہ اگر چند لمحات مجھے مل جائیں تو میں اپنی نیکیوں میں اضافہ کرلوں۔

موت کی تمنا مت کرو

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کبھی موت کی تمنا نہ کرو، چاہے تم کتنی ہی مصیبتوں اور تکلیفوں میں ہو[1]، اس وقت بھی یہ دعا نہ کرو کہ یا اللہ! مجھے موت دے دے۔ اس لیے کہ اگرچہ تم تکلیفوں میں گھرے ہوئے ہو، لیکن عمر کے یہ لمحات جو اس وقت میسر ہیں، اس میں پتہ نہیں کہ کس وقت کس نیکی کی توفیق ہوجائے اور پھر اس نیکی کے عوض اللہ تعالیٰ کے یہاں بیڑا پار ہوجائے۔ اس لیے کبھی موت کی تمنا نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو۔ یہ دعا کرو کہ یااللہ! آپ نے زندگی کے جو لمحات عطا فرمائے ہیں ان کو نیک کاموں میں اور اپنی رضا کے کاموں میں صرف فرمادے۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کشف

حضرت میاں سیّد اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے تھے اور بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے اور صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے، میرے استاد مولانا فضل محمد صاحب مدظلہم سوات میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو عافیت کے ساتھ سلامت رکھے آمین۔ انہوں نے خود اپنا واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب قدس اللہ سرہٗ حج سے واپس تشریف

(۱) صحیح البخاری ۷٦/۸ (٦۳۵۱) ومسند أحمد ۲۲/٤۲٦ (۱٤۵٦٤).

لائے، ہم اس وقت طالب علم تھے اور دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے تھے، طلبہ میں سے ایک طالب علم نے کہا میاں صاحب حج کر کے آئے ہیں۔ چلو ان کے یہاں جا کر کھجوریں کھائیں گے۔ گویا کہ اس نے حضرت میاں صاحب کے پاس جانے کی وجہ یہ بیان کی کہ وہاں کھجوریں ملیں گے۔ ہمیں یہ بات بُری لگی کہ یہ طالب علم میاں صاحب کے پاس صرف کھجور کھانے کے لیے جانا چاہتا ہے، حالانکہ وہ تو اتنے بڑے بزرگ ہیں اور حج کر کے آئے ہیں ان سے تو جا کر دعائیں لینی چاہیے، چنانچہ ہم چھ سات طلبہ ان سے ملاقات کے لیے چلے۔ جب میاں صاحب کے گھر پہنچے اور ان کو جا کر سلام کیا تو میاں صاحب نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ صاحب تو کھجوریں کھانے آئے ہیں ان کو تو کھجوریں دے کر رخصت کرو اور باقی طلبہ کو اندر بلالو۔ ایسے صاحبِ کشف بزرگ تھے۔

زیادہ باتوں سے بچنے کا طریقہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مولوی شفیع صاحب آج ہم آپس میں عربی میں بات کریں گے۔ میں بڑا حیران ہوا کہ آج تک تو کبھی ایسا نہیں کیا تھا، آج معلوم نہیں کیا بات ہوگئی، میں نے پوچھا کہ کیوں؟ کوئی وجہ تو بتائیے؟ فرمایا کہ جب ہم آپس میں بیٹھتے ہیں تو بعض اوقات فضول اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہوجاتی ہیں اور یہ زبان قابو میں نہیں رہتی اور بے تکلف عربی نہ تم بول سکتے ہو اور نہ میں بول سکتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف ضرورت کی بات ہوگی، بے ضرورت بات نہ ہوگی۔

ہماری مثال

پھر فرمایا کہ ہماری مثال اس شخص جیسی ہے جو بہت مال و دولت، سونا چاندی لے کر سفر پر روانہ ہوا تھا اور پھر وہ سارا مال و دولت اور سونا چاندی راستے میں خرچ ہوگیا اور اب صرف چند سکے باقی رہ گئے اور سفر لمبا ہے۔ اس لیے اب ان چند سکوں کو بہت دیکھ بھال کر بہت احتیاط سے خرچ کرتا ہے، تاکہ وہ سکے بے ضرورت خرچ نہ ہوجائیں۔ پھر فرمایا کہ ہماری بہت بڑی عمر تو بہت سے فضول کاموں میں گزر گئی اور اب چند لمحات باقی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی کسی بے فائدہ کام میں صرف ہوجائیں۔ یہ وہی بات ہے جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ دیوبند میں اللہ تعالیٰ نے جو علماء پیدا فرمائے تھے انہوں نے صحابہ کرام کی یادیں تازہ کردیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور وقت کی قدر

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب۔قدس اللہ سرہٗ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔فرماتے ہیں کہ میں نے خود حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ کو دیکھا کہ مرض الموت میں جب بیمار اور صاحب فراش تھے اور معالجوں اور ڈاکٹروں نے ملنے جلنے سے منع کر رکھا تھا اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ زیادہ بات نہ کریں۔ ایک دن آنکھیں بند کرکے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ لیٹے لیٹے اچانک آنکھ کھولی اور فرمایا کہ بھائی! مولوی محمد شفیع کو بلاؤ، چنانچہ بلایا گیا جب وہ تشریف لائے تو فرمایا کہ آپ ''احکام القرآن'' لکھ رہے ہیں، مجھے ابھی خیال آیا کہ قرآنِ کریم کی جو فلاں آیت ہے، اس سے

فلاں مسئلہ نکلتا ہے اور یہ مسئلہ اس سے پہلے میں نے کہیں نہیں دیکھا، میں نے آپ کو اس لیے بتادیا کہ جب آپ اس آیت پر پہنچیں تو اس مسئلے کو بھی لکھ لیجیے گا۔ یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کرکے لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ فلاں شخص کو بلاؤ۔ جب وہ صاحب آگئے تو ان سے متعلق کچھ کام بتادیا۔ جب بار بار ایسا کیا تو مولانا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت کی خانقاہ کے ناظم تھے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بے تکلف تھے۔ انہوں نے حضرت سے فرمایا کہ حضرت! ڈاکٹروں اور حکیموں نے بات چیت کرنے سے منع کر رکھا ہے، مگر آپ لوگوں کو بار بار بلاکر ان سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ خدا کے لیے آپ ہماری جان پر تو رحم کریں۔ ان کے جواب میں حضرتِ والا نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ

> ’’بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں، اگر کسی کی خدمت کے اندر عمر گزر جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔‘‘

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور نظام الاوقات

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صبح سے لے کر شام تک پورا نظام الاوقات مقرر تھا، یہاں تک کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد اپنی ازواج کے پاس تشریف لے جاتے تھے، آپ کی دو بیویاں تھیں، دونوں کے پاس عصر کے بعد عدل و انصاف کے ساتھ ان کی خیر و خبر لینے کے لیے اور ان سے بات چیت کے لیے جایا کرتے تھے اور یہ بھی درحقیقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ایک ایک کر کے تمام ازواجِ مطہرات کے پاس ان کی خبر گیری کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور یہ آپ کا روزانہ کا معمول تھا(۱)۔ اب دیکھیے کہ دنیا کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں، جہاد بھی ہو رہا ہے، تعلیم بھی ہو رہی ہے، تدریس بھی ہو رہی ہے، دین کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں اور ساتھ میں ازواجِ مطہرات کے پاس جا کر ان کی دل جوئی بھی ہو رہی ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کو نبی کریم ﷺ کی سنت پر ڈھالا ہوا تھا اور اسی اتباعِ سنت میں آپ بھی عصر کے بعد اپنی دونوں بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے، لیکن وقت مقرر تھا۔ مثلاً پندرہ منٹ ایک بیوی کے پاس بیٹھیں گے اور پندرہ منٹ دوسری بیوی کے پاس بیٹھیں گے۔ چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ گھڑی دیکھ کر داخل ہوتے اور گھڑی دیکھ کر باہر نکل آتے۔ یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ پندرہ منٹ کے بجائے سولہ منٹ ہوجائیں یا چودہ منٹ ہوجائیں، بلکہ انصاف کے تقاضے کے مطابق پورے پندرہ پندرہ منٹ تک دونوں کے پاس تشریف رکھتے۔ تول تول کر، ایک ایک منٹ کا حساب رکھ کر خرچ کیا جا رہا ہے۔

دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے وقت کی جو نعمت عطا فرمائی ہے۔ اس کو اس طرح ضائع نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بڑی زبردست دولت دی ہے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور یہ دولت جا رہی ہے۔ یہ پگھل رہی ہے۔ کسی نے خوب کہا کہ ؎

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

(۱) سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد ۱۱/۱۷۰ الباب الثالث عشر أنه ﷺ كان يدور على نساءه ويختم بعائشة رضي الله عنها. طبع دار الكتب العلمية.

جس طرف برف ہر لمحے پگھلتی رہتی ہے، اسی طرح انسان کی عمر ہر لمحے پگھل رہی ہے اور جارہی ہے۔

''سال گرہ'' کی حقیقت

جب عمر کا ایک سال گزر جاتا ہے تو لوگ سالگرہ مناتے ہیں اور اس میں اس بات کی بڑی خوشی مناتے ہیں کہ ہماری عمر کا ایک سال پورا ہوگیا اور اس میں موم بتیاں جلاتے ہیں اور کیک کاٹتے ہیں اور خدا جانے کیا کیا خرافات کرتے ہیں۔ اس پر اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے بڑا حکیمانہ شعر کہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ؎

جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یہاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے

''عقدہ'' بھی عربی میں ''گرہ'' کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گرہ میں زندگی کے جو برس دیے تھے، اس میں ایک اور کم ہوگیا۔ ارے یہ رونے کی بات ہے یا خوشی کی بات ہے؟ یہ تو افسوس کرنے کا موقع ہے کہ تیری زندگی کا ایک سال اور کم ہوگیا۔

گزری ہوئی عمر کا مرثیہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ نے اپنی عمر کے تیس سال گزرنے کے بعد ساری عمر اس پر عمل فرمایا کہ جب عمر کے کچھ سال گزر جاتے تو ایک مرثیہ کہا کرتے تھے۔ عام طور پر لوگوں کے مرنے کے بعد ان کا مرثیہ کہا جاتا ہے، لیکن میرے والد صاحب اپنا مرثیہ خود کہا کرتے تھے اور اس کا نام رکھتے ''مرثیہ

عمرِ رفتہ'' یعنی گزری ہوئی عمر کا مرثیہ۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں فہم عطا فرمائیں تب یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ واقعہ یہی ہے کہ جو وقت گزر گیا وہ اب واپس آنے والا نہیں، اس لیے اس پر خوشی منانے کا موقع نہیں ہے، بلکہ آئندہ کی فکر کرنے کا موقع ہے کہ بقیہ زندگی کا وقت کسی طریقے سے کام میں لگ جائے۔

آج ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ بے قیمت چیز وقت ہے، اس کو جہاں چاہا، کھو دیا اور برباد کر دیا۔ کوئی قدر و قیمت نہیں، گھنٹے، دن، مہینے بے فائدہ کاموں میں اور فضولیات میں گزر رہے ہیں جس میں نہ تو دنیا کا فائدہ، نہ دین کا فائدہ۔

کاموں کی تین قسمیں

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (1) فرماتے ہیں کہ دنیا میں جتنے بھی کام ہیں، وہ تین قسم کے ہیں، ایک وہ ہیں جن میں کچھ نفع اور فائدہ ہے، چاہے دین کا فائدہ ہو یا دنیا کا فائدہ ہو۔ دوسرے وہ کام ہیں جو مضرت والے اور نقصان دہ ہیں۔ ان میں یا تو دین کا نقصان ہے یا دنیا کا نقصان ہے اور تیسرے وہ کام ہیں۔ جن میں نہ نفع ہے نہ نقصان ہے، نہ دنیا کا نفع، نہ دین کا نفع، نہ دنیا کا نقصان نہ دین کا نقصان، بلکہ فضول کام ہیں۔ اس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک ان کاموں کا تعلق ہے جو نقصان دہ ہیں ظاہر ہے کہ ان سے تو بچنا ضروری ہے اور اگر غور سے دیکھو تو کاموں کی یہ جو تیسری قسم ہے جس میں نہ

(1) ملاحظہ فرمائیں: إحياء علوم الدين ۸/۱۵٤۳، طبع دار الشعب.

نقصان ہے اور نہ نفع ہے وہ بھی حقیقت میں نقصان دہ ہیں۔ اس لیے کہ جب تم ایسے کام میں اپنا وقت لگا رہے ہو جس میں کوئی نفع نہیں ہے، حالانکہ اس وقت کو تم ایسے کام میں لگا سکتے تھے۔ جس میں نفع ہو، تو گویا کہ تم نے اس وقت کو برباد کر دیا اور اس وقت کے نفع کو ضائع کر دیا۔

یہ بھی حقیقت میں بڑا نقصان ہے

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ فرض کریں کہ ایک شخص ایک جزیرے میں گیا اور اس جزیرہ میں ایک سونے کا ٹیلہ ہے، اس ٹیلے کے مالک نے اس شخص سے کہا کہ جب تک تمہیں ہماری طرف سے اجازت ہے اس وقت تک تم اس میں سے جتنا سونا چاہو نکال لو، وہ سونا تمہارا ہے، لیکن ہم کسی بھی وقت تمہیں اچانک سونا نکالنے سے منع کر دیں گے کہ بس اب اجازت نہیں، البتہ ہم تمہیں یہ نہیں بتائیں گے کہ کس وقت تمہیں سونا نکالنے سے منع کر دیا جائے گا اور اس کے بعد تمہیں جبراً اس جزیرے سے نکلنا پڑے گا۔ کیا وہ شخص کوئی لمحہ ضائع کرے گا؟ کیا وہ شخص یہ سوچے گا کہ ابھی تو بہت وقت ہے، پہلے تھوڑی سی تفریح کر کے آجاؤں، پھر سونا نکال لوں گا، وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا، بلکہ وہ تو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر یہ کوشش کرے گا کہ اس میں سے جتنا زیادہ سے زیادہ سونا نکال سکتا ہوں وہ نکال لوں۔ اس لیے کہ جو سونا نکال لوں گا وہ میرا ہو جائے گا۔ اب اگر وہ شخص سونا نکالنے کے بجائے ایک طرف الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ تو بظاہر اس میں تو نہ نفع ہے نہ نقصان ہے، لیکن حقیقت میں وہ بہت بڑا نقصان ہے، وہ نقصان یہ ہے کہ جو بہت بڑا نفع حاصل ہونا تھا۔ وہ صرف اپنی غفلت سے چھوڑ دیا۔

ایک تاجر کا انوکھا نقصان

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ کے پاس ایک تاجر آیا کرتے تھے۔ ان کی بہت بڑی تجارت تھی۔ ایک مرتبہ وہ آ کر کہنے لگے کہ حضرت کیا عرض کروں، کوئی دعا فرمادیں، بہت سخت نقصان ہوگیا ہے۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر بڑا دُکھ ہوا کہ یہ بے چارہ پتہ نہیں کس مصیبت کے اندر گرفتار ہوگیا، پوچھا کہ کتنا نقصان ہوگیا اس نے کہا کہ حضرت! کروڑوں کا نقصان ہوگیا۔ والد صاحب نے فرمایا کہ ذرا تفصیل تو بتاؤ کہ کس قسم کا نقصان ہوا؟ کس طرح ہوا؟ جب انہوں نے اس نقصان کی تفصیل بتائی تو معلوم ہوا کہ کروڑوں کا ایک سودا ہونے والا تھا، وہ نہیں ہوپایا، بس اس کے علاوہ جو لاکھوں روپے پہلے سے آرہے تھے وہ اب بھی آرہے ہیں اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی، لیکن ایک سودا جو ہونے والا تھا وہ نہیں ہوا۔ اس کے نہ ہونے کے بارے میں بتایا کہ یہ بہت زبردست نقصان ہوگیا۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس شخص نے نفع نہ ہونے کو نقصان سے تعبیر کردیا۔ یعنی جس نفع کی توقع تھی وہ نہیں ہوا، اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت بڑا نقصان ہوگیا۔

اس واقعے کے بیان کے بعد والد صاحب فرماتے ہیں کہ کاش کہ یہ بات وہ دین کے بارے میں بھی سوچ لیتا کہ اگر میں اس وقت کو ڈھنگ کے کام میں لگاتا۔ تو اس کے ذریعے دین کا اور آخرت کا جو اتنا بڑا فائدہ ہوتا وہ رہ گیا، جس کی وجہ سے یہ نقصان ہوگیا۔

ایک بنیے کا قصہ

ایک بات ہے تو ہنسی کی، لیکن اگر اللہ تعالیٰ سمجھنے والی عقل دے تو اس میں سے بھی کام کی باتیں نکلتی ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ جو مشہور حکیم ہیں، انہوں نے ایک دن یہ قصہ سنایا کہ ایک بنیا عطار تھا، جو دوائیں بیچا کرتا تھا۔ اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ دکان پر بیٹھتا تھا۔ ایک دن اس کو کسی ضرورت سے کہیں جانا پڑا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا! مجھے ذرا ایک کام سے جانا ہے تو ذرا دکان کی دیکھ بھال کرنا اور احتیاط سے سودا وغیرہ فروخت کرنا، بیٹے نے کہا بہت اچھا اور اس بنیے نے اپنے بیٹے کو ہر چیز کی قیمت بتادی کہ فلاں چیز کی یہ قیمت ہے۔ فلاں چیز کی یہ قیمت ہے یہ کہہ کر وہ بنیا چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک گاہک آیا اور شربت کی دو بوتلیں اس نے خریدیں۔ بیٹے نے وہ دو بوتلیں سو سو روپے کی فروخت کردیں۔

تھوڑی دیر کے بعد جب باپ واپس آیا تو اس نے بیٹے سے پوچھا کہ کیا کیا بکری ہوئی؟ بیٹے نے بتادیا کہ فلاں فلاں چیز بیچ دیں اور یہ دو بوتلیں بھی بیچ دیں۔ باپ نے پوچھا کہ یہ بوتلیں کتنے میں بیچیں؟ بیٹے نے کہا کہ سو سو روپے کی بیچ دیں۔ یہ جواب سن کر باپ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور بیٹے سے کہا کہ تم نے تو میرا کباڑہ کردیا یہ بوتلیں تو دو دو ہزار کی تھیں، تو نے سو سو روپے کی بیچ دیں۔ بڑا ناراض ہوا۔ اب بیٹا بھی بڑا رنجیدہ ہوا کہ افسوس! میں نے باپ کا اتنا بڑا نقصان کردیا اور بیٹھ کر رونے لگا اور باپ سے معافی مانگنے لگا کہ ابا جان! مجھے معاف کردو، مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی میں نے آپ کا بہت بڑا نقصان کرادیا۔ جب باپ نے یہ دیکھا کہ یہ بہت ہی رنجیدہ اور غمگین اور پریشان ہے تو اس نے

بیٹے سے کہا کہ بیٹا! اتنی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ تونے یہ بوتلیں سوسو روپے کی بیچیں۔ اس سو روپے میں سے اٹھانوے روپے اب بھی نفع کے ہیں۔ باقی اگر تم زیادہ ہوشیاری سے کام لیتے تو ایک بوتل پر دو ہزار روپے مل جاتے، بس یہ نقصان ہوا، باقی گھر سے گیا کچھ نہیں۔

بہرحال! تاجر کو اگر نفع نہ ہو تو وہ کہتا ہے کہ بہت نقصان ہے تو بھائی! جب دنیا کی تجارت میں یہ اُصول ہے کہ نفع نہ ہونا نقصان ہے۔ تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دین کے بارے میں یہ سوچ لو کہ اگر یہ لمحاتِ زندگی ایسے کام میں لگادیے جس میں نفع نہیں ہوا، تو حقیقت میں یہ بھی نقصان ہے۔ نفع کا سودا نہیں، بلکہ نقصان کا سودا ہے۔ اس لیے کہ اگر تم چاہتے تو اس سے آخرت کا بہت بڑا نفع حاصل کر لیتے، اس طرح اپنی زندگی گزار کر دیکھو۔

موجودہ دور اور وقت کی بچت

اور یہ بھی ذرا سوچو کہ اللہ جل جلالہٗ نے ہمیں اس دور میں کتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور ایسی ایسی نعمتیں ہمیں دے دیں کہ جو ہمارے آباء واجداد کے تصور میں بھی نہیں تھیں۔ مثلاً پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر چیز پکانی ہوتی تو پہلے لکڑیاں لائی جائیں، پھر اس کو سکھایا جائے، پھر ان کو سلگایا جائے، اب اگر ذرا سی چائے بھی بنانی ہے تو اس کے لیے آدھا گھنٹہ چاہیے۔ اب الحمدللہ گیس کے چولہے ہیں، اس کا ذرا سا کان مروڑا اور دو منٹ کے اندر چائے تیار ہوگئی۔ اب صرف چائے کی تیاری پر اٹھائیس منٹ بچے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر روٹی پکانی ہے تو پہلے گندم آئے گا، اس کو چکی میں پیسا جائے گا، پھر آٹا گوندھیں گے، پھر جا کر روٹی پکے

گی۔ اب ذرا سا بٹن دبایا، اب مسالہ بھی تیار ہے، آٹا بھی تیار ہے، اس کام میں بھی بہت وقت بچ گیا، اب بتاؤ یہ وقت کہاں گیا؟ کس کام میں آیا؟ کہاں صرف ہوا؟ لیکن اب بھی خواتین سے کہا جائے کہ فلاں کام کرلو تو جواب ملتا ہے کہ فرصت نہیں ملتی۔ پہلے زمانے میں یہ تمام کام کرنے کے باوجود خواتین کو عبادت کی بھی فرصت تھی، تلاوت کی بھی فرصت تھی، ذکر کرنے کی بھی فرصت تھی، اللہ کو یاد کرنے کی بھی فرصت تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان نئے آلات کی نعمت عطا فرمادی تو اب ان خواتین سے پوچھا جائے کہ تلاوت کی توفیق ہوجاتی ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ کیا کریں، گھر کے کام دھندوں سے فرصت نہیں ملتی۔

پہلے زمانے میں سفر یا تو پیدل ہوتا تھا یا گھوڑوں اور اونٹوں پر ہوتا تھا۔ اس کے بعد تانگوں اور سائیکلوں پر ہونے لگا اور جس مسافت کو قطع کرنے میں مہینوں صرف ہوتے تھے، اب گھنٹوں میں وہ مسافت قطع ہوجاتی ہے۔

اللہ کے فضل وکرم سے گزشتہ کل میں اس وقت مدینہ منورہ میں تھا اور کل ظہر، عصر، مغرب، عشاء چاروں نمازیں مدینہ طیبہ میں ادا کیں اور آج جمعہ کی نماز یہاں آکر ادا کرلی۔ پہلے کوئی شخص کیا یہ تصور کرسکتا تھا کہ کوئی شخص مدینہ منورہ سے اگلے دن واپس لوٹ آئے، بلکہ پہلے تو اگر کسی کو حرمین شریفین کے سفر پر جانا ہوتا تو لوگوں سے اپنی خطائیں معاف کرا کر جایا کرتے تھے اس لیے کہ مہینوں کا سفر ہوتا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے سفر کو اتنا آسان فرمادیا ہے کہ آدمی چند گھنٹوں میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔ جو سفر پہلے ایک مہینے میں ہوتا تھا، تو اب ایک دن میں ہوگیا اور اُنتیس دن بچ گئے۔ اب اس کا حساب لگاؤ کہ وہ اُنتیس دن کہاں گئے؟ اور کس کام میں صرف ہوگئے؟ معلوم ہوا کہ وہ اُنتیس دن ضائع

کردیے اور اب بھی وہی حال ہے کہ فرصت نہیں، وقت نہیں، کیوں وقت نہیں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں اس لیے عطا فرمائی تھیں کہ وہ بچا کر مجھے یاد کرو اور میری طرف رجوع کرو اور آخرت کی تیاری کرو اور اس کی فکر کرو۔

۞ شیطان نے ٹیپ ٹاپ میں لگادیا

شیطان نے یہ سوچا کہ یہ جو وقت بچ گیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کی یاد میں صرف ہوجائے۔ اس لیے اس نے اور دھندے نکال دیے۔ مثلاً اس نے ہم لوگوں کو ٹیپ ٹاپ میں لگادیا اور یہ خیال دل میں ڈالا کہ گھر میں فلاں چیز ہونی چاہیے اور فلاں ہونی چاہیے اور اب چیز کی خریداری کے لیے پیسے بھی ہونے چاہئیں اور پیسے کمانے کے لیے فلاں کام کرنا چاہیے تو اب ایک نیا دھندا شروع ہوگیا۔ آج ہم سب اس کے اندر مبتلا ہیں۔ سب ایک کشتی کے سوار ہیں مل کر بیٹھ گئے تو اب گپ شپ ہورہی ہے اور ایک بے کار کام میں وقت گزر رہا ہے، اس وقت کا کوئی صحیح مصرف نہیں ہے۔ یہ سب وقت کو ضائع کرنے والے کام ہیں۔

۞ خواتین میں وقت کی ناقدری

وقت ضائع کرنے اور ٹیپ ٹاپ کا مرض خاص طور پر خواتین میں بے انتہاء پایا جاتا ہے۔ جو کام ایک منٹ میں ہوسکتا ہے، اس میں ایک گھنٹہ صرف کریں گی اور جب آپس میں بیٹھیں گی تو لمبی لمبی باتیں کریں گی اور جب باتیں لمبی ہوں گی تو اس میں غیبت بھی ہوگی، جھوٹ بھی نکلے گا، کسی کی دل آزاری بھی ہوجائے گی، خدا جانے کن کن گناہوں کا ارتکاب اس گفتگو میں شامل ہوجائے گا، اس لیے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو پایا ہے جو

اپنے لمحاتِ زندگی کو سونے چاندی سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بے فائدہ کام میں صرف ہو جائیں۔

بدلہ لینے میں کیوں وقت ضائع کروں

یہ قصہ آپ حضرات کو پہلے بھی سنایا تھا کہ ایک شخص اولیاء کی نسبت معلوم کرنے کے لیے نکلے۔ ایک بزرگ سے ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنا مقصد بیان کیا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ تم فلاں مسجد میں جاؤ، وہاں تمہیں تین بزرگ ذکر کرتے ہوئے ملیں گے۔ تم جا کر پیچھے سے ان تینوں کو ایک ایک دھول رسید کر دینا، وہ صاحب مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ واقعتاً تین بزرگ ذکر میں مشغول ہیں۔ اس نے پیچھے جا کر ایک بزرگ کو دھول رسید کر دی تو ان بزرگ نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا اور اپنے ذکر کے اندر مشغول رہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان بزرگ نے یہ سوچا کہ جتنی دیر میں میں پیچھے مڑ کر دیکھوں گا کہ کس نے دھول مارا ہے اور اس سے بدلہ لوں گا، اتنی دیر میں تو میں کئی بار ''سبحان اللہ'' کہہ لوں گا اور اس سے جو مجھے فائدہ ہوگا بدلہ لینے سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ اور وقت کی قدر

حضرت میاں جی نور محمد جنجانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب بازار میں کوئی چیز خریدنے جاتے تو ہاتھ میں پیسوں کی تھیلی ہوتی اور چیز خریدنے کے بعد خود پیسے گن کر دکان دار کو نہیں دیتے تھے، بلکہ پیسوں کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دیتے اور اس سے کہتے کہ تم خود ہی اس میں سے پیسے نکال لو۔ اس لیے کہ اگر میں نکالوں گا اور اس کو گنوں گا تو وقت لگے گا، اتنی دیر میں سبحان اللہ کئی مرتبہ کہہ لوں گا۔

ایک مرتبہ وہ اپنے پیسوں کی تھیلی اُٹھائے ہوئے جارہے تھے کہ پیچھے سے ایک اُچکا آیا اور وہ تھیلی چھین کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت میاں جی نور محمد نے مڑ کر بھی اس کو نہیں دیکھا کہ کون لے گیا اور کہاں گیا اور گھر واپس آ گئے، کیوں؟ اس لیے کہ انہوں نے سوچا کہ کون اس چکر میں پڑے کہ اس کے پیچھے بھاگے اور اس کو پکڑے، بس اللہ اللہ کرو، بہرحال! ان حضرات کا مزاج یہ تھا کہ ہم زندگی کے اوقات کو کیوں ایسے کاموں میں صرف کریں جس میں آخرت کا فائدہ نہ ہو۔

معاملہ تو اس سے زیادہ جلدی کا ہے

درحقیقت یہ نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد پر عمل تھا۔ جب میں اس حدیث کو پڑھتا ہوں تو مجھے بڑا ڈر لگتا ہے، مگر چونکہ بزرگوں سے اس حدیث کی تشریح بھی سنی ہوئی ہے۔ اس لیے وہ بے تابی نہیں ہوتی، لیکن بہرحال! یہ بڑی عبرت کی حدیث ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میری ایک جھونپڑی تھی۔ حدیث میں لفظ ''خص'' آیا ہے۔ ''خص'' عربی میں جھونپڑی کو کہتے ہیں۔ اس جھونپڑی میں کچھ ٹوٹ پھوٹ ہوگئی تھی۔ اس لیے ایک روز میں اس جھونپڑی کی مرمت کر رہا تھا۔ اس وقت حضورِ اقدس ﷺ میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے جواب میں کہا کہ

خُصٌّ لَنَا وَهَی، فَنَحْنُ نُصْلِحُهٗ

یارسول اللہ! ہم تو اپنی جھونپڑی کو ذرا درست کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ

نے فرمایا:

مَا أَرَى الْأَمْرَ إِلَّا أَعْجَلَ مِنْ ذٰلِكَ

بھائی! معاملہ تو اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کے جو لمحات عطا فرمائے ہیں یہ پتہ نہیں کب ختم ہوجائیں اور موت آجائے اور آخرت کا عالم شروع ہوجائے۔ یہ لمحات جو اس وقت میسر ہیں یہ بڑی جلدی کا وقت ہے۔ اس میں تم یہ اپنے گھر کی مرمت کا فضول کام لے بیٹھے؟ (۱)

اب دیکھیے کہ وہ صحابی کوئی بڑا عالیشان مکان نہیں بنا رہے تھے یا اس کی تزئین اور آرائش کا کام نہیں کر رہے تھے، بلکہ صرف اپنی جھونپڑی کی مرمت کر رہے تھے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے۔ حضراتِ علماء نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ اس حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے ان صحابی کو اس کام سے منع نہیں فرمایا کہ تم یہ کام مت کرو، یہ کام گناہ ہے، اس لیے کہ وہ کام گناہ نہیں تھا، بلکہ مباح اور جائز تھا، لیکن آپ نے ان صحابی کو اس طرف توجہ دلادی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری ساری توجہ، سارا دھیان، ساری کوشش اور ساری دوڑ دھوپ اسی دنیا کے ارد گرد ہوکر رہ جائے۔

بہرحال! اگر ہم سو فیصد ان بزرگوں کی اتباع نہیں کرسکتے تو کم از کم یہ تو کرلیں کہ ہم جو فضول کاموں میں اپنا وقت برباد کررہے ہیں اس سے بچ جائیں اور اپنے لمحات زندگی کو کام میں لگائیں، اور حقیقت یہ ہے کہ آدمی اس ذکر کی

(۱) سنن ابی داود ٤/٣٦٠ (٥٢٣٦) وسنن الترمذی ٤/١٦٠ (٢٣٥) وقال هذا حديث حسن صحيح۔

بدولت زندگی کے ایک ایک لمحے کو آخرت کی تیاری کے لیے صرف کرسکتا ہے۔ چل رہا ہے، پھر رہا ہے، مگر زبان پر اللہ جل جلالہ کا ذکر جاری ہے اور ہر کام کرتے وقت اپنی نیت درست کرلو تو یہ وقت بے مصرف اور بے کار ضائع نہیں ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دنیا سے تعلق

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ رات کو بستر پر سوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم اطہر پر نشان پڑجایا کرتے تھے تو ایک مرتبہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بستر کی چادر کو دُوہرا کر کے بچھادیا تاکہ نشان نہ پڑیں اور زیادہ آرام ملے۔ جب صبح بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا اے عائشہ! اس کو دُوہرا مت کیا کرو، اس کو اُکہرا ہی رہنے دو[1]۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیوار کی آرائش کے لیے ایک پردہ لٹکادیا تھا۔ جس پر تصویریں تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس وقت سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا، اس لیے کہ اس میں تصویر ہے۔[2]

اور ایک مرتبہ زینت اور آرائش کے لیے ایسا پردہ لٹکایا جس میں تصویر تو نہیں تھی، لیکن اس کو دیکھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ!

مَالِي وَلِلدُّنْيَا، مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ

---

(۱) فی الطبقات الکبری لابن سعد ۱/۴۶۵: أنها کانت تفرش للنبي - صلی الله علیه وسلم - عباءة مثنية. فجاء ليلة وقد ربعتها فنام عليها فقال: يا عائشة ما الفراشي الليلة ليس كما كان؟ قلت: يا رسول الله ربعتها لك! قال: فأعيديه كما كان. طبع دار صادر بيروت، نیز ملاحظہ ہو المعجم الأوسط للطبرانی ۶/۱۴۱ (۲۰۲۹).

(۲) صحیح مسلم ۳/۱۶۶۶ (۲۱۰۶).

تَحۡتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا(۱)

ارے! میرا دنیا سے کیا کام، میری مثال تو ایک سوار کی سی ہے، جو کسی درخت کی چھاؤں میں تھوڑی دیر کے لیے سایہ لیتا ہے اور پھر اس سایہ کو چھوڑ کر آگے چلا جاتا ہے۔ میرا تو یہ حال ہے۔ بہرحال! اُمت کو ان چیزوں سے منع تو نہیں کیا، لیکن اپنے عمل سے اُمت کو یہ سبق دیا کہ دنیا کے اندر زیادہ دل نہ لگاؤ۔ اس پر زیادہ وقت صرف نہ کرو اور آخرت کی تیاری میں لگو۔

دنیا میں کام کا اُصول

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

اعۡمَلۡ لِلدُّنۡيَا بِقَدۡرِ بَقَائِكَ فِيهَا , وَلِلۡآخِرَةِ بِقَدۡرِ بَقَائِكَ فِيهَا وَالسَّلَامُ(۲)

یعنی دنیا کے لیے اتنا کام کرو، جتنا دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لیے اتنا کام کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ اب ہمیشہ تو آخرت میں رہنا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے کام زیادہ کرو اور دنیا میں چونکہ کم رہنا ہے اس لیے اس کے لیے کام کم کرو۔ یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگرچہ اتنی اونچی پرواز نہ سہی کہ ہم حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مقام تک یا ان جیسے دوسرے بزرگوں کے مقامات تک پہنچ جائیں، لیکن کم از کم اتنا تو ہو جائے کہ دنیا سے دل لگا کر آخرت

(۱) سنن الترمذی ۱۸۶/٤ (۲۳۷۷) وقال هذا حديث حسن صحيح۔

(۲) حلية الاولياء لابی نعيم الاصفهانی ۵٦/۷ وبريقة محموديه ۱۳۰/۳ مطبعة الحلبی.

سے غافل اور بے پرواہ تو نہ ہوجائیں اور اپنی زندگی کے اوقات کو کسی طرح آخرت کے کام کے لیے استعمال کرلو۔

وقت سے کام لینے کا آسان طریقہ

اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دو کام کرلو۔ ایک یہ کہ ہر کام کے اندر نیت کی درستی اور اس کے اندر اخلاص ہو کہ جو کام بھی کروں گا۔ اللہ کی رضا کی خاطر کروں گا۔ مثلاً کھاؤں گا تو اللہ کی رضا کے لیے کھاؤں گا۔ کماؤں گا تو اللہ کی رضا کے لیے کماؤں گا۔ گھر میں اگر اپنی بیوی سے باتیں کروں گا تو اللہ کی رضا کی خاطر کروں گا اور اتباعِ سنت کی نیت سے کروں گا۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے ہو۔ اس میں کیا خرچ ہوتا ہے کہ آدمی چلتے پھرتے ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر'' پڑھتا رہے۔ کیا اس کے پڑھنے میں کوئی محنت لگتی ہے؟ کوئی روپیہ پیسہ خرچ ہوتا ہے؟ یا زبان گھس جاتی ہے؟ لیکن اگر انسان یہ ذکر کرتا رہے تو اس کے لحات زندگی کام میں لگ جائیں گے۔

اپنے اوقات کا چٹھا بناؤ

تیسرے یہ کہ فضولیات سے اجتناب کرو اور اوقات کو ذرا تول تول کر خرچ کرو اور اس کے لیے ایک نظام الاوقات بناؤ اور پھر اس نظام الاوقات کے مطابق زندگی گزارو۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر تاجر اپنا چٹھا تیار کرتا ہے کہ کتنا روپیہ آیا تھا اور کتنا خرچ ہوا اور کتنا نفع ہوا؟ اسی طرح تم بھی اپنے اوقات کا چٹھا بناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں چوبیس گھنٹے عطا فرمائے تھے، اس میں سے کتنا وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں صرف ہوا؟ اور کتنا وقت

غلط کاموں میں صرف ہوا۔ اس طرح اپنے نفع اور نقصان کا حساب لگاؤ۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تجارت خسارے میں جارہی ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ (۱)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے نجات عطا کردے۔ وہ تجارت یہ ہے کہ اللہ پر ایمان رکھو اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔

یہ بھی جہاد ہے

لوگ جہاد کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ایک آدمی تلوار اور بندوق لے کر میدانِ جہاد میں جائے بے شک وہ جہاد کا ایک اعلیٰ فرد ہے، لیکن جہاد اس میں منحصر نہیں۔ جہاد کا ایک فرد یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے نفس سے جہاد کرے، اپنی خواہشات سے جہاد کرے، اپنے جذبات سے جہاد کرے۔ دل میں اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی جذبہ پیدا ہورہا ہے تو اس کو روکے یہ بھی جہاد ہے اور آخرت کی تجارت ہے۔ جس کا نفع اور فائدہ آخرت میں ملنے والا ہے اور میں نے اپنے والد صاحب سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد سنا کہ جو شخص اپنا

---

(۱) سورۃ الصف آیت (۱۰).

نظام الاوقات نہیں بناتا اور اپنے اوقات کا حساب نہیں رکھتا کہ کہاں خرچ ہو رہے ہیں درحقیقت آدمی ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ حضرات کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۞ نیک کام کو مت ٹلاؤ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا ارشاد یہ ہے کہ

ابن ادم اياك والتسويف[1]

اے آدم کے بیٹے ٹال مٹول سے بچو، یعنی انسان کا نفس ہمیشہ نیک عمل سے ٹالتا رہتا ہے کہ اچھا یہ کام کل سے کریں گے۔ پرسوں سے کریں گے۔ ذرا فرصت ملے گی تو کریں گے۔ ذرا فلاں کام سے فارغ ہو جائیں تو پھر کریں گے۔ یہ ٹلانا اچھا نہیں۔ اس لیے فرمایا کہ کسی نیک کام کو مت ٹلاؤ۔ اس لیے کہ جس کام کو ٹلا دیا وہ ٹل گیا۔ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس کام کے لیے اہتمام کرے۔

۞ دل میں اہمیت ہو تو وقت مل جاتا ہے

میرے ایک استاذ نے اپنا واقعہ سنایا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے شکایت کی کہ آپ کبھی ہمارے پاس آتے ہی نہیں، نہ رابطہ رکھتے ہیں اور نہ خط لکھتے ہیں تو میں نے جواب میں کہا کہ حضرت! فرصت نہیں ملتی۔ حضرت مولانا

---

(۱) الزهد لابن المبارك ١/٤(٨).

خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ دیکھو جس چیز کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ فرصت نہیں ملی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کی اور اس کام کی اہمیت دل میں نہیں، کیونکہ جس کام کی اہمیت دل میں ہوتی ہے۔ آدمی اس کام کے لیے وقت اور فرصت زبردستی نکال ہی لیتا ہے اور جو شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں کام اس لیے نہیں کیا کہ فرصت نہیں ملی تو مطلب یہ ہے کہ اس کام کی اہمیت دل میں نہیں۔

اہم کام کو فوقیت دی جاتی ہے

ہمیشہ یہ بات یاد رکھو کہ جب آدمی کے پاس بہت سارے کام جمع ہوجائیں تو اب ظاہر ہے کہ ایک وقت میں وہ ایک ہی کام کرے گا یا اسے کرے گا یا اُسے کرے گا۔ سب کام تو ایک ساتھ کر نہیں سکتا۔ تو اس وقت آدمی اسی کام کو پہلے کرے گا جس کی اہمیت دل میں زیادہ ہوگی یا ایک شخص ایک کام کر رہا تھا اس وقت اس کے پاس کوئی دوسرا کام آ گیا جو پہلے کام سے زیادہ اہم ہے، تو وہ پہلے کام کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام کی اہمیت دل میں ہوتی ہے آدمی اس کام کے لیے وقت نکال ہی لیتا ہے۔ مثلاً آپ بہت سے کاموں میں مشغول ہیں، اس وقت وزیراعظم کا پیغام آ جائے کہ آپ کو بلایا ہے تو کیا اس وقت بھی یہ جواب دو گے میں بہت مصروف ہوں مجھے فرصت نہیں۔ وہاں تو یہ جواب آپ نہیں دیں گے کیوں؟ اس لیے کہ آپ کے دل میں اس کی اہمیت ہے اور جس چیز کی اہمیت ہوتی ہے آدمی اس کے لیے وقت اور فرصت نکال ہی لیتا ہے۔ اس لیے نیک اعمال کو فرصت پر ٹلانا کہ جب فرصت ملے گی تو کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس

کی اہمیت دل میں نہیں۔ جس دن دل میں اہمیت آئے گی اس دن سب فرصت مل جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

تمہارے پاس صرف آج کا دن ہے

آگے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا:

فانك بيومك ولست بغد فان يكن غدا لك فكن
في غد كما كنت في اليوم[1]

یعنی آج کا دن تمہارے پاس یقینی ہے، کل کا دن تمہارے پاس یقینی نہیں۔ کیا کسی کو اس بات کا یقین ہے کہ کل ضرور آئے گی؟ جب کل کا دن یقینی نہیں ہے تو جو کام ضروری ہے وہ آج ہی کے دن کرلو، پتہ نہیں کل آئے گی یا نہیں اور یہ یقین مت کرو کہ کل ضرور آئے گی، بلکہ اس مفروضے پر کام کرو کہ کل نہیں آنی ہے۔ اس لیے جو بھی ضروری کام کرنا ہے وہ آج ہی کرنا ہے۔ اگر کل کا دن مل جائے اور کل آجائے تو کل کے دن بھی ایسے ہی ہوجاؤ جیسے آج ہوئے تھے۔ یعنی اس دن کے بارے میں یہ یقین کرلو کہ یہ آج کا دن میرے پاس ہے۔ کل کا دن نہیں ہے اور اگر وہ کل نہ آئی تو کم از کم تمہیں یہ پشیمانی نہیں ہوگی کہ میں نے کل کا دن ضائع کردیا۔ اس لیے ہر دن کو اپنی زندگی کا آخری دن خیال کرو۔

---

(۱) الزهد لابن المبارك ١/٤(٨)

شاید میری آخری نماز ہو

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو اس طرح نماز پڑھو کہ جیسے دنیا سے رخصت ہونے والا نماز پڑھتا ہے اور اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کل کو مجھے نماز پڑھنے کا موقع ملے یا نہ ملے، تاکہ جو کچھ حسرت اور جذبہ نکالنا ہے وہ اسی میں نکال لو۔ کیا پتہ کہ اگلی نماز کا وقت آئے گا یا نہیں؟[1]

بہرحال! یہ ساری باتیں جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائیں۔ ایمان اور اعتقاد کے درجے میں ہر مسلمان کو معلوم ہیں کہ کل کا پتہ نہیں آج یقینی ہے۔ لیکن وہ علم کس کام کا جس پر انسان کا عمل نہ ہوا، علم تو وہ ہے جو انسان کو عمل پر آمادہ کرے۔ تو ان بزرگوں کی باتوں میں یہ برکت ہوتی ہے کہ اگر ان کو طلب کے ساتھ پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے عمل کی توفیق بھی عطا فرمادیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ نکلا کہ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کو غنیمت سمجھو اور اس کو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت میں صرف کرنے کی کوشش کرو۔ غفلت، بے پروائی

---

(۱) سنن ابن ماجه ٥/٥٩٤ (٤١٧١) وأورده البوصيري في "مصباح الزجاجة" ٤/٢٢٧ وقال: هذا إسناد ضعيف، عثمان بن جبير قال الذهبي في الطبقات: مجهول، وذكره ابن حبان في الثقات... الخ. والحديث ذكره السيوطي في "الجامع الصغير" ١/١٧٧ (٨٠٢) وعزاه لابن ماجه وأحمد ورمزله بالصحة، وأقره المناوي في "فيض القدير" ١/٤١٩. ومسند احمد ٣٨/٤٨٤ (٢٣٤٩٨)

اور وقت کی فضول خرچی سے بچو۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ۔

یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں
جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصتِ عمر ہے کم
جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارا اور آپ کا یہ حال بنادے کہ اپنے اوقاتِ زندگی کو اللہ کے ذکر اور اس کی یاد اور آخرت کے کام اور طاعات کے کام میں صرف کریں اور فضولیات سے بچیں اور اللہ تعالیٰ ان باتوں پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نظامُ الاوقات کی اہمیت

(اصلاحی خطبات ۱۶/ ۶۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظامُ الاوقات کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

فقد قال النبی ﷺ: «نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ» (۱)

(۱) صحیح البخاری ۸/۸۸ (۶۴۱۲) والزھد لابن المبارک ۱/۱ (۱).

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! اس حدیث کا بیان گزشتہ دو دنوں سے چل رہا ہے، جس میں حضورِ اقدس ﷺ نے صحت اور وقت کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔ وقت کو صحیح مصرف میں لانے اور ضائع ہونے سے بچانے کا بہترین ''گر'' یہ ہے کہ صبح بیدار ہونے سے لے کر شام تک اور رات کو سونے تک کے تمام اوقات کا ایک ٹیبل بنالو اور پھر اسی ٹائم ٹیبل کے مطابق زندگی کے ایام گزارنے کی کوشش کرو۔

اپنا نظام الاوقات بنالو

صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا جائزہ لے کر اپنی ضروریات اور اپنے مشاغل کا حساب کریں کہ کس کام کے لیے کتنے وقت کی ضرورت ہے، اس ضرورت کے اعتبار سے اپنا نظم الاوقات مقرر کرلو، اس نظم میں اپنے نفس کے حقوق کا بھی لحاظ رکھو، اپنے گھر والوں کے حقوق کا بھی لحاظ رکھو، اپنے اوپر جو ذمے داریاں ہیں ان کا بھی لحاظ رکھو اور دنیا و آخرت کے سارے کاموں کا لحاظ رکھتے ہوئے نظام الاوقات بناؤ، مثلاً سونے کے لیے ۶ سے ۸ گھنٹے کا وقت مقرر کرلو، کھانے کے لیے کتنا وقت درکار ہوگا، وہ مقرر کرلو، گھر والوں کے ساتھ کتنا وقت گزارنا ہے اس کو مقرر کرلو، عبادات میں کتنا وقت صرف ہونا چاہیے، اپنے معاشی مشاغل میں کتنا وقت صرف ہونا چاہیے، اپنے علمی مشاغل میں کتنا وقت صرف ہونا چاہیے، غرض یہ کہ ان سب باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے نظام الاوقات بناؤ۔

شیطان کی کوشش

جب ایک مرتبہ نظام الاوقات بنالیا تو اب اس کی پابندی کرو، نظام الاوقات میں ساری باتوں کی رعایت کرلو، اس بات کا پورا عزم رکھو کہ نظام الاوقات میں جس کام کے لیے جو وقت مقرر کیا ہے یہ وقت اسی کام میں صرف ہوگا، چاہے دل پر آرے چل جائیں، چاہے اس کام میں دل نہ لگ رہا ہو، چاہے اس کام سے دل گھبرا رہا ہو۔ یاد رکھیے کہ جب آپ نظام الاوقات بنا کر اس کے اندر کام کریں گے تو شیطان ضرور دخل دے گا اور اس میں ڈنڈی مارنے کی کوشش کرے گا اور تمہارا دل اس کام سے ضرور گھبرائے گا اور دل اس کام میں نہیں لگے گا، بس یہی امتحان کا وقت ہے، اگر اس دل گھبرانے کے نتیجے میں تم نے کام چھوڑ دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان تم پر غالب آگیا اور تم نے شیطان کی بات مان لی۔

شیطان کمزور ہے

اور اگر تم نے یہ ٹھان لی کہ نہیں، میرا دل لگے یا نہ لگے، دل گھبرائے یا نہ گھبرائے، میں یہ کام ضرور کروں گا، اس لیے کہ میں دل لگنے کا پابند نہیں، میں تو یہ وقت اسی کام میں صرف کروں گا، جب یہ تہیہ کرلوگے تو شیطان بہکانا چھوڑ دے گا۔ شیطان بہت کمزور ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفًا [1]

---

(۱) سورۃ النساء آیت (۷۶)۔

یعنی شیطان کا مکر بہت کمزور ہے۔

اس لیے یہ شیطان اس پر حاوی ہوتا ہے جو اس کے آگے دب جائے، یہ شیطان کمینہ دشمن ہے اور کمینہ دشمن کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس کے سامنے بھیگی بلی بن جائے تو وہ دشمن شیر ہوجاتا ہے اور اس پر حملہ آور ہوجاتا ہے اور جو شخص اس دشمن کے سامنے ڈٹ جائے تو یہ دب جاتا ہے۔

شیطان ڈھیر ہوجائے گا

لہٰذا اگر شیطان کے سامنے تم نے ہتھیار ڈال دیے اور یہ کہا کہ ابھی تو کام کرنے سے دل گھبرا رہا ہے، ابھی تو نیند آرہی ہے، حالانکہ نیند کا چھ گھنٹے کا وقت پورا ہوچکا ہے یا سستی ہورہی ہے اور آپ کام چھوڑ کر نیند اور سستی کے چکر میں لیٹ گئے، گویا کہ شیطان نے تم کو دبالیا اور تم دب گئے اور اگر تم نے کہا کہ نہیں نیند آئے یا سستی ہو یا کچھ بھی ہو یہ وقت تو میرا فلاں کام کرنے کا ہے میں وہی کام کروں گا تو بس شیطان وہیں ڈھیر ہوجائے گا۔ بہرحال! دل لگے یا نہ لگے، کام چلے یا نہ چلے، اس لیے کہ بعض اوقات یہ بھی ہوگا کہ جس کام کے لیے وقت مقرر کیا تھا، بظاہر وہ کام پورا نہیں ہورہا ہے، تو یہ تہیہ کرلے کہ چاہے پورا ہو یا نہ ہو، لیکن میں اسی کام کے لیے بیٹھوں گا، بہرحال! اپنے نفس پر زبردستی کیے بغیر کام نہیں ہوتا۔

ہر کام میں ایک مرحلہ

میں آپ کو تجربے کی بات بتاتا ہوں، وہ یہ کہ جو کام پابندی سے کرنے کا ہوتا ہے، اس میں ایک ایسا مرحلہ ضرور آتا ہے کہ جس میں آدمی اس کام سے گھبرا

جاتا ہے، بس وہی مرحلہ امتحان کا وقت ہے، اگر تم گھبرا کر وہ کام چھوڑ بیٹھے تو سمجھ لو کہ شیطان تم پر حاوی ہوگیا اور اگر تم نے اس مرحلہ پر یہ ٹھان لی کہ نہیں، میں یہ کام کر کے رہوں گا، چاہے کچھ بھی ہوجائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم شیطان پر غالب آ گئے اور تم فتح یاب ہوگئے، پھر ان شاء اللہ آئندہ کے لیے آسانی ہوجائے گی۔

کب تک دل کی گھبراہٹ کے غلام رہو گے

یہ گُر کی بات یاد رکھنا کہ جو ''نظام الاوقات'' مقرر کیا ہے اس پر زبردستی اپنے آپ سے عمل کرانا ہے۔ مثلاً ایک وقت آپ نے تلاوتِ قرآنِ کریم کے لیے مقرر کرلیا تو جب وہ وقت آئے تو فوراً جلدی سے قرآنِ شریف لے کر بیٹھ جاؤ، اگر اس وقت نیند آ رہی ہو، سستی ہو رہی ہو تو اپنے آپ سے کہہ دو کہ چاہے نیند آئے یا سستی ہو میں تو اس وقت تلاوت کروں گا اور یہ وقت اسی کام میں صرف کروں گا، جب چند روز اس طرح کرو گے تو طبیعت اس کی عادی ہوجائے گی۔ اسی طرح نماز ہو، روزہ ہو، تلاوت ہو، ذکر ہو، تسبیح ہو، وظیفے ہوں یا دنیا بھر کے اور کام ہوں، وہ سب اسی اصول کے تحت آتے ہیں، کہیں اس سے تخلّف نظر نہ آئے گا، لہٰذا اپنے دل کی گھبراہٹ کے غلام مت بنو، میرے پاس لوگوں کے خطوط آتے ہیں کہ فلاں عمل کرتے وقت گھبراہٹ ہوتی ہے، ارے بھائی! اس گھبراہٹ کے کب تک غلام بنے رہو گے، جو کام کرنا ہے وہ دل کے گھبرانے کے باوجود کر گزرو۔

○ صرف دو باتوں پر عمل کرلو

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ

"وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ کسی طاعت کی انجام دہی میں اگر سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کرکے اس طاعت کو کرے اور جب کسی گناہ سے بچنے میں سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کرکے اس گناہ سے بچے، سارے تصوف کا حاصل یہی ہے۔"

اپنے آپ سے مقابلہ کرنا ہوگا، لڑائی لڑنی ہوگی، لہٰذا اپنے نفس سے لڑے، شیطان سے لڑے اور اپنے اوپر زبردستی کرے، اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، یہ محنت تو کرنی پڑے گی، اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں:

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (۱)

کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو چھوڑ دیں گے صرف ان کے ایمان لانے پر اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا۔

یہ سب آزمائشیں ہیں، بہرحال! نظام الاوقات بناؤ اور پھر اس کی پابندی کرو، چاہے کچھ بھی ہوجائے۔

---

(۱) سورۃ العنکبوت آیت (۲).

سستی کے غلام کب تک رہوگے

ہم لوگوں میں سے اکثر کا تو حال یہ ہے کہ ''نظام الاوقات'' ہی بنا ہوا نہیں ہے، الا ماشاء اللہ، بس جو کام سامنے آیا، وہ کرلیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، جس کام میں زیادہ وقت لگانا چاہیے تھا، اس میں کم وقت لگادیا اور جس کام میں کم وقت لگنا تھا، اس میں زیادہ وقت لگادیا، لہٰذا اولاً تو نظام الاوقات ہی بنا ہوا نہیں اور اگر کسی بندے نے نظام الاوقات بنالیا ہے تو اب اس کی پابندی نہیں ہے اور پابندی نہ ہونے پر عذر یہ ہے کہ دل نہیں لگتا، گھبراہٹ ہوتی ہے، سستی آجاتی ہے۔ ارے بھائی! کب تک سستی کے غلام بنے رہوگے؟ جب موت آکر دروازے پر دستک دے گی، اس وقت پتہ چلے گا کہ کس کے غلام بنے ہوئے تھے، اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ

اِغْتَنِمْ حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ [1]

مرنے سے پہلے زندگی کو غنیمت جان لو۔

فجر کے بعد دعا کرلو

ایک اور بات تجربے کی بتاتا ہوں، وہ یہ کہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یا اللہ! یہ دن طلوع ہورہا ہے اور اب میں کارزارِ زندگی میں داخل ہونے والا ہوں، اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے اس دن کے لمحات کو

---

(۱) الزهد لابن المبارك ۲/۱ (۲) والسنن الكبرى للنسائي ۴۰۰/۱۰ (۱۱۸۳۲) طبع مؤسسة الرسالة. والمستدرك للحاكم ۳۴۱/۴ (۷۸۴۶) وقال: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه. ووافقه الذهبي في "التلخيص".

صحیح مصرف پر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما، کہ کہیں وقت ضائع نہ ہوجائے، کسی نہ کسی خیر کے کام میں صرف ہوجائے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا جائزہ لیں، روایات میں آتا ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَقَالَنَا يَوْمَنَا هٰذَا وَلَمْ يُهْلِكْنَا بِذُنُوبِنَا[1]

اس اللہ کا شکر ہے جس نے یہ دن ہمیں دوبارہ عطا فرمادیا
اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک نہیں کیا۔

ہر روز سورج نکلتے وقت یہ کلمات حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پڑھا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تو اس کے مستحق تھے کہ یہ دن ہمیں نہ ملتا اور اس دن سے پہلے ہی ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کردیے جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں ہلاک نہیں کیا اور یہ دن دوبارہ عطا فرمایا۔ لہٰذا پہلے یہ احساس دل میں لائیں کہ یہ دن جو ہمیں ملا ہے، یہ ایک نعمت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں عطا فرمادی ہے۔ اس دعا کے ذریعے یہ دی جارہی ہے کہ ہر دن کی قدر اس طرح کرو جیسے ہم رات کے وقت ہلاک ہونے والے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے زندگی دے دی، اب یہ جو نئی زندگی ملی ہے وہ کسی صحیح مصرف میں استعمال ہوجائے۔

ان دعاؤں کا معمول بنالیں

حدیث شریف میں وہ دعائیں منقول ہیں جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح

(۱) صحيح مسلم ١/٥٦٤ (٨٢٢).

کو فجر کے بعد پڑھا کرتے تھے، ہم سب بھی نمازِ فجر کے بعد اس کے پڑھنے کا معمول بنالیں، وہ دعائیں یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذَا الْيَوْمِ(۱)

اے اللہ! میں آپ سے آج کے دن کی خیر طلب کرتا ہوں اور اس کے بعد کی خیر طلب کرتا ہوں اور اس دن کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اور یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَفَتْحَهٗ وَنَصْرَهٗ وَنُوْرَهٗ وَبَرَكَتَهٗ وَهُدٰهُ(۲)

اے اللہ! میں آپ سے آج کے دن کی خیر طلب کرتا ہوں اور اس دن کی کامیابی، نصرت، نور، برکت، اور ہدایت طلب کرتا ہوں۔

---

(۱) عمل اليوم والليلة لابن السنى ص ۳۹ (۳۷). والمعجم الكبير للطبرانى ۲۴/۲ (۱۱۷۰) وقال الهيثمى فى "مجمع الزوائد" ۱۵۳/۱۰ (۱۶۹۹۶) رواه الطبراني من طريق غسان بن الربيع عن أبي إسرائيل الملائي وكلاهما الغالب عليه الضعف وقد وثقا، وبقية رجاله رجال الصحيح.

(۲) سنن ابى داود ۳۲۲/٤ (۵۰۸٤) والحديث سكت عنه أبو داود، وقال المنذري في "مختصره" ٤۵۷/٤ (٤۹۱۹): في إسناد هذا الحديث محمد بن إسماعيل بن عياش وأبوه، وكلاهما فيه مقال. والحديث ذكره الحافظ العراقى فى "تخريج احاديث الاحياء" ۳۰۲/۱ معزوا الى ابى داود وقال وسنده جيد. انظر مسند الشاميين للطبرانى ٤٤۷/۲ (۱٦۷۵).

اور یہ پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ ھٰذَا النَّھَارِ صَلَاحًا، وَاَوْسَطَهٗ فَلَاحًا، وَآخِرَهٗ نَجَاحًا[1]

اے اللہ! آج کے دن کے ابتدائی حصہ کو میرے لیے صلاح بنا دیجیے اور اس کے درمیانی حصے کو فلاح اور آخری حصہ کو کامیابی بنا دیجیے۔

یہ حضورِ اقدس ﷺ کی پیاری دعائیں ہیں، ان کو یاد کرلیں اور روزانہ صبح کے وقت ان کو پڑھا کریں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں کہ اے اللہ! اس دن کے ایک ایک لمحے کو اپنی رضا کے مطابق صرف کرنے کی توفیق عطا فرما۔ بہرحال! پہلے نظام الاوقات بناؤ اور پھر اس بات کا عزم کرو کہ میں اس کی پابندی کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور توفیق مانگو، اس کے بعد کارزارِ زندگی میں داخل ہوجاؤ۔

رات کو سوتے وقت دن کا جائزہ

پھر رات کو سوتے وقت اپنے دن بھر کا جائزہ لےلو کہ آج صبح میں نے جو ارادہ کیا تھا، اس پر کس حد تک قائم رہا اور کہاں کہاں بھٹک گیا، جہاں بھٹک گئے تھے اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرکے دوبارہ اپنے عزم کو تازہ

---

(۱) الزهد لابن المبارك ۳۸٤/۱ (۱۰۸۵) ومصنف ابن ابی شیبة ۱٤٤/۱۵ (۲۹۸۸۸)۔ وعمل اليوم والليه لابن السنی ٤۰ (۳۸)۔وقال الحافظ ابن حجر في "نتائج الأفكار" (٤۰۳/۲): هذا حديث غريب، وسنده ضعيف. (طبع دار ابن كثير)

کرلو اور جس حد تک قائم رہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ ساری عمر یہی کام کرتے رہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بیڑہ پار کرادیں گے۔

شام کا انتظار مت کرو

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اِذَا اَصْبَحْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ الْمَسَاء، وَاِذَا اَمْسَيْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ (۱)

یعنی جب صبح ہوجائے تو شام کا انتظار مت کرو اور جب شام ہوجائے تو صبح کا انتظار مت کرو، اس لیے کہ کچھ پتہ نہیں کب موت آجائے اور اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرو، یعنی یہ سمجھو کہ میں قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔

اگر یہ آپ کی زندگی کا آخری دن ہو تو

لوگوں کو بھی عجیب طرح کے شوق ہوتے ہیں، ایک صاحب کو یہ شوق ہوا کہ اپنے زمانے کے جتنے بزرگ ہیں، ان کے پاس جاؤں اور ان سے یہ سوال کروں کہ اگر آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ کل آپ کا انتقال ہونے والا ہے اور زندگی کا صرف ایک دن باقی ہے تو اس ایک دن میں آپ کیا کریں گے؟ اس شخص کا مقصد یہ تھا کہ میں جب مختلف اللہ والوں کے پاس جاکر یہ سوال کروں گا تو ظاہر ہے کہ وہ لوگ جواب میں وہی عمل بتائیں گے جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ قابل اجر وثواب ہوگا اور باعث نجات ہوگا۔

---

(۱) صحیح البخاری ۸۹/۸ (٦٤١٦) وشعب الایمان للبیہقی ۴۷۳/۱۲ (۹۷۶۳).

بہرحال! مختلف لوگوں کے پاس یہ سوال لے کر گئے، اسی دوران ایک مشہور محدث حضرت عبدالرحمن بن ابی نعم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی گئے اور ان سے بھی یہ سوال کیا کہ اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ کل آپ کا انتقال ہونے والا ہے تو اس دن میں آپ کیا عمل کریں گے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں وہی عمل کروں گا جو روزانہ کرتا ہوں، اس میں کوئی اضافہ نہیں کرسکتا(۱)، اس لیے کہ میں نے اپنا نظام الاوقات ہی ایسا بنایا ہوا ہے کہ گویا میرا ہر دن آخری دن ہے، صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کو میں نے اس طرح ڈھال لیا ہے کہ گویا کہ جو کام مجھے زندگی کے آخری دن میں کرنے چاہئیں، وہ میں آج کر رہا ہوں۔

ہم ٹائم ٹیبل پر کیسے عمل کرسکتے ہیں؟

ایک صاحب نے یہ اشکال پیش کیا کہ ''نظام الاوقات'' بنا کر اس پر عمل کرنا آپ جیسے حضرات کے لیے تو ممکن ہے، جن کی بات سب مانتے ہوں اور جو وقت آپ نے مقرر کرلیا ہے تو اب لوگ اس کی رعایت کرتے ہیں اور کوئی شخص آ کر آپ کو آپ کے معمول کے خلاف کسی اور کام میں لگانا چاہے تو نہیں لگا سکتا۔ اس لیے آپ کے لیے تو نظامُ الاوقات بنانا ٹھیک ہے، لیکن ہم جیسے عام آدمی کا یہ حال ہے کہ اگر اس نے ایک نظام الاوقات بنایا، کل کو کسی بڑے کا کوئی حکم آ گیا کہ اس وقت میں تم فلاں کام کرو، ایسا شخص کیا کرے؟ پھر آپ کے پاس تو نوکر چاکر ہیں، خدمت کرنے والے بھی ہیں، دوسروں کے پاس تو نوکر چاکر نہیں ہیں، اب اگر گھر میں اچانک کوئی بیماری کھڑی ہوگئی، اس کی وجہ سے دوا لانے کے لیے جانا پڑا یا کوئی بچہ بیمار ہوگیا تو ایسا شخص اپنے نظام الاوقات کی پابندی کیسے کرسکتا ہے؟

(۱) اسی طرح کا واقعہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حماد بن مُسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء ۴۴۷/۷، طبع مؤسسة الرسالة.

ٹائم ٹیبل کی خلاف ورزی کی کب گنجائش ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ یہ جو میں نے کہا کہ آدمی نظام الاوقات بنا کر اس کی پابندی کرے، چاہے کچھ بھی ہوجائے، اس کا مطلب یہ تھا کہ سستی کی وجہ سے یا کاہلی کی وجہ سے یا دل گھبرانے کی وجہ سے اپنے معمول کو ترک نہ کرے۔ یہ جو میں نے کہا تھا کہ ''کچھ بھی ہوجائے، نظام الاوقات پر عمل کرے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ چاہے دل پر آرے چل جائیں، مشقت معلوم ہو یا محنت معلوم ہو یا دل گھبرانے لگے تو اس گھبراہٹ، سستی اور مشقت کی وجہ سے اپنے نظام الاوقات کو نہ چھوڑے، لیکن اگر کوئی ایسی بات پیش آگئی جو عذرِ شرعی ہے یا جو وقت کا تقاضا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے تو اس کی بنا پر نظامُ الاوقات کے خلاف کرنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی، اس لیے کہ نظامُ الاوقات کا اصل مقصد یہ ہے کہ زندگی کے اوقات صحیح مصرف پر خرچ ہوں اور یہ اوقاتِ زندگی ایسے کام میں صرف ہوں جس میں یا تو دنیا کا فائدہ ہو یا دین کا فائدہ، فضول وقت ضائع نہ ہو۔

اس وقت تلاوت چھوڑ دو

مثلاً فرض کریں کہ آپ نے نظام الاوقات یہ بنایا تھا کہ فلاں وقت میں قرآنِ کریم کی تلاوت کروں گا، لیکن گھر میں کوئی بیماری کھڑی ہوگئی اور اس بیماری کی وجہ سے آپ کو فوراً ڈاکٹر کے پاس جانا پڑا اور تلاوتِ قرآنِ کریم کا معمول چھوٹ گیا، لیکن اس کے بدلے میں ایک اور ثواب کا کام آگیا وہ ہے اپنے گھر والوں کی تیمار داری اور ان کا علاج، یہ بھی اپنے فرائض میں داخل ہے،

بلکہ ایک لحاظ سے تلاوت سے بھی افضل ہے، کیوں کہ تلاوت نفل ہے اور اپنے گھر والوں کا خیال رکھنا فرض ہے اور فرض میں مشغول ہونا نفل میں مشغول ہونے سے افضل ہے، اس وجہ سے وہ معمول چھوٹنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آئی، بلکہ اس جگہ پر اس سے بہتر عمل آ گیا اور اس پر اجر وثواب بھی ملا، لہٰذا اوقاتِ زندگی ضائع نہ ہوئے، بلکہ وہ کام میں لگ گئے۔

''سستی'' عذر نہیں

البتہ اگر یہ ہو کہ تلاوت کا ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا، اب اس وقت نیند آرہی ہے اور تلاوت میں دل نہیں لگ رہا ہے اور اس کی وجہ سے تلاوت چھوڑ دی تو یہ ہے وہ صورت جس کے بارے میں میں نے عرض کیا کہ اپنے اوپر زبردستی کرکے، کاہلی اور سستی کو دبا کر اس وقت کو اسی معمول میں صرف کرو۔ البتہ اگر کسی بڑے کا حکم آجائے تو چوں کہ بڑے کا حکم تو ماننا ہے، اب اگر اس کی وجہ سے معمول چھوٹ جائے تو اور بات ہے، البتہ اس صورت میں بھی بڑے سے گزارش کی جاسکتی ہے کہ یہ میرے فلاں کام کا وقت ہے، اگر آپ کی طرف سے اجازت ہو اور وقت میں گنجائش ہو تو پہلے میں معمول پورا کرلوں بعد میں یہ کام کرلوں، اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو معمول کو چھوڑ کر پہلے وہ کام کرلو، یہ بھی ثواب کا کام ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور معمول کی پابندی

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے، وہ ایک مرتبہ حضرت کے گھر تھانہ بھون تشریف لائے، حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے استاذ کے آنے پر اتنی خوشی ہوئی اور ان کا اتنا اکرام کیا کہ ایک وقت میں دسترخوان پر ۵۲ قسم کے کھانے تیار کرائے، جب کھانا کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے استاذ سے فرمایا کہ حضرت! میں نے یہ وقت ''بیان القرآن'' کی تالیف کے لیے مقرر کر رکھا ہے، اگر آپ کی طرف سے اجازت ہو تو کچھ دیر جا کر اپنا معمول پورا کرلوں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں بھائی ضرور جاؤ۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تالیف کے کام کے لیے بیٹھ گیا، لیکن کام میں دل نہیں لگا اس لیے کہ استاذ تشریف لائے ہوئے ہیں، ان کے پاس بیٹھنے کو دل چاہ رہا ہے، اس لیے دو تین سطریں لکھیں تاکہ ناغہ کرنے کی بے برکتی نہ ہو اور پھر استاذ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ارے بھائی! تم تو بہت جلدی آگئے؟ میں نے کہا کہ حضرت! کام میں دل ہی نہیں لگا، میں نے سوچا کہ ناغہ نہ ہو، معمول پورا ہوجائے اس لیے دو تین سطریں لکھ کر معمول پورا کرلیا اور حاضر ہوگیا۔ وہ بڑے بھی ایسے ہی تھے، ایسے نہیں تھے کہ اس بات پر ناراض ہوجاتے اور کہتے کہ لو ہم تو تمہارے پاس آئے اور تم تصنیف کرنے جارہے ہو؟ یہ کیا بدتمیزی ہے؟ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی کے استاذ تھے، اس لیے اجازت دے دی۔

اس وقت معمول ٹوٹنے کی پرواہ نہ کرو

اصل بات یہ ہے کہ سستی اور گھبراہٹ اور کاہلی کی وجہ سے معمول میں ناغہ نہ ہونے دو، ہاں اگر کسی اور کام کا حقیقی تقاضا پیدا ہوجائے اور اس کی وجہ سے معمول ٹوٹے تو ٹوٹ جائے اس کی پرواہ نہ کرو، اس لیے کہ ہوسکتا ہے اس دوسرے کام پر اللہ تعالیٰ زیادہ اجر وثواب عطا فرمادے۔

میری ایک الجھن

ہمارے حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ نے ایک مرتبہ میری ایک بڑی الجھن چند لمحوں میں دور فرمادی۔ میں ''صحیح مسلم شریف'' کی شرح ''تکملہ فتح الملھم'' جس زمانے میں لکھ رہا تھا، اس وقت میں نے روزانہ دو گھنٹے اس کام کے لیے مقرر کیے ہوئے تھے اور کتب خانے میں اوپر جاکر لکھا کرتا تھا۔ بعض اوقات میرے ساتھ یہ ہوتا کہ میں کتب خانے میں جاکر اپنی جگہ پر بیٹھا اور کتابوں کا مطالعہ کیا اور لکھنے کے لیے ذہن بنایا اور ہاتھ میں قلم اٹھایا اور ابھی دو سطریں لکھی تھیں کہ ایک صاحب پہنچ گئے، ''السلام علیکم'' کہا اور مصافحہ کیا اور کوئی مسئلہ پیش کردیا کہ یہ میرا مسئلہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مطالعے کے بعد لکھنے کے لیے ذہن کو جو تیار کیا تھا وہ سب ختم ہوگیا۔ بہرحال! ان صاحب کا مسئلہ حل کیا اور ان کو رخصت کیا پھر دوبارہ مطالعہ کرکے دوبارہ لکھنے کے لیے ذہن بنایا اتنے میں دوسرے صاحب آگئے اور ''السلام علیکم'' کہہ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھادیا اور اپنا مسئلہ پیش کردیا۔ ایسا اکثر ہوتا رہتا تھا اس کے نتیجے میں ذہن میں بڑی الجھن اور پریشانی رہتی تھی۔

یہ تصنیف کس کے لیے لکھ رہے ہو؟

ایک دن میں نے حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ حضرت میرے ساتھ یہ قصہ رہتا ہے اور اس کی وجہ سے بڑی تکلیف اور کوفت ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے وقت ضائع ہوجاتا ہے اور تصنیف کا کام نہیں ہوتا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ارے بھائی! تم یہ جو تصنیف لکھ رہے ہو، یہ کس کے لیے لکھ رہے ہو؟ کیا اپنے

مزے کے لیے اور لذت حاصل کرنے کے لیے لکھ رہے ہو؟ یا اللہ کو راضی کرنے کے لیے لکھ رہے ہو؟ اگر مزے، لذت اور اپنی شہرت حاصل کرنے کے لیے یہ تصنیف لکھ رہے ہو تو پھر تو ملاقات کے لیے آنے والوں کی وجہ سے تمہیں بے شک تکلیف ہونی چاہیے، لیکن اس صورت میں اس تصنیف پر تمہیں اجر و ثواب کچھ نہیں ملے گا اور اگر اللہ کو راضی کرنے کے لیے لکھ رہے ہو تو پھر اس وقت کا تقاضا یہ ہے کہ جو مہمان تمہارے پاس آیا ہے، معقول حد تک اس کا اکرام کرنا ہے یہ اکرام کرنا بھی اللہ جل شانہ کی عبادت ہے، جس طرح تصنیف کرنا عبادت ہے، یہ بھی ثواب کا کام ہے، وہ بھی ثواب کا کام ہے، جب اللہ تعالیٰ نے ہی اس مہمان کو تمہارے پاس بھیج دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو تمہارا تصنیف کا کام کرنا مطلوب نہیں، بلکہ اس وقت مطلوب یہ ہے کہ یہ آدمی ہم تمہارے پاس بھیج رہے ہیں اس کا مسئلہ حل کرو، لہٰذا چونکہ اس مہمان کا آنا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لیے اس پر راضی ہوجاؤ، اگرچہ تم نے اپنی طرف سے یہ تجویز کیا تھا کہ اس وقت جا کر تصنیف کروں گا، لیکن تم کیا اور تمہاری تجویز کیا، اللہ تعالیٰ نے اس وقت دوسرا کام تمہارے ذمہ لگادیا، لہٰذا اس سے دل گیر اور پریشان مت ہو، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک حصہ ہے۔ اس جواب کے ذریعے حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے دماغ کا دروازہ ہی کھول دیا، اس کے بعد اگرچہ اب بھی کسی کے بے وقت آنے سے طبعی تکلیف تو ہوتی ہے، لیکن عقلی طور پر الحمدللہ اب اطمینان رہتا ہے کہ اس کے آنے سے کوئی نقصان نہیں ہے۔

دین نام ہے وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا

اس کے بعد حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عظیم بات ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ

دیکھو! ''دین'' نام ہے وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا کہ اس وقت دین کا مجھ سے کیا مطالبہ ہے؟ اس مطالبے کو پورا کرنے کا نام ''دین'' اور ''اتباع'' ہے، اپنا شوق پورا کرنے اور اپنی تجویز پر عمل کرنے کا نام دین نہیں، مثلاً یہ کہ میں نے اپنا ایک معمول بنالیا ہے اب چاہے دنیا اِدھر سے اُدھر ہوجائے اور وقت کا مطالبہ کچھ بھی ہو، لیکن میں اپنے معمول کو پورا کروں گا یہ کوئی معقول بات نہیں۔

ایک نواب صاحب کا لطیفہ

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ ایک نواب صاحب تھے، انہوں نے ہر کام کا ایک ضابطہ مقرر کر رکھا تھا اور ان کا نظامُ الاوقات بھی ایک ضابطہ تھا کہ فلاں وقت سے لے کر فلاں وقت تک ہم سوئیں گے، فلاں وقت سے فلاں وقت تک ہم ناشتہ کریں گے، فلاں وقت سے فلاں وقت تک ہم چہل قدمی کریں گے۔ اب انہوں نے ضابطہ مقرر کردیا کہ رات کو گیارہ بجے سوئیں گے صبح چھ بجے تک سوئیں گے، اب اگر نہیں بھی سو رہے ہوتے تو ان کا کہنا تھا کہ میں ''ضابطے'' میں سو رہا ہوں، اگر صبح چھ بجے سے پہلے آنکھ کھل گئی تو لیٹے ہوئے ہیں اور ضابطے میں سو رہے ہیں۔ ایک دن صبح پانچ بجے آنکھ کھل گئی تو انہوں نے دیکھا کہ ایک بندر کمرے میں آیا اور ان کی ٹوپی لے کر بھاگ گیا، دوبارہ بندر آیا اور ان کی لاٹھی اٹھا کر لے گیا، پھر آ کر دوسرا کوئی سامان لے گیا، جب چھ بجے تو فوراً اٹھے اور شور مچانا شروع کردیا کہ سب مرگئے ہیں، دیکھو بندر ہمارا سامان لے جارہا ہے، ملازموں پر برسنا شروع کردیا کہ سب بے پرواہ ہیں۔ اب ملازمین دوڑے ہوئے آئے اور پوچھا کہ حضور بندر آپ کا سامان لے گیا؟ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ بندر لے گیا، کیا آپ نے

اس کو دیکھا؟ ہاں، میں نے خود اپنی آنکھوں سے لے جاتے ہوئے دیکھا، ملازمین نے کہا کہ حضور آپ نے اس کو کیوں نہیں روکا؟ نواب صاحب نے جواب دیا، ارے بے وقوف! اس وقت ضابطے میں ہم سو رہے تھے، لہٰذا جب ہم سو رہے تھے تو ہم اس کو کیسے روکتے۔ بہرحال! ایسا ضابطہ کہ آدمی وقت کے تقاضے کو چھوڑ کر ضابطے ہی کے چکر میں پڑا رہے، یہ دین کا تقاضا نہیں، اگر تم نے ایک وقت کو کسی خاص کام کے لیے مقرر کیا ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت کا تقاضا کوئی اور آ گیا تو اب اس تقاضے کو پورا کرنا ضروری ہے۔

کام کی اہمیت یا وقت کا تقاضا

یہ بڑی اہم بات ہے اور سمجھنے کی بات ہے، اس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے دین کی تعبیر میں، دین کی تشریح میں اور دین پر عمل کرنے میں بہت گھپلا واقع ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب دل پر کسی خاص کام کی اہمیت سوار ہوجاتی ہے کہ یہ کام کرنا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر وقت کا تقاضا کسی اور کام کے کرنے کا ہوتا ہے تو اب اس شخص کو اس وقت کے تقاضے کی پرواہ نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک مولانا صاحب ہیں، ان کو سبق پڑھانا ہے اور اس کے لیے مطالعہ کرنا ہے وغیرہ، ان کاموں کی اہمیت تو ان کے دل میں ہے، لیکن میرے گھر والوں کے بھی کچھ حقوق میرے ذمے ہیں اور مجھے کچھ وقت ان کو بھی دینا چاہیے، اس کی طرف مولانا صاحب کو دھیان نہیں، حالانکہ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت کو آپ گھر والوں کے لیے استعمال کریں۔

بیوی کی تیمارداری یا چلّے میں جانا

یا مثلاً ہمارے تبلیغی بھائی ہیں، ان میں بسا اوقات یہ غلو پیدا ہوجاتا ہے کہ بیوی گھر میں بیمار پڑی تھی، ہم اس کو بیمار چھوڑ کر چلّے میں چلے گئے، اس لیے کہ اللہ کے راستے میں نکل گئے۔ ارے بھائی! اس وقت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی خبر گیری کرتے، اس کی بیماری پرسی کرتے، ایسے وقت میں تبلیغ کے لیے جانے میں کوئی ثواب نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کے پاس ایک نوجوان آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں اس لیے آیا ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ جہاد میں جانے کا شوق ہے اور اس غرض کے لیے میں اپنے والدین کو روتا چھوڑ کر آیا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ واپس جاؤ اور جا کر ان کو ہنساؤ، اس لیے کہ ان کو رلا کر جہاد میں شریک ہونے کی کوئی فضیلت نہیں۔ (۱)

نماز حرم شریف میں یا مسجد شہداء میں

بہرحال! یہ جو وقت کے تقاضے ہیں، ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہے۔ جو حضرات عمرہ یا حج پر مکہ مکرمہ جاتے ہیں تو وہاں بھی تبلیغی بھائی ان کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں حرم شریف میں نماز پڑھنے پر تو ایک لاکھ کا ثواب ملے گا اور مسجد شہداء جو تبلیغی مرکز ہے، وہاں نماز پڑھنے پر انچاس کروڑ کا ثواب ملے گا۔ یہ بدفہمی کی بات ہے، اس لیے کہ ایک شخص یہاں سے حج کرنے کے لیے یا عمرہ کرنے کے لیے گیا تو اس نے اپنی زندگی کی مصروفیت میں سے یہ وقت حرم میں نماز پڑھنے اور طواف کرنے

---

(۱) سنن ابی داود ۱۷/۳ (۲۵۲۸) و (۲۵۳۰)۔ ومسند احمد ٤٤/٦ (٦٤٩٠) والمستدرك للحاكم ١٦٨/٤ (٧٢٥٠) وقال هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ووافقه الذهبي في "التلخيص".

کے لیے نکالا ہے تو اب اس کو اس وقت یہ کام کرنے دو، اب اس کو حرم سے نکال کر مسجد شہداء لے جانا معقول بات نہیں، کیوں کہ یہ عمل وقت کے تقاضے کے خلاف ہے، اس لیے کہ اس کے پاس تبلیغ کے لیے ساری عمر پڑی ہے اور یہ کام اپنے ملک اور اپنے شہر میں آ کر بھی کرسکتا ہے، لیکن حرم میں نماز پڑھنے اور طواف کرنے کی فضیلت تو اپنے شہر میں حاصل نہیں ہوسکتی۔

شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

اب رمضان میں اعتکاف کا زمانہ آرہا ہے، اب سننے میں یہ آیا ہے کہ بعض تبلیغی بھائی اعتکاف کرنے والوں سے یہ کہتے ہیں کہ اعتکاف کرنے میں اتنا ثواب نہیں، باہر جا کر تبلیغ کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔ حالانکہ اعتکاف پورے سال کے دوران صرف دس دن ہوتا ہے، اب وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس وقت اس پر عمل کیا جائے، اب اعتکاف چھڑوا کر تبلیغ کی دعوت دینا غلو ہے، اس لیے کہ اس کام کے لیے سال کے باقی دن موجود ہیں۔ اسی لیے ہمارے حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "دین نام ہے وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا" اور میرے دوسرے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "دین نام ہے اتباع کا، اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں" مثلاً ہمیں جہاد میں جانے کا شوق پیدا ہوگیا یا تبلیغ کرنے کا شوق پیدا ہوگیا، تدریس کا شوق پیدا ہوگیا یا تصنیف کرنے کا شوق ہوگیا، اب اپنے شوق کو پورا کررہے ہیں اور یہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ وقت کا تقاضا کیا ہے؟ اس وقت اللہ تعالیٰ کا ہم سے مطالبہ کیا ہے؟ یہ بڑا اہم نکتہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ بات ہمارے دلوں اور دماغوں میں بٹھادے، آمین۔

ہر صدمہ اللہ کی طرف سے ہے

لہٰذا اگر اپنے بنائے ہوئے نظام الاوقات میں اور اپنے معمولات میں کوئی خلل وقت کے کسی جائز تقاضے کی وجہ سے واقع ہو تو اس پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی مایوس ہونا چاہیے، نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کی وجہ سے ہمارا نقصان ہوگیا، بلکہ اس کے نتیجے میں بعض اوقات ڈبل فائدہ ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ جس عمل کی وجہ سے نظام الاوقات میں خلل واقع ہوا بعض اوقات وہ عمل زیادہ افضل ہوتا ہے اور پھر معمول ٹوٹنے کا طبعی صدمہ اور طبعی غم ہوتا ہے، اگرچہ عقلی طور پر اطمینان رہتا ہے اور ہر رنج اور ہر صدمہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کا وعدہ ہے، اس لیے کہ اس دنیا میں ایک مؤمن کو کوئی رنج نہیں پہنچتا، مگر اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں یا تو اس کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں یا اس کے درجات بلند فرماتے ہیں۔[1]

سستی سے بچو

ہاں! جو چیز بچنے کی ہے، جس سے مکمل احتراز اور پرہیز لازم ہے، وہ یہ کہ سستی کی وجہ سے، کاہلی کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ کام میں دل نہیں لگ رہا ہے یا اس وجہ سے کہ دل گھبرا رہا ہے، ان وجوہات کی وجہ سے اپنا نظام الاوقات توڑنا یا معمول چھوڑنا خطرناک بات ہے اور جو شخص ان وجوہات سے اپنا نظام الاوقات توڑے گا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کامیابی حاصل کرنے والے کو تو سستی سے لڑنا پڑے گا، اپنی کاہلی سے بھی لڑنا پڑے گا، دل کی گھبراہٹ کو بھی برداشت کرنا پڑے گا۔

---

(۱) صحیح البخاری ۱۱٤/۷ (٥٦٤٠-٥٦٤١).

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا طرزِ عمل

اپنے اس طرزِ عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لیے بعض مرتبہ لوگ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی قربانیوں کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک قربانی نہیں دیں گے اس وقت تک دین کا غلبہ نہیں ہوسکتا اور دین کے اندر اعلیٰ مقام حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بارے میں صحابہ کرام کی مثالیں موجود ہیں، جیسے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ آج ہی شادی ہوئی اور نئی بیوی گھر میں موجود ہے اور اگلے دن جہاد میں جانے کا اعلان ہوگیا تو ابھی یہ غسل جنابت بھی نہ کر پائے تھے کہ جہاد میں شامل ہوگئے۔ اب وقت کا تقاضا تو یہ لگتا ہے کہ ابھی گھر میں نئی بیوی آئی ہے، اس کے ساتھ کچھ وقت گزارا جائے، لیکن یہ صحابی اس بیوی کو چھوڑ کر جہاد میں چلے گئے(۱)۔

یہ قیاس درست نہیں

خوب سمجھ لیجیے! دو باتیں الگ الگ ہیں، جن کو صحابہ کرام کی مثالوں میں ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے، ایک یہ کہ بعض اوقات حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے گھر والوں کو ایسے موقع پر چھوڑا، جب کہ گھر سے نکلنا فرض عین ہوگیا تھا۔ مثلاً دشمن حملہ آور ہوگیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نفیرِ عام آگئی کہ ہر شخص جہاد میں نکل جائے، اب ہر شخص پر فرض عین ہے کہ وہ جہاد میں حصہ لے،

---

(۱) صحیح ابن حبان ۴۹۵/۱۵ (۷۰۲۵) والمستدرک للحاکم ۲۲۵/۳ (۴۹۱۷) وقال هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاه۔ وسکت عنه الذهبی فی التلخیص. واقعہ کی مزید تفصیل جاننے کے لیے دلائل النبوة لابی نعیم الاصبهانی ص ۴۸۴ (۴۱۸-۴۱۹) طبع دار النفائس بیروت ملاحظہ فرمائیں۔ از مرتب عفی عنہ

اس صورت میں نہ والدین کی اجازت کی ضرورت ہے، نہ بیوی کی اجازت کی ضرورت ہے، یہاں تک فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ ایسے موقع پر عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکل سکتی ہے اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکل سکتا ہے(۱)، یہ ایک غیر معمولی صورتِ حال ہے، جبکہ دشمن حملہ آور ہوگیا، اس وقت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ جہاد میں جاتے۔ اب اس واقعے کو اس بات پر چسپاں کرنا کسی طرح مناسب نہیں جہاں پر نکلنا فرض عین نہیں۔ اسی طرح اس واقعے کی بنیاد پر یہ کہنا کہ قربانی کے بغیر کام نہیں چلے گا، یہ زیادتی ہے، کسی طرح بھی درست نہیں۔

کسی کا حق ضائع نہیں کیا

دوسری طرف وہ مثالیں ہیں جن میں کسی صحابی نے اپنی ذات پر مشقت برداشت کرکے جہاد کیا یا تبلیغ میں نکلے، دعوت میں نکلے، لیکن دوسرے کسی صاحبِ حق کا حق ضائع نہیں کیا۔

یہ کام ہر ایک پر فرض نہیں

تیسری طرف بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے افعال ایسے ہیں جو بہت اعلیٰ درجے کے مقام کے ہیں، ہمیں بے شک اس بات کی کوشش تو کرنی چاہیے کہ اس مقام کا تھوڑا سا حصہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ عطا فرمادے، لیکن ہر آدمی پر فرض نہیں کہ اس سے مطالبہ کیا جائے کہ تم ایسا ضرور کرو۔ مثلاً حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ایک

---

(۱) الهداية للمرغيناني ۲/۳۷۸ طبع دار احياء التراث العربي.

مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، نماز کے دوران ایک پرندہ باغ کے اندر آ گیا اور اب وہ پرندہ باغ سے نکلنا چاہتا تھا، مگر باغ کے گنجان ہونے کی وجہ سے اس کو باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا، اب نماز کے دوران ان کا خیال باغ کی طرف چلا گیا کہ میرا باغ کتنا گنجان ہے کہ اس میں پرندے کو داخل ہونے کے بعد اس کو باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا ہے، جب نماز ختم کی تو انہوں نے سوچا کہ یہ تو بڑا غلط کام ہوا کہ نماز کے دوران میرا دل اپنے باغ کی وسعت کی طرف لگ گیا، جس کی وجہ سے نماز کی خشوع کا حق ادا نہ ہوا اور اس باغ کی وجہ سے میرا دھیان بھٹکا اس لیے میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں[1]۔

یہ دین کی صحیح تشریح نہیں

اب اگر یہ کہا جائے کہ جو کام حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، یہ کام ہر مسلمان پر فرض ہے، اگر ایک منٹ کے لیے بھی نماز میں دھیان کہیں اور جائے تو یہ گناہ ہے اور جس چیز کی طرف دھیان گیا اس چیز کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ اگر اس واقعہ سے کوئی شخص یہ نتیجہ نکالے تو دین کی صحیح تشریح نہیں ہوگی۔ یہ تو ان کا اعلیٰ مقام تھا کہ انہوں نے ایک لمحے کے لیے ذکر سے اور اللہ سے غافل ہونے پر اپنے لیے اتنی بڑی سزا مقرر فرمائی، لہٰذا یہ واقعہ لوگوں کو اس غرض کے لیے تو سنایا جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بلند مقام کو دیکھو کہ انہوں نے نماز میں خشوع ہونے کو کتنا اہم قرار دیا، جب وہ خشوع کو اتنا اہم سمجھتے تھے تو ہم بھی تو کچھ کریں، اس مقصد کے لیے تو یہ واقعہ بیان کرنا درست ہے، لیکن یہ واقعہ

---

(۱) موطا امام مالک ۱۳۵/۲ (۳۲۶) طبع موسسۃ زید بن سلطان، الامارات۔

بیان کر کے یہ کہنا کہ ایسا کرنا ہر مسلمان پر فرض و واجب ہے، یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں اور یہ دین کی صحیح تشریح نہیں ہوگی۔

دین کا ہر کام وقت کے تقاضے کے تابع ہے

لہٰذا چاہے درس و تدریس ہو، چاہے وعظ و تبلیغ ہو، چاہے جہاد ہو، یہ سب کام وقت کے تقاضوں کے تابع ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے کیا تقاضا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہے؟ غزوۂ تبوک کا موقع ہے، ہر شخص آگے بڑھ کر جہاد میں حصہ لے رہا ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صحابہ کرام کو ترغیب دی جارہی ہے، یہ ترغیب سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی جہاد میں جانے کا شوق پیدا ہورہا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم جہاد میں مت جاؤ، بلکہ عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ منورہ میں رک جاؤ، اب حضرت علی رضی اللہ عنہ جو بہادری میں، شجاعت میں، جرأت میں بہت سے صحابہ کرام سے زیادہ تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یا رسول اللہ! میں یہاں عورتوں اور بچوں کے پاس رہ جاؤں؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے پیچھے مدینہ منورہ میں اس طرح رہو جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے رہے[1]، اس طرح حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں رہنے کی ترغیب دی، اس لیے کہ ان کے لیے وقت کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ مدینے میں رہ کر عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال کریں اور جہاد کو قربان کردیں۔

---

(۱) صحیح البخاری ۳/٦ (٤٤١٦) وصحیح مسلم ١٨٧٠/٤ (٢٤٠٤).

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر سے روک دیا گیا

غزوۂ بدر کا موقع ہے، وہ بدر جس کو قرآنِ کریم نے ''یوم الفرقان'' فرمایا(۱)، جس غزوہ میں شامل ہونے والا شخص بدری کہلایا، جن کے نام پڑھ کر لوگ دعائیں کرتے ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں، وہ بھی اس غزوہ میں شریک ہونا چاہتے تھے، لیکن ان کی بیوی جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں وہ بیمار ہیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کی تیمارداری کے لیے رک جاؤ اور جہاد میں مت جاؤ۔ اب دیکھیے! حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بیوی کی تیمارداری کے لیے جہاد سے روک دیا اور غزوۂ بدر جیسی عظیم فضیلت سے بظاہر ان کو محروم کردیا، لیکن حقیقت میں وہ محروم نہیں ہوئے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''بدرین'' میں شمار فرمایا اور مالِ غنیمت میں ان کا حصہ لگایا(۲)۔

کس وقت کیا مطالبہ ہے

بہرحال! عرض یہ کرنا تھا کہ یہ دین کا بڑا اہم نکتہ اور بڑا اہم باب ہے کہ کس وقت مجھ سے کیا مطالبہ ہے؟ اور اس مطالبے پر مجھے کس طرح عمل کرنا ہے؟ دین کی یہ فہم عام طور پر بزرگوں کی صحبت کے بغیر پیدا نہیں ہوتی، بلکہ آدمی اپنے دماغ سے اجتہاد ہی کرتا رہتا ہے کہ اس وقت مجھے دین کا یہ تقاضا معلوم ہورہا ہے۔

---

(۱) سورۃ الانفال آیت (٤١).

(۲) صحیح البخاری ٩٨/٥ (٤٠٦٦) و ٨٧/٥ معلقاً

عمل پابندی سے کرو

خلاصہ یہ نکلا کہ نظامُ الاوقات کی پابندی بڑی اچھی چیز ہے، اس کے بغیر آدمی کے اوقات صحیح مصرف پر خرچ نہیں ہوتے، عمر بے کار چلی جاتی ہے، لیکن جہاں نظام الاوقات کا ٹوٹنا کسی جائز وجہ سے ہو یا وقت کے کسی اہم تقاضے کی بناء پر ہو تو اس پر کوئی غم اور افسوس نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ مقصود تو عمر کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا تھا، ایک کام میں نہیں تو دوسرے کام میں ہوگیا۔ ہاں! سستی، کاہلی اور دل کی گھبراہٹ کی وجہ سے معمول کو قضا کرنا برا ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر العمل مادیم علیه و ان قل (۱)

یعنی بہترین عمل جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے وہ ہے جو پابندی سے کیا جائے، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

یہ نہیں کہ جب رمضان کا اخیر عشرہ آیا تو ساری رات عبادت میں گزار دی اور جب رمضان گیا تو فرض نماز بھی گئی، یہ صحیح طریقہ نہیں، اس میں برکت نہیں ہوتی، بلکہ برکت اس میں ہے کہ تھوڑا عمل کرو، لیکن پابندی کے ساتھ کرو۔ جس کام کے لیے جو وقت مقرر کیا ہے، جب وہ وقت آجائے تو وہ کام کرلو، چاہے دو منٹ کے لیے یا پانچ منٹ کے لیے کرلو، لیکن کرو ضرور۔

---

(۱) سنن ابن ماجه ٦٣٤/٥ (٤٢٤٠) واصله فی صحيح البخاری ٩٨/٨ (٦٤٦٥) وسنن الترمذی ٥٣٥/٤ (٢٨٥٦) وقال هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه۔

بہترین مثال

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ تھوڑا عمل جس کو پابندی سے کیا جائے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے پانی کا نلکا، اب اگر نلکے کو پریشر کے ساتھ کھولا جائے اور اس کے نیچے ایک پتھر رکھ دیا جائے اور ایک گھنٹے تک کھلا رکھنے کے بعد اس کو بند کر دیا جائے تو اس پتھر پر اس پانی گرنے کا کوئی اثر واقع نہیں ہوگا، لیکن اگر اس نلکے سے ایک ایک قطرہ پانی کا اس پتھر پر ٹپکاؤ اور سال بھر تک وہ پانی ٹپکتا رہے تو وہ پانی پتھر میں سوراخ کر دے گا، حالانکہ پہلے والا پانی پریشر کے ساتھ نکل رہا تھا، لیکن اس نے پتھر میں کوئی اثر نہیں کیا، جبکہ ایک قطرہ پانی جس کا کوئی وزن نہیں تھا، لیکن وہ سال بھر پڑتا رہا تو اس نے پتھر میں سوراخ کر دیا۔ اسی طرح جو عمل تھوڑا ہو، لیکن پابندی کے ساتھ ہو، وہ اپنا اثر ضرور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نظم و ضبط

(نشری تقریریں ص ۱۱۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظم وضبط

نحمدہٗ ونصلی ونسلّم علی رسولہ الکریم اما بعد!

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اور اس کے تمام احکام انسان کی فلاح و بہبود ہی کے لیے ہیں، اس لیے اس کی ہر تعلیم میں انسانی فطرت کی پوری پوری رعایت موجود ہے اور چنانچہ اسلام نے صرف احکام وقوانین دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنی تعلیم میں اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں میں نظم وضبط اور سلیقہ پیدا ہو، کیونکہ جو کام بدنظمی اور بے ڈھنگے پن سے کیا جائے اس سے صرف ظاہری بدنمائی ہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات اس کام کے خاطر خواہ نتائج بھی حاصل نہیں ہو پاتے۔

قرآنِ کریم کی سورۂ صافات اس آیت کریمہ سے شروع ہوئی ہے:

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا (۱)

(۱) سورۃ الصافات آیت (۱)۔

یعنی قسم ہے ان کی جو اللہ کی عبادت کے لیے اچھی طرح
صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

اس آیت میں ان فرشتوں کی تعریف کی گئی ہے جو صف بستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام میں نظم و ضبط اور ترتیب و سلیقے کا لحاظ رکھنا دین میں مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو یا اس کے احکام کی تعمیل، یہ دونوں مقصد اس طرح سے بھی حاصل ہو سکتے تھے کہ یہ فرشتے صف باندھنے کے بجائے ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں جمع ہو جایا کریں، لیکن اس بدنظمی کے بجائے ان کو صف بندی کی توفیق دی گئی اور اس آیت میں ان کے اچھے اوصاف میں سب سے پہلے اسی وصف کو ذکر کر کے بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند ہے۔

اسلام نے اپنے پیروؤں کو جو احکام عطا فرمائے ہیں، ان میں نظم و ضبط کی رعایت ہر جگہ واضح ہے، مثلاً نماز جو اسلام کی اہم ترین عبادت ہے، درحقیقت اس کا مقصد بندوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑنا ہے، لہٰذا بظاہر اس کا یہ طریقہ زیادہ مناسب تھا کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ انفرادی طور سے نماز ادا کر لیا کرے، لیکن اسلام نے صرف نماز ادا کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس بات کی تاکید فرمائی کہ ہر فرض نماز حتی الامکان مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی جائے اور جماعت میں بھی اس بات کو ناگزیر قرار دیا کہ نماز پڑھنے والے اپنے میں سے کسی شخص کو اپنا امام بنالیں اور پھر نماز کی ہر نقل و حرکت میں اس کی پوری پوری اقتداء کریں۔ حد یہ ہے کہ اگر امام سے بھول چوک کی بنا پر کوئی غلطی ہو جائے تو مقتدیوں کو اس

بات کی تو اجازت ہے کہ وہ سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہہ کر امام کو غلطی پر متنبہ کر دیں، لیکن امام کی اقتداء چھوڑ کر اپنی نماز درست کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ یہ بات نماز کے نظم وضبط کے خلاف ہے۔

پھر نماز میں کھڑے ہونے کا جو طریقہ اسلام نے بتایا ہے وہ نظم وضبط کی مجسم تعلیم ہے، مثلاً جماعت میں صف بندی کی بڑی تاکید کی گئی۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہم سے فرمایا:

> ”تم نماز میں اسی طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے حضور کرتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: فرشتے اپنے رب کے حضور کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ”وہ صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں پیوست ہوکر کھڑے ہوتے ہیں“ (یعنی بیچ میں خالی جگہ نہیں چھوڑتے)۔[1]

نماز میں صفوں کو پورا کرنے اور سیدھا رکھنے کی تاکید میں اتنی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ ان سے ایک پورا رسالہ تیار ہوسکتا ہے۔ حضرت ابومسعود البدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے کہ

> ”سیدھے رہو، آگے پیچھے مت ہو، ورنہ تمہارے دلوں

(۱) صحیح مسلم ۱/۳۲۲(۴۳۰) وسنن ابی داود ۱/۱۷۷(٦٦١)۔

میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔(۱)

پھر نماز کے جو پانچ اوقات اسلام نے مقرر فرمائے ہیں، ان کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ وہ انسان کی زندگی میں نظم وضبط پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم بھی دیا جا سکتا تھا کہ ہر شخص جس وقت چاہے پانچ نمازیں پڑھ لیا کرے، لیکن نمازوں کے پانچ اوقات مقرر فرما کر اسلام نے ایک مسلمان کی پوری زندگی کو منظم بنا دیا ہے، اس طریقے سے ایک نمازی مسلمان اپنے چوبیس گھنٹے کے معمولات کو بڑی آسانی سے پانچ حصوں پر منقسم کر کے اپنا بہترین نظام الاوقات ترتیب دے سکتا ہے جس میں اپنی ذاتی ضروریات، دنیوی مشاغل اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کا بہترین امتزاج ہو۔

روزہ بھی ایک عظیم الشان عبادت اور نفس کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہے اور اس کی ادائیگی بظاہر اس طرح بھی ممکن تھی، کہ ہر شخص جب چاہتا تیس روزے پورے کر لیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بجائے پوری امت کو ایک ہی مہینے میں روزوں کا اس طرح پابند بنا دیا کہ ایک علاقے کے لوگ ایک ہی وقت میں کھانا پینا چھوڑتے اور ایک ہی وقت میں افطار کرتے ہیں۔

اسی طرح زکوٰۃ جو اسلام کے مالی احکام میں سب سے بنیادی اہمیت رکھتی ہے اس کے جہاں اور بہت سے فوائد ہیں وہاں اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے ہر انسان کو اپنی آمد وخرچ کا حساب منظم رکھنے کا موقع مل جاتا ہے اور جو لوگ سال بہ سال باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، عموماً ان کا حساب صاف رہتا ہے اور وہ مالی بد نظمی کا شکار نہیں ہوتے۔

---

(۱) صحیح مسلم ۱/۳۲۳ (۴۳۲) وسنن النسائی ۲/۹۰ (۸۱۲)۔

حج کی عبادت میں بھی اللہ تعالیٰ نے سارے مسلمانوں کے لیے ایک ہی زمانہ اور ایک ہی مقام متعین فرمادیا ہے چنانچہ اس عبادت کے دوران دنیا بھر کے مسلمان ایک امیر کے زیر قیادت آجاتے ہیں، سب کے جسم پر ایک سا لباس اور سب کی زبانوں پر ایک ہی سی پکار ہوتی ہے اور ان کی ہر ہر نقل و حرکت اسلامی اتحاد اور تنظیم کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو اہلِ عرب قبائلی نظام کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے، ہر قبیلہ اپنی اپنی جگہ خودمختار تھا، اسی بنا پر ان کے درمیان بارہ مہینے تصادم کی فضاء قائم رہتی تھی اور پورا جزیرۂ عرب بدنظمی اور افتراق کا شکار تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر ان منتشر قبائل کو ایک پرچم تلے اکٹھا کیا اور آئندہ ہمیشہ کے لیے یہ تعلیم دی کہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنا ایک امیر مقرر کریں اور جب کوئی امیر باہمی مشورے سے مقرر کرلیا جائے تو جب تک وہ کسی گناہ کے کام کا حکم نہ دے، ہر قیمت پر اس کی اطاعت کی جائے، کیونکہ اس کے بغیر نظم و ضبط قائم نہیں رہ سکتا چنانچہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ يُطِعِ الأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ يَعْصِ الأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي [1]

جس شخص نے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

---

(۱) صحيح البخاري ٤/٥٠ (٢٩٥٧) وصحيح مسلم ٣/١٤٦٦ (١٨٣٥)۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے:

إِنْ أُمِرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ، يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللهِ تَعَالَى، فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا(۱)

اگر تم پر کسی ایسے غلام کو بھی امیر بنا دیا جائے جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں اور وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کر رہا ہو تو اس کی ہر بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

اسی طرح امیر کو کتاب وسنت کی اطاعت کا پابند بنادیا ہے جس سے ان کے تمام اجتماعی مسائل بہترین طریقے پر حل ہو سکتے ہیں۔

پھر اسلام نے اطاعتِ امیر کا یہ حکم صرف سیاست وحکومت ہی میں نہیں دیا بلکہ تمام مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے ہر اجتماعی کام کو کسی امیر کے نظم کے تابع بنالیا کریں، چنانچہ ارشاد ہے:

إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ(۲)

جب تین آدمی سفر پر روانہ ہوں تو انہیں چاہیے کہ اپنے آپ میں سے کسی کو اپنا امیر بنالیں۔

اسی طرح اسلامی شریعت نے باپ کو اولاد کا امیر، استاد کو شاگردوں کا امیر

(۱) صحیح مسلم ۹٤٤/۲(۱۲۹۸) و ۱٤٦۸/۳(۱۸۳۸)۔

(۲) سنن ابی داود ۳٦/۳(۲٦۰۸-۲٦۰۹) واصلہ فی صحیح مسلم ٤٦٤/۱(٦۷۲) بلفظ: "إذا كَانُوا ثَلَاثَةً فَلْيَؤُمَّهُمْ أَحَدُهُمْ، وَأَحَقُّهُمْ بِالْإِمَامَةِ أَقْرَؤُهُمْ"۔

اور شوہر کو بیوی کا امیر بنا کر اپنے تمام پیروؤں کو یہ سبق دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو بدنظمی سے گزارنے کے بجائے نظم وضبط اور خوش اسلوبی سے بسر کرنا سیکھیں اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم مسلمان ان اسلامی احکام کی حقیقی روح کو پہچان کر اپنی زندگیوں کو منظم کرنے کی عادت ڈالیں تو ہماری بے شمار مشکلات خود بخود ختم ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیقِ کامل عطا فرمائے۔ آمین

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

صحت اور فرصت کی قدر کرلو

(اصلاحی خطبات ۱۶/ ۲۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحت اور فرصت کی قدر کرلو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فقد قال النبی ﷺ: «نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْھِمَا کَثِیْرٌ مِنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّۃُ وَالْفَرَاغُ»[1]

دل نرم کرنے والی احادیث

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! حدیث کی کتابوں میں ایک مستقل کتاب

(۱) صحیح البخاری ۸/۸۸ (٦٤١٢) والزھد لابن المبارک ۱/۱ (۱).

''کتاب الرقاق'' کے نام سے محدثین قائم فرماتے ہیں اور اس باب میں وہ احادیث لاتے ہیں جو انسان کے دل میں نرمی اور رقت پیدا کرتی ہیں اور آخرت کی فکر پیدا کرتی ہیں، دنیا سے بے رغبتی اور زُہد پیدا کرتی ہیں، ایسی احادیث کو''رقاق'' کہا جاتا ہے۔ بعض محدثین نے تو اس موضوع کی احادیث پر مستقل کتاب مرتب کردی ہے، جیسے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الزھد والرقاق'' حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب''کتاب الزھد'' ہے، حضرت وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب''کتاب الزھد'' ہے۔ اس موضوع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی عجیب احادیث ہیں جن کے الفاظ تو مختصر ہیں، لیکن وہ احادیث معنی کے اعتبار سے بڑی جامع ہیں، اگر آدمی ان پر غور کرے تو وہ احادیث انسان کی اصلاح کے لیے بے نظیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان احادیث کو سمجھنے اور ان کی قدر کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ بہت اہم حدیث ہے

اس وقت میں نے انہی احادیث میں سے ایک حدیث آپ کے سامنے تلاوت کی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''صحیح البخاری'' میں ''کتاب الرقاق'' کو اسی حدیث سے شروع فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج اور اسلوب بڑا عجیب و غریب ہے، جب وہ کسی کتاب میں کوئی باب قائم کرتے ہیں اور پھر اس کے تحت جو حدیث لاتے ہیں، وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوتا ہے، ''کتاب الرقاق'' میں سب سے پہلے اس حدیث کو لاکر گویا انہوں نے اس بات کا اظہار فرمایا ہے کہ اس موضوع پر جو احادیث ہیں ان میں یہ حدیث ''اصل'' کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ حدیث دوسری احادیث کے لیے ''جڑ'' اور ''بنیاد'' ہے اور واقعتاً اس حدیث میں بڑی عجیب و غریب ہدایت ہے۔

حضرت مفتی صاحب اور حدیث بالا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث بکثرت یاد دلایا کرتے تھے اور بے شمار مرتبہ اس حدیث پر بیان بھی فرمایا، بلکہ جب آپ پاکستان ہجرت کرنے کے بعد پہلی مرتبہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے تو دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور طلباء نے درخواست کی کہ کچھ بیان فرمائیں۔ اس موقع پر آپ نے ان کے سامنے جو بیان فرمایا، اس میں فرمایا کہ آپ حضرات شاید اس انتظار میں ہوں گے کہ میں یہاں کوئی علمی تقریر کروں گا یا دارالعلوم دیوبند میں کسی پیچیدہ مسئلے پر بیان کروں گا، لیکن بات یہ ہے کہ یہ علمی گناہ میں پہلے یہاں دارالعلوم دیوبند میں بہت کر چکا ہوں لہٰذا میں اس کے بجائے کوئی خشک بات کہنا چاہتا ہوں اور پھر آپ نے یہی حدیث پڑھی اور اس کی تشریح فرمائی۔

حدیث کا ترجمہ

بہرحال! اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ وَ الْفَرَاغُ"

فرمایا کہ اللہ جل شانہ کی دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں لوگ بڑے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ جب یہ نعمت ہمیں حاصل ہے تو اب ہمیشہ ہمارے پاس رہے گی، ایک "صحت" کی نعمت اور دوسرے "فراغت" کی نعمت۔ ان دو نعمتوں کے بارے میں لوگ بکثرت دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

۞ ہر نعمت پر تین حق

انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہر آن، ہر لمحے بارش کی طرح برس رہی ہیں۔ انسان ان نعمتوں کو شمار بھی نہیں کرسکتا اور ہر نعمت کا حق یہ ہے کہ اس کی قدر پہچانی جائے، اس پر شکر ادا کیا جائے اور اس کا صحیح استعمال کیا جائے، ہر نعمت پر یہ تین حق ہیں۔ اگر انسان ہر نعمت پر یہ تین حقوق ادا کرنے لگے تو اس کا بیڑا پار ہوجائے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ انسان ان کے بارے میں دھوکے میں پڑا ہوا ہے، وہ نعمتیں ہیں ''صحت'' اور ''فراغت''۔ انسان اس دھوکہ میں پڑا ہوا ہے کہ یہ صحت اس وقت جو مجھے حاصل ہے وہ رہے گی، آج میں تندرست ہوں تو کل بھی رہوں گا اور پرسوں بھی رہوں گا اس دھوکے کے نتیجے میں صحت کے دن گزرتے چلے جاتے ہیں اور انسان اپنے نیک کاموں کو ٹالتا رہتا ہے، یہی معاملہ ''فراغت'' کا ہے کہ انسان کو اس وقت فراغت میسر ہے اور وقت خالی ہے، اب وہ یہ سوچتا ہے کہ میں فارغ ہی رہوں گا لہٰذا وہ نیک کاموں کو ٹالتا رہتا ہے۔

۞ صحت اور فراغت کی قدر کرلو

یہاں تک کہ وہ ''صحت'' جس کی بنیاد پر نیک کاموں کو ٹال رہا تھا کہ آج نہیں کل کروں گا، پرسوں کروں گا، وہ صحت ڈھل جاتی ہے اور انسان پر بیماری آجاتی ہے اور پھر کام کرنے کا موقع نہیں رہتا۔ فراغت میں بھی کاموں کو ٹالتا رہا ہے کہ ابھی جلدی کیا ہے کل کرلیں گے، پرسوں کرلیں گے، یہاں تک کہ فراغت ختم ہوجاتی ہے اور مشغولیت آجاتی ہے اور پھر وقت نہیں ملتا۔ اسی لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اللہ کے بندو! صحت کی جو نعمت ہے اس کی قدر پہچانو اور اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرلو۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ نے فراغت کی نعمت دی ہے، اس کی قدر پہچان لو، اس کو کسی صحیح مصرف پر خرچ کرلو تو دھوکے سے بچ جاؤ گے۔ ورنہ یہ ہوتا ہے کہ نیک کاموں کو ٹالتے ٹالتے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے اور پھر دنیا سے جانے کا وقت آجاتا ہے، اس وقت یہ حسرت ہوتی ہے کہ کاش اپنی جوانی کی حالت میں، اپنی صحت کی حالت میں اور اپنی فراغت کی حالت میں کچھ کام کرلیا ہوتا اور آخرت کے لیے کوئی پونجی جمع کرلی ہوتی۔

شیطان کے بہکانے کا انداز

دیکھیے! جو آدمی صاحبِ ایمان ہوتا ہے اس کو شیطان براہِ راست اس طرح نہیں بہکاتا کہ تو بے ایمان ہوجا یا تو نماز چھوڑ دے یا روزہ چھوڑ دے۔ ایک صاحبِ ایمان کو اس طرح نہیں بہکاتا...... کیوں؟ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ صاحبِ ایمان ہے، اگر اس سے یوں کہا جائے گا کہ تو بے ایمان ہوجا یا تو نماز چھوڑ دے یا روزہ چھوڑ دے تو وہ کبھی بھی اس کی یہ بات نہیں مانے گا۔ اس لیے شیطان صاحبِ ایمان پر دوسرے حربے آزماتا ہے، وہ اس طرح کہ صاحبِ ایمان نے یہ سنا کہ فلاں نیک کام ہے، اس کو کرنا چاہیے، اب شیطان اس کو بہکاتا ہے کہ ہاں یہ نیک کام ضرور کرنا چاہیے، لیکن جلدی کیا ہے؟ آج ذرا مصروفیت ہے، فلاں فلاں کام کرنے ہیں، کل سے یہ کام شروع کریں گے، جب کل آجائے گی تو شیطان یہ بہکائے گا کہ آج تو فلاں عذر پیش آگیا، فلاں کام پیش آگیا، کل سے شروع کریں گے، کل کل کرتے اس نیک کام کو ٹالتا جائے گا اور وہ کل کبھی نہیں آئے گی۔ یہ ہے شیطان کا حربہ جو صاحبِ ایمان پر آزماتا ہے۔

نوافل اللہ کی محبت کا حق ہیں

دل میں یہ خیال اور فکر تو ہے کہ اپنی نیکیوں میں اضافہ کیا جائے، جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہو اور نیکیوں کا حساب و کتاب ہو تو ہماری نیکیوں کا پلہ جھک جائے، یہ خیال اور فکر تو ہے، لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو اس وقت ٹالنے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ مثلاً یہ تو معلوم ہے کہ جس طرح فرائض و واجبات اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہیں، اسی طرح نوافل بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، اس لیے بندہ کچھ نوافل بھی ادا کرے، کچھ ذکر کرے، تسبیحات پڑھے، دعائیں کرے اور جب تک انسان نوافل ادا نہیں کرتا، عام طور پر اس وقت تک فرائض و واجبات میں بھی استقامت پیدا نہیں ہوتی یا مثلاً تہجد کی نماز ہے، آدمی روز یہ سوچتا ہے کہ تہجد کی نماز پڑھنی چاہیے، اب شیطان اس کو یہ نہیں کہے گا کہ تہجد مت پڑھنا اس سے تمہاری نیند خراب ہوگی بلکہ اس طرح بہکائے گا کہ ہاں تہجد پڑھنا بڑی اچھی بات ہے، لیکن ان شاء اللہ کل سے شروع کریں گے اور کل الارم لگا کر سوئیں گے، جب کل آئی تو کوئی اور عذر کردیا کہ آج تو نیند کا غلبہ ہے، کل سے شروع کریں گے۔ اس طرح وہ ٹالتا رہے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ''صحت'' کی جو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، جس میں وہ تہجد کی نماز پڑھ سکتا تھا، وہ نعمت اسی ٹالنے میں برباد ہورہی ہے۔

جنت اور مغفرت کی طرف دوڑو

یا آج فراغت حاصل ہے، تہجد پڑھنے کے لیے وقت نکال سکتا ہے، لیکن اس کو ٹال کر وقت برباد کررہا ہے۔ اس حدیث کا پیغام یہ ہے کہ جب بھی کسی

نیک کام کا موقع ملے یا نیک کام کا خیال آئے تو پھر اس کو انجام دینے میں دیر مت کرو، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (۱)

فرمایا کہ اپنے پروردگار کی مغفرت حاصل کرنے کی طرف تیزی سے دوڑو اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، بلکہ اس آیت کا یہ ترجمہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر کرو اور اس مغفرت اور جنت کی طرف جانے کے لیے ریس لگاؤ۔

نیک کام کو ٹالو نہیں

شیطان کا کہنا ہے ''ٹالنا'' اور پیغمبر کا کہنا ہے کہ جس نیک کام کے کرنے کا خیال اور موقع آیا ہے اس کو ٹالو نہیں بلکہ اسی وقت کرگزرو، اگر اس کو کل پر ٹالوگے تو پتہ نہیں کل موقع رہے یا نہ رہے، کل کو وقت ملے یا نہ ملے، کل کو یہ جذبہ موجود رہے یا نہ رہے، کچھ پتہ نہیں۔

نیک کام کا خیال ''اللہ کا مہمان'' ہے

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو نیک کام کرنے کا خیال دل میں آتا ہے کہ فلاں نیک کام کرلوں، اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں ''وارد'' کہتے ہیں، یعنی دل میں یہ بات وارد ہوئی کہ میں فلاں کام کرلوں، نماز پڑھ

---

(۱) سورۃ آل عمران آیت (۱۳۳).

لوں، تہجد پڑھ لوں، اوابین پڑھ لوں، اشراق پڑھ لوں، چاشت پڑھ لوں، صدقہ کردوں، مسلمان بھائی کی مدد کردوں، کسی کا دکھ دور کرنے کی کوشش کرلوں، اس قسم کے خیال کو ''وارد'' کہتے ہیں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ ''وارد'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان ہوتا ہے، اگر تم نے اس کی تھوڑی سی قدر کرلی، خاطر مدارت کرلی تو یہ مہمان پھر آئے گا۔ خاطر مدارت اس طرح کی کہ جس نیکی کا خیال دل میں آیا تھا اس پر عمل بھی کرلیا تو یہ مہمان دوبارہ آئے گا اور تمہیں کسی دوسرے نیک کام کی دعوت دے گا اور اگر تم نے اس کی خاطر مدارت نہیں کی تو چوں کہ یہ مہمان بڑا غیرت مند ہے اور بڑا غیور ہے، اگر تم نے ایک مرتبہ اس کی خاطر مدارت نہیں کی تو یہ مہمان تمہارے پاس آنا چھوڑ دے گا اور اس وقت سے پناہ مانگو جب یہ مہمان آنا چھوڑ دے اور ''مہمان آنا چھوڑ دے'' کے معنی یہ ہیں کہ اب دل میں نیکی کا خیال ہی نہیں آرہا ہے، اس وقت سے اللہ تعالیٰ بچائے اور اب دل پر مہر لگ گئی اور دل پر زنگ لگ گیا تو اب نیک کام کرنے کا خیال ہی دل میں نہیں آتا۔

گناہ چھوڑنے کا کام مت ٹالو

بہر حال! اپنی اصلاح کو کس بات پر ٹال رہے ہو؟ گناہ چھوڑنے کو کس وجہ سے ٹال رہے ہو؟ مثلاً کوئی مسلمان صاحبِ ایمان کسی گناہ کے اندر مبتلا ہے اور کسی گناہ کا عادی بن گیا ہے تو اب صاحبِ ایمان ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ یہ گناہ مجھے چھوڑنا چاہیے۔ اب شیطان اس کو اس طرح نہیں بہکائے گا کہ یہ تم بڑا اچھا کام کررہے ہو، لہٰذا اس کو کیے جاؤ، اس لیے کہ وہ شیطان جانتا ہے کہ یہ شخص صاحبِ ایمان ہے اور یہ میری بات نہیں

مانے گا، بلکہ شیطان اس سے کہے گا کہ یہ کام تو بہت خراب ہے اور اس کام کو چھوڑنا ہے، لیکن ایک مرتبہ کرلو پھر چھوڑ دینا۔ جب ایک مرتبہ وہ گناہ کرلیا تو پھر کہے گا کہ ایک مرتبہ اور صحیح پھر چھوڑ دینا۔ اس طرح وہ انسان کو گناہ کے اندر لگائے رکھتا ہے اور اس کو نجات نصیب نہیں ہوتی۔

گناہوں سے نجات کا یہ طریقہ نہیں

گناہوں سے نجات کا یہ راستہ نہیں کہ آدمی یہ سوچے کہ میں ایک مرتبہ اور یہ گناہ کرلوں پھر چھوڑ دوں گا، بلکہ گناہوں سے نجات کا راستہ یہ ہے کہ آدمی آج ہی سے وہ گناہ چھوڑ دے، اپنے دل پر چوٹ لگا کر اپنے آپ کو گناہوں سے فارغ کرو، اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ شیطان کا ایک بڑا دھوکہ جس میں وہ اچھوں اچھوں کو مبتلا کر دیتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس سے کہتا ہے کہ چلو یار یہ گناہ کر ہی لو، تاکہ دل میں اس کی حسرت باقی نہ رہے، بلکہ ایک ہی مرتبہ بھڑاس دل سے نکل جائے ورنہ کل کو دل میں یہ حسرت رہے گی کہ تم نے یہ کام نہیں کیا تھا۔ اس لیے ایک مرتبہ یہ گناہ کرگزرو، پھر توبہ کرلینا، استغفار کرلینا، اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اس طرح شیطان اس کو بہکاتا ہے اور وہ توبہ کے بھروسے پر گناہ کر بیٹھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے، آمین۔

گناہ کرنے سے تسکین حاصل نہیں ہوتی

ہمارے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ شیطان کا انتہائی فتنہ انگیز حربہ ہے اس لیے کہ وہ شخص جب ایک مرتبہ توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرگزرا تو اب آسانی سے وہ گناہ نہیں چھوڑے گا۔ اس لیے اب

تک اس کو گناہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا، جب ایک مرتبہ گناہ کرلیا تو اس کے اندر اب حوصلہ پیدا ہوگیا اور جب حوصلہ پیدا ہوگیا تو اب اس گناہ کی خواہش میں اور زیادہ اضافہ ہوگا، کیوں کہ گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو کبھی بھی تسکین نہیں بخشتا، یہ نہیں ہوتا کہ ایک مرتبہ گناہ کرکے فارغ ہوگئے اور اب دل بھر گیا۔ گناہ کی مثال تو خارش کی سی ہے کہ کھجاتے رہو اور مزہ لیتے رہو، لیکن کھجانے کے نتیجے میں کبھی بھی تسکین نہیں ہوگی بلکہ بیماری اور بڑھتی چلی جائے گی۔ یہی گناہ کی خاصیت ہے، اس سے کبھی بھی تسکین نہیں ہوسکتی، جب ایک مرتبہ گناہ کرے گا تو پھر خواہش اور زیادہ بھڑکے گی، پھر گناہ کرے گا تو اور بھڑکے گی، پھر گناہ کرے گا تو اور بھڑکے گی، یہ سوچنا کہ ایک مرتبہ گناہ کرکے جی بھرلوں گا، یہ شیطان کا زبردست دھوکہ ہے، جب تک انسان اس کے اندر مبتلا رہے گا کبھی بھی اس کو گناہ چھوڑنے کی توفیق نہیں ہوگی۔

توبہ کے بھروسے پر گناہ کرلینا حماقت ہے

شیطان یہ جو دھوکہ دیتا ہے کہ گناہ کرلے، پھر توبہ کرلینا، ارے اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ توبہ کا موقع ملے گا اور توبہ کی توفیق ہوگی یا نہیں؟ کیا کسی نے ضمانت دے دی ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ کا موقع مل جائے گا؟ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ توبہ کے بھروسے پر گناہ کرلینا ایسا ہی ہے جیسے عمل کے بھروسے پر بچھو سے کٹوالینا اور اس پر اپنا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ دارالعلوم کے قیام کے زمانے میں میں نے بچھو کے ڈسے کا عمل سیکھا تھا اور بڑا مجرب عمل تھا، چنانچہ دیوبند کے پورے قصبے میں یہ بات سب کو معلوم تھی جب بھی کسی کو بچھو ڈس لیتا تو اس کو فوراً میرے پاس لاتے، میں عمل پڑھ کر دم کردیتا فوراً وہ زہر اتر جاتا۔

ایک نصیحت آموز واقعہ

ایک مرتبہ رات کو میری والدہ کو اسٹور سے کچھ نکالنے کے لیے وہاں جانے کی ضرورت پیش آئی، اسٹور میں اندھیرا تھا گھر میں ایک لالٹین تھی اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت لالٹین کی روشنی میں کچھ لکھنے کا کام کررہے تھے، میری والدہ نے کہا کہ میں اسٹور میں جانا چاہتی ہوں اور وہاں اندھیرا ہے ذرا ایک منٹ کے لیے لالٹین مجھے دے دیں تو میں اپنا کام کرلوں، والد صاحب کو اپنے لکھنے کے کام میں خلل ڈالنا دشوار ہورہا تھا اس لیے والد صاحب نے کہا کہ ویسے ہی چلی جاؤ، وہ اسٹور کے اندر سامنے ہی رکھی ہے اٹھالو، والدہ صاحبہ نے کہا کہ وہاں تو بچھو ہوتے ہیں، اگر بچھو نے کاٹ لیا تو؟ والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت میرے منہ سے نکل گیا کہ اگر بچھو نے کاٹ بھی لیا تو تمہارا کیا بگاڑ لے گا؟ مطلب یہ تھا کہ میرے پاس تو ایسا عمل موجود ہے جس سے بچھو کے کاٹنے کا سارا اثر ختم ہوجاتا ہے لہٰذا تمہارا کیا نقصان کرے گا اگر بچھو نے کاٹ بھی لیا۔ اب والدہ صاحبہ بغیر لالٹین کے چلی گئیں، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ والدہ کے اسٹور میں قدم رکھتے ہی بچھو نے کاٹ لیا۔ اب والد صاحب کے پاس آئیں تو والد صاحب نے اپنا وہی عمل شروع کیا، فرماتے ہیں کہ میں عمل کرکر کے تھک گیا، لیکن بچھو کا زہر اتر کے نہیں دیا۔ زہر اتارنے کے جتنے طریقے تھے، جو سینکڑوں مرتبہ کے آزمائے ہوئے تھے، وہ سب طریقے آزمالیے، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

اس واقعے سے تین سبق

فرمایا کہ اس واقعہ سے تین سبق ملے، ایک یہ کہ انسان کو کوئی بڑا بول منہ

سے نہیں نکالنا چاہیے اور میرے منہ سے یہ بڑا بول نکل گیا تھا کہ اگر بچھو نے کاٹ بھی لیا تو تمہارا کیا بگاڑ لے گا۔ دوسرا سبق یہ ملا کہ کسی عمل میں، کسی دوا میں، کسی وظیفے میں، کسی تریاق میں کچھ نہیں رکھا، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ہو، شفاء انہی کی طرف سے عطا ہوتی ہے، صحت انہی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ تیسرا سبق یہ ملا کہ توبہ کے بھروسے پر گناہ کرلینا ایسا ہی ہے جیسے عمل کے بھروسے پر بچھو سے کٹوالینا، جیسے وہ حماقت اور بے وقوفی تھی، ایسے ہی یہ بھی حماقت اور بے وقوفی ہے، کیا معلوم کہ گناہ کے بعد توبہ کی توفیق ہو یا نہ ہو، توبہ کے لیے وقت ملے یا نہ ملے، اس لیے کہ توبہ کی توفیق بھی اللہ کی عطا ہے، ان کی عطا کے بغیر توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی اور پھر جو آدمی اتنی جرأت کر رہا ہو کہ گناہ کر کے توبہ کرلوں گا، کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے توبہ کی توفیق ہی سلب کرلیں، اللہ تعالیٰ اس سے حفاظت فرمائے، آمین۔

جب ہاتھ پاؤں حرکت کرنا چھوڑ دیں گے

بہرحال! وقت گزر رہا ہے اور انسان دھوکہ میں پڑا ہوا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا حاصل یہ نکلا کہ صحت کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہوئے ہیں، ان کو غنیمت سمجھو اور اسی طرح فراغت کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہوئے ہیں ان کو غنیمت سمجھو، ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ۔

ابھی تو ان کی آہٹ پر میں آنکھیں کھول دیتا ہوں
وہ کیسا وقت ہوگا، جب نہ ہوگا یہ بھی امکاں میں

ابھی تو ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں، اس وقت اگر کچھ کرلو گے تو نیکیوں کا سرمایہ جمع ہوجائے گا، لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب نہ ہاتھ چلیں گے اور نہ پاؤں چلیں گے، کوئی شخص بھی اس وقت سے مستثنیٰ نہیں۔

کس چیز کا انتظار کررہے ہو؟

ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے، جس میں اسی مضمون کو حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے اللہ کے بندو! نیک کام کرنے کے لیے کس چیز کا انتظار کررہے ہو؟ فرمایا:

هَلْ تَنْتَظِرُوْنَ إِلَّا إِلَى فَقْرٍ مُنْسٍ، أَوْ غِنًى مُطْغٍ، أَوْ مَرَضٍ مُفْسِدٍ، أَوْ هَرَمٍ مُفَنِّدٍ، أَوْ مَوْتٍ مُجْهِزٍ، أَوِ الدَّجَّالِ فَشَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ، أَوِ السَّاعَةِ فَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ(۱)

کیا فقر و فاقے کا انتظار ہے؟

"فَقْرٍ مُنْسٍ" کیا اس بات کا انتظار کررہے ہو کہ ابھی تو پیسے ہیں، کل صدقہ کردیں گے، پرسوں کردیں گے، تو کیا تم اس بات کا انتظار کررہے ہو کہ تمہارے اوپر فقر و فاقہ آجائے، مفلسی آجائے؟ جو فقر و افلاس تمہیں صدقہ و خیرات کرنے کو بھلادے، کیا اس وقت کا انتظار کررہے ہو؟ کیا اس وقت صدقہ کروگے؟ ارے بھائی! جب آج تمہارے پاس پیسے موجود ہیں تو ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، کل کو معلوم نہیں کیا صورت ہو۔

(۱) سنن الترمذی ١٤١/٤ (٢٣٠٦) وقال هذا حديث حسن- والزهد لابن المبارك ٣/١ (٧).

کیا مالداری کا انتظار ہے؟

"أَوْ غِنًى مُطْغٍ" کیا تم ایسی مالداری کا انتظار کر رہے ہو جو تمہیں سرکش بنادے۔ یعنی نیک کام کو یہ سوچ کر ٹال رہے ہو کہ آج تو نفلیں پڑھنے کا موقع نہیں ہے، ابھی تو اپنی تجارت میں اور ملازمت میں مصروف ہوں، جب ذرا فارغ البالی حاصل ہوجائے گی تو اس وقت نفلیں بھی پڑھیں گے اور تہجد بھی پڑھیں گے، اشراق اور چاشت بھی پڑھیں گے اور صدقہ کریں گے، ابھی تو فارغ البالی نہیں ہے، ابھی تو ذرا تجارت کو ترقی دینی ہے، مال بڑھانا ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ تم ایسی مالداری کا انتظار کر رہے ہو جو تمہیں سرکش بنادے، کیا معلوم کہ جب خوشحالی اور مالداری حاصل ہوجائے تو دماغ سے اللہ کی یاد ہی نکل جائے اور پھر نیکی کرنے کا خیال ہی ختم ہوجائے اور پھر تکبر اور سرکشی میں ایسے مبتلا ہوجاؤ کہ پھر کسی نیکی کی طرف دھیان ہی نہ جائے۔

کیا بیماری کا انتظار ہے؟

"أَوْ مَرَضٍ مُفْسِدٍ" یا اس وقت نیکی کو یہ سوچ کر ٹال رہے ہو کہ اس وقت ہاتھ پاؤں چل رہے ہیں، صحت حاصل ہے اور عافیت حاصل ہے، فلاں نیک کام کل سے کریں گے، پرسوں سے کریں گے، اس وقت ٹالتے ٹالتے تمہارے اوپر کوئی بیماری آجائے، جو تمہیں فساد میں مبتلا کردے اور پھر تم کچھ کرنے کے قابل ہی نہ ہو۔

کیا بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟

"اَوْ هَرَمٍ مُفَنِّدٍ" یا اس وقت نیک کاموں کو یہ سوچ کر ٹال رہے ہو کہ ابھی تو میں جوان ہوں لہٰذا نیک کاموں کی کیا جلدی ہے، ابھی تو جوانی میں کچھ لذتیں حاصل کرلیں، جوانی کا کچھ مزہ لے لیں، جوانی میں عیش و عشرت کرلیں، جب ذرا عمر ڈھل جائے گی، اس وقت ان شاء اللہ توبہ بھی کریں گے اور نیکیاں بھی کریں گے، تہجد بھی پڑھیں گے، مسجد میں بھی جایا کریں گے، صدقہ و خیرات بھی کریں گے۔ آج یہ تصور بے شمار نوجوانوں کے ذہن میں رہتا ہے کہ ارے بھائی جوان ہیں، نیک کام کرنے کی کیا جلدی ہے اور یہ لوگ ان نوجوانوں کو ملامت کرتے ہیں جو اللہ کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔ اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ کیا تم ایسے بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو جو تمہیں سٹھیاڈالے، جب بڑھاپا آئے گا تو اس وقت تمہاری یہ حالت ہوگی کہ نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت، نہ کام کرنے کی طاقت اور قوت، اس وقت اگر کوئی نیک کام کرنا بھی چاہوگے تو حسرت کے سوا اور کیا ہوگا، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

وقتِ پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبریست

ارے بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے اور بکریوں کو کھانے سے توبہ کرلیتا ہے، لیکن وہ اس لیے توبہ کرتا ہے کہ اب چیر پھاڑ کرنے کی طاقت ہی نہیں رہی، اب اگر بکری پر حملہ کرنا چاہے تب بھی نہیں کرسکتا، تو اب توبہ کرکے بیٹھ گیا تو کیا توبہ ہوئی؟ لہٰذا بڑھاپے میں توبہ کرلینا کوئی کمال نہیں، اس لیے کہ بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی توبہ کرلیتا ہے، پرہیزگار بن

جاتا ہے، ہاں جوانی کی حالت میں توبہ کرنا، اللہ کے حکم کی خاطر اپنے نفس کی خواہشات کو کچلنا اور پامال کرنا یہ ہے پیغمبروں کا شیوہ۔

یہ ہے شیوۂ پیغمبری

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھیے کہ بھرپور جوانی ہے اور صحت کے اعلیٰ مقام پر ہیں، حسن جمال کے اعلیٰ مقام پر ہیں، یہاں تک کہ دل میں گناہ کا خیال بھی آرہا ہے، لیکن خیال آنے کے باوجود اپنے کو اس گناہ سے بچایا، یہ ہے شیوۂ پیغمبری۔ اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ کیا تم نیک کاموں کے لیے بڑھاپے کا انتظار کررہے ہو، جب کہ اس وقت تم کچھ کرنے کے قابل نہیں رہو گے۔

کیا موت کا انتظار کررہے ہو؟

پھر فرمایا ''اَوْ مَوْتٍ مُجْهِزٍ'' کیا تم نیک کاموں کو ٹال کر موت کا انتظار کررہے ہو، یاد رکھو موت تمہارے پاس اچانک آجائے گی، وہ سب قصہ ختم کردے گی، پھر فرمایا ''اَوِ الدَّجَّالَ، فَشَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ'' یا تم نیک کاموں کو ٹال کر دجال کا انتظار کررہے ہو کہ جب دجال آجائے گا تو میں نیک کام کروں گا۔ ارے دجال تو وہ ہے کہ جتنی غائب چیزوں کا انتظار کررہے ہو ان میں سے بدترین چیز ''دجال'' ہے، جب دجال کا فتنہ آئے گا تو اس وقت پریشانی میں مبتلا ہوجاؤ گے اور نیکی کا موقع نہیں ملے گا، خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے فتنے سے پناہ مانگی۔ آگے فرمایا: کیا تم قیامت کا انتظار کررہے ہو؟ ''اَوِ السَّاعَةِ، فَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ'' کہ جب قیامت آئے گی اس وقت نیک کام کریں گے، وہ قیامت تو بڑی مصیبت کی چیز ہے، اس وقت تو عمل کا دروازہ ہی بند

ہوجائے گا۔ بہرحال! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ کس چیز کا انتظار کررہے ہو؟ اپنی اصلاح کے لیے، نیکیوں کی طرف بڑھنے کے لیے، گناہوں سے بچنے کے لیے اور تقویٰ اختیار کرنے کے لیے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار بنانے کے لیے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کے لیے آخر کون سے وقت کا انتظار کررہے ہو؟ کچھ نہیں! بلکہ ہم لوگ اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ صحت ہمیشہ رہے گی اور فراغت ہمیشہ رہے گی۔

خلاصہ

بہرحال! یہ حدیث توجہ دلارہی ہے کہ اس زندگی کے جو لمحات اللہ جل شانہٗ نے ہمیں عطا فرمائے ہوئے ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے اس کو تول تول کر خرچ کرو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں خرچ کرو اور نفس و شیطان سے مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کرو، خواہشات کے غلام نہ بنو کہ جو جی میں آیا بس اس کے پیچھے چل پڑے، جو شخص نفس کا غلام ہو کر زندگی گزارے تو یہ کوئی زندگی نہیں، ایسی زندگی سے اللہ کی پناہ مانگو، کوشش بھی کرو، اس کے لیے دعا بھی کرو کہ اوقات زندگی صحیح مصرف پر خرچ ہوں اور صحت و فراغت کے لمحات کی قدر ہو اور اس کو صحیح طریقے پر خرچ کرنے کی توفیق ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اسراف اور اس کا علاج

(اصلاحی مجالس ۵ / ۱۴۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسراف اور اس کا علاج

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

اسراف سے بچنے کی ترکیب

اس ملفوظ پر حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''اسراف سے بچنے کی ترکیب'' کا عنوان لگایا ہوا ہے، ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کسی مرید کو کچھ نصیحتیں فرمائیں جو اس ملفوظ میں درج ہیں، اگر ان نصیحتوں پر عمل کر لیا

جائے تو ان شاء اللہ اسراف سے نجات مل جائے گی اور چونکہ نصیحتیں عام نوعیت کی ہیں، اس لیے ان پر عمل کرنے سے دوسری خرابیوں سے بھی نجات مل جائے گی، چنانچہ پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ

(۱) اہل اللہ کا مذہب رکھو، وضع دار لوگوں کا مت رکھو،
رسم ورواج کے ذرا بھی مقیّد نہ ہو۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۹۲)

اہل اللہ کی تواضع اختیار کرو

اللہ تعالیٰ نے مباحات کا دائرہ وسیع رکھا ہے، لیکن ان مباحات میں کچھ مباحات ایسے ہیں جن کو ہر دور کے اہل اللہ اختیار کر لیتے ہیں، پھر ان مباحات کے اختیار کرنے میں برکت ہوتی ہے، البتہ یہ بات نہیں ہے کہ ان مباحات کے خلاف کرنے میں گناہ ہے اور نہ ہی اہل اللہ کے اختیار کیے ہوئے طریقے مسنون ہونا ضروری ہے، مثلاً ''لباس'' ہے۔ لباس کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ''مباحات'' کا دائرہ بہت وسیع رکھا ہے، کسی خاص لباس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں پابند نہیں کیا کہ یہ لباس پہنو، شریعت نے ہم پر ایسی پابندی نہیں لگائی۔

رسم اور فیشن کے مقید مت بنو

اب ایک ''لباس'' وہ ہے جسے علماء نے اور اہل اللہ نے اختیار کیا ہوا ہے اور ایک لباس وہ ہے، جسے عام لوگوں نے اختیار کیا ہوا ہے، جو لباس عام لوگوں نے اختیار کیا ہوا ہے وہ بھی کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ وہ بھی مباحات کے اندر داخل ہے۔ مثلاً کسی خاص قسم کے لباس کا ایک فیشن چلا ہوا ہے، جس میں کوئی محظور شرعی نہیں ہے۔ مثلاً شلوار قمیض کا سوٹ اور اور اس پر واسکٹ پہنتے ہیں،

اس کا فیشن چلا ہوا ہے، یہ کوئی گناہ یا ناجائز نہیں ہے، بلکہ یہ بھی مباحات میں داخل ہے اور جو لباس علماء کرام، بزرگان دین اور اہل اللہ نے اختیار کیا ہوا ہے وہ بھی مباحات میں ہے، لیکن تم اس بات کی کوشش کرو کہ اہل اللہ کا طریقہ اختیار کرو اور وضع دار لوگوں کا مذہب اور طریقہ اختیار مت کرو۔ ''وضع دار'' سے مراد ہیں ''فیشن والے'' اور رسم رواج کے مقید نہ بنو، یعنی یہ مت دیکھو کہ آج کل تو ایسے لباس کا فیشن چل رہا ہے، یہ لباس پہننا چاہیے اور فلاں لباس آؤٹ آف فیشن ہوگیا ہے، اس لیے اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔

بزرگوں کے لباس کی نقل کرنا

اب یہاں چند باتیں سمجھنے کی ہیں جس میں ہمارے یہاں افراط اور تفریط پائی جاتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جو لوگ اہل اللہ کے لباس کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً اہل اللہ کی دو پلی ٹوپی دیکھ کر یا ان کی گول ٹوپی دیکھ کر ان کی نقل کرتے ہیں یا اہل اللہ کا سلیم شاہی جوتا دیکھ کر اس کی نقل کرتے ہیں یا اہل اللہ کے کرتے جیسا کرتا پہننے کی کوشش کرتے ہیں، خاص طور پر جب کوئی شخص نیا نیا دین کے قریب آتا ہے تو وہ بزرگوں کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا ہے۔

اب لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بزرگوں کے لباس اور پوشاک کی نقل کرنے اور اس کا اہتمام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا حضورِ اقدس ﷺ نے دو پلی ٹوپی پہنی تھی؟ کیا آپ ﷺ نے ایسی قمیض اور ایسی شلوار پہنی تھی۔ قمیض کے بارے میں تو اتنا کہہ سکتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ سے مختلف تھی، ہماری قمیض اونچی ہوتی ہے، آپ ﷺ کی قمیض نیچی ہوتی تھی،

اسی طرح شلوار پہننا حضورِ اقدس ﷺ سے ثابت نہیں، البتہ شلوار کو پسند کرنا ثابت ہے(۱)، لیکن یہ ٹوپی اور جوتا پہننا حضورِ اقدس ﷺ سے ثابت نہیں، یہ صدری اور یہ واسکٹ پہننا ثابت نہیں، لہٰذا لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب یہ چیزیں پہننا سنت نہیں ہے تو پھر لوگ ان کی طرف کیوں اتنا التفات کرتے ہیں اور ان کے پہننے کا اتنا اہتمام کیوں کرتے ہیں؟

اس کو سنت سمجھنا غلط ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اہتمام اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان چیزوں کو پہننا سنت ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص دو پلی ٹوپی یا پانچ کلی کی ٹوپی اس نیت سے پہنے کہ یہ سنت ہے تو اس کا پہننا بدعت اور گناہ ہوگا، بلکہ ان کے پہننے کا اہتمام اس وجہ سے ہے کہ ہر دور کے صلحاء اور علماء جو لباس اختیار کرتے ہیں، اس کے پہننے میں فائدہ یہ ہے کہ ایسا لباس پہننے کے نتیجے میں ان سے قرب حاصل ہوتا ہے اور ان سے مشابہت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ذریعے فال نیک ہوتی ہے کہ جب ہم نے ان کا لباس اختیار کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اخلاق اور ان کی سیرت اپنانے کی بھی توفیق عطا فرمائیں گے۔ لہٰذا اس لباس کو سنت سمجھ کر اختیار کرنا تو غلط ہے اور اس کو ضروری سمجھ کر اختیار کرنا تو بہت ہی غلط ہے۔

حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

مثلاً ہمارے بزرگوں نے اس کا اہتمام کیا کہ جب بھی جوتا پہنیں گے تو

(۱) الآداب للبیہقی ص۲۰۸ (۵۱۱) طبع موسسۃ الکتب بیروت۔

سلیم شاہی پہنیں گے۔ حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دار العلوم دیوبند کے مہتمم تھے، حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ ماجد تھے، اس زمانے میں ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی اور برطانیہ کی طرف سے حکمران مقرر ہوتا تھا، اس کو ''وائسرائے'' کہا جاتا تھا، اس نے سرکاری اعزاز کے طور پر حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ''شمس العلماء'' کا خطاب دیا تھا۔ ایک مرتبہ اس وائسرائے نے حضرت والا کو ملاقات کے لیے دہلی بلایا، اب حاکمِ وقت نے اعزاز کے ساتھ بلایا تھا، اس لیے آپ ملاقات کے لیے تشریف لے گئے، جب اس محل میں داخل ہونے لگے تو دروازے پر جو جنٹلمین دربان تھا، اس نے آپ کو روک لیا اور کہا کہ یہ جوتا جو آپ پہنے ہوئے ہیں، اس کو پہن کر اندر نہیں جا سکتے۔ آپ اس وقت دھوڑی کا جوتہ پہنے ہوئے تھے، آج کل سلیم شاہی ناگرا جو رائج ہے، یہ تو بہت نازک قسم کا ہوتا ہے، وہ دھوڑی کا جوتہ بہت موٹا ہوتا تھا۔ بہر حال! اس نے کہا کہ آپ وائسرائے سے ملنے کے لیے جوتا پہن کر نہیں جا سکتے بلکہ آپ کو بوٹ پہننے پڑیں گے۔

مجھے ملاقات کا شوق نہیں

حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے خود تو وائسرائے سے ملنے کی درخواست نہیں دی ہے کہ میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا مجھے ملاقات کرنے کی کوئی حاجت نہیں البتہ انہوں نے ہی مجھے ملاقات کے لیے بلایا ہے، اب اگر وہ ملاقات کے لیے یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ میں اپنی مرضی کا جوتا اتار دوں اور ان کی مرضی کا جوتا پہنوں تو پھر مجھے ان کی ملاقات کی یہ دعوت قبول نہیں، میں معذرت خواہ ہوں اور اگر میری مرضی کے لباس میں مجھ سے ملنے کو

تیار ہوں تو میں بھی تیار ہوں، میرا یہ پیغام ان تک پہنچا دو، اگر نہیں ملنا چاہتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں اور اپنا منہ موڑ لیا۔

اب اس دربان کی ساری جنٹلمینی دھری رہ گئی، اس نے سوچا کہ جب وائسرائے کو یہ اطلاع ملے گی کہ مولانا صاحب تشریف لائے تھے اور اس وجہ سے واپس چلے گئے تو میری اپنی کھچائی نہ ہو جائے، چنانچہ اس نے جاکر اندر اطلاع دی کہ اور مولانا نے اس دربان سے جو کہا تھا اس نے وائسرائے کو بیان کردیا، جس پر وہ وائسرائے بھی ناراض ہوئے اور دربان سے کہنے لگے کہ تم نے مولانا کے ساتھ کیا حرکت کی، ان کو فوراً اندر بلالو، چنانچہ آپ کو فوراً اندر بلوالیا۔

آپ نے ایسا جوتا کیوں اختیار کیا؟

اب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا جوتا پہننے کا اہتمام کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ سنت تھا، لہٰذا کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ ایسا جوتا پہننا کون سا فرض و واجب تھا، اگر اس وقت وہ دوسرے جوتے پہن کر چلے جاتے تو کوئی حرام اور گناہ نہیں تھا، لیکن دو وجہ سے اس جوتے کے پہننے کا اہتمام کیا، ایک وجہ یہ تھی کہ آپ نے علماء اپنے اساتذہ، اپنے صلحاء و مشائخ کو ایسا جوتا پہنتے دیکھا تھا تو ان کی سی صورت اختیار کرنے کی کوشش کی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ بات وقار کے خلاف تھی کہ ایک طرف عالم کو بلایا جارہا ہے اور دوسری طرف شرطیں عائد کی جارہی ہیں کہ ایسا لباس اور ایسا جوتا پہن کر آؤ ورنہ داخل نہیں ہونے دیں گے، چونکہ یہ بات وقار کے خلاف تھی، اس لیے حضرت والا نے اس کو گوارہ نہیں فرمایا۔

کیا اہتمام بدعت ہے؟

اب بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم لوگ جو یہ اہتمام کرتے ہو کہ ایسا لباس ہو، ایسا کرتا ہو، ایسی شلوار ہو، ایسا جوتا ہو، ایسی ٹوپی ہو، یہ اہتمام کرنا بدعت ہے، کیونکہ سنت سے ایسا لباس، ایسا جوتا، ایسی ٹوپی ثابت نہیں اور تم ان چیزوں کا ایسا التزام کر رہے ہو، جیسا التزام سنتوں کا اور واجبات کا ہوتا ہے، لہٰذا یہ ''التزام مالا یلزم'' ہے اس لیے یہ بدعت ہے۔

محبوب کی شباہت

یہ بات درست نہیں، اس لیے کہ اس لباس کا اور اس جوتے کا اور اس ٹوپی کا سنت یا واجب ہونے کی وجہ سے التزام نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ اس لیے التزام کیا جا رہا ہے کہ یہ ہمارے بزرگ، ہمارے اساتذہ اور ہمارے مشائخ کا طریقہ ہے، اگر ہم ان کا طریقہ اختیار کریں گے تو ان کی صورت بنانے کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہماری سیرت بھی ان جیسی بنا دیں گے ۔

تیرے محبوب کی یا رب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کر آیا ہوں

بزرگوں کا لباس اختیار کرنے سے بس یہی مشابہت مقصود ہوتی ہے اور کچھ مقصود نہیں ہوتا۔

التزام کرنا بدعت ہے

دوسری طرف بعض لوگوں نے واقعۃً ایسا سمجھ لیا ہے کہ یہ ہیئت اور یہ لباس

اختیار کرنا فرض و واجب ہے یا کم از کم سنتِ مؤکدہ تو ضرور ہے، اگر کوئی شخص اس لباس اور اس ہیئت سے انحراف کرے تو اس پر نکیر کی جاتی ہے، ملامت کی جاتی ہے کہ اس نے یہ لباس کیوں اختیار کیا؟ یہ اہتمام اور التزام واقعۃً اس ہیئت اور لباس کو بدعت بنا دیتا ہے۔ مثلاً نکیر کرنا فلاں شخص نے پنج گوشہ ٹوپی کیوں نہیں پہنی؟ اس نے فلاں قسم کا جوتا کیوں نہیں پہنا؟ اس نے فلاں طرز کا لباس کیوں نہیں پہنا؟ لہٰذا جب اس لباس اور اس ہیئت کے ترک پر اس طرح کی نکیر ہونے لگے جس طرح فرائض و واجبات کے ترک پر نکیر ہوتی ہے تو یہی لباس اور ہیئت بدعت بن جائے گا، بعض اوقات یہ بات ہمارے طبقے میں پیدا ہوجاتی ہے۔ اصل بات تو وہاں سے چلی تھی کہ اہل اللہ کا لباس اختیار کرو، اس میں برکت ہے، لیکن آگے چل کر اس لباس کو اتنی اہمیت دے دی کہ وہ فرائض و واجبات کا درجہ اختیار کر گیا، اس وجہ سے وہ لباس بدعت بن گیا، یہ بڑی خطرناک بات ہے۔

غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے

ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی عجیب بات فرمایا کرتے تھے اور یہ بات ویسی ہی نہیں فرمائی بلکہ پہلے علماء کی کئی مجلسوں میں اس کی تصدیق کرائی اور ان علماء کے سامنے آپ نے فرمایا کہ میرے ذہن میں ایک بات آتی ہے، آپ حضرات سوچ کر بتائیں کہ وہ بات صحیح ہے یا غلط ہے؟ جب آٹھ دس علماء کی مجلسوں میں اس کی تصدیق ہوگئی کہ یہ بات بالکل صحیح ہے، اس کے بعد اس بات کو بطور قاعدہ کے آپ نے لوگوں کے سامنے بیان فرمایا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ

"غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے"

یعنی جس کام کو شریعت نے منکر اور حرام اور ناجائز قرار نہیں دیا، اگر کوئی شخص وہ کام کر رہا ہے تو اس پر طعن و تشنیع کرنا اور اس کو برا بھلا کہنا خود منکر ہے اور قابلِ ترک ہے۔

زیرِ تربیت افراد کا معاملہ الگ ہے

یہ قاعدہ جو بیان کیا جا رہا ہے وہ عام انسانوں کے ساتھ عمل کا بیان کیا جا رہا ہے، جہاں تک ان افراد کا تعلق ہے جو انسان کے زیرِ تربیت ہیں، جیسے استاذ کے لیے شاگرد، شیخ کے لیے مرید اور باپ کے لیے اولاد، ان کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہوتا ہے، کیونکہ بعض اوقات ان کو مستحبات کا بھی پابند کیا جاتا ہے اور ان سے کہا جاتا ہے کہ ان مستحبات کو ادا کرو پھر ان مستحبات کے ترک پر نکیر بھی کی جاتی ہے۔ چونکہ ان افراد کو مستحبات کے پابند بنانے کا مقصد ان کی تربیت ہے تاکہ ان کو مستحبات کے ادا کرنے کی عادت پڑے، لہٰذا زیرِ تربیت افراد اس قاعدے کے اندر داخل نہیں۔ مثلاً اگر کسی شاگرد پر یا مرید پر یا اپنی اولاد پر کسی مستحب کے ترک پر نکیر ہو رہی ہے تو یہ نکیر کرنا درست ہے۔

کیا تم خدا ہو؟

لیکن عام آدمی جو تمہارے زیرِ تربیت نہیں، اس کے بارے میں آپ یہ چاہیں کہ یہ بھی ایسا ہی ہو جائے جیسا میں ہوں جیسا میں چاہتا ہوں تو تم پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم خدا ہو؟ یا تم اللہ کے پیغمبر ہو؟ یا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کا ٹھیکے دار بنایا ہے کہ ہر انسان تمہارے جیسا ہو جائے؟ بلکہ شریعت نے جو دائرہ

مقرر کیا ہے، اگر ایک انسان اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے کسی مباح کام پر عمل کر رہا ہے تو تمہیں نکیر کرنے کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی اس مباح پر عمل کرنے والے کو برا سمجھنے کا حق ہے۔

اہل اللہ کی نقل اتارو

بہر حال! اہل اللہ کا طریقہ اختیار کرنے کی فکر کرنی چاہیے، اسی میں برکت ہے، اسی میں خیر ہے، اسی میں حفاظت ہے اور اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ سیرت و کردار بھی ان جیسی بنانے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں بشرطیکہ اس نیت سے اس طریقے کو اختیار کیا جائے کہ ہم ظاہر میں اہل اللہ کی نقل اتاریں گے تو یہ فال نیک ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں باطن میں بھی ان جیسا بنا دیں گے۔

نیت کی خرابی سے وبال کا اندیشہ

لیکن اگر بزرگوں کی نقل اس نیت سے کی جائے تاکہ ذرا ہم بھی دیکھنے میں بزرگ معلوم ہوں اور اس نتیجے میں لوگوں کی نگاہوں میں ہماری عزت ہو تو اس نیت کے نتیجے میں الٹا وبال کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا نیت یہ ہونی چاہیے کہ ان کی صورت اختیار کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان جیسی سیرت بھی عطا فرما دیں گے۔

وضع داری اچھی چیز نہیں

دوسرا جملہ حضرت والا نے یہ ارشاد فرمایا کہ ''وضع دار لوگوں کا مذہب مت رکھو''۔ ''وضع داری'' کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے اپنا خاص طریقہ بنالیا کہ میں ہمیشہ اس انداز کی ٹوپی پہنوں گا، ہمیشہ ایسا کرتا پہنوں گا، ایسا پاجامہ پہنوں گا،

ایسا موزہ پہنوں گا، ایسا جوتا پہنوں گا اور پھر اس خاص لباس کا اتنا اہتمام کرلیا کہ وہ لباس اس آدمی کی پہچان بن گیا۔ یہ ہے ''وضع داری'' اس کے بارے میں حضرت والا فرماتے ہیں کہ طریقِ سلوک کے اندر یہ چیز اچھی نہیں، کیونکہ اس کے نتیجے میں لوگوں کی انگلیاں اٹھتی ہیں اور لوگ اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص ایسا وضع دار ہے کہ جب بھی یہ شخص ٹوپی پہنے گا تو اس انداز کی پہنے گا، یہ شخص ہمیشہ سفید شیروانی پہنے گا، ایسا جوتا پہنے گا، اس پر حضرت والا فرماتے ہیں کہ ایسا کام کیوں کرتے ہو جس کے نتیجے میں لوگوں کے درمیان تمہارا امتیاز پیدا ہو، بلکہ وقت پر جیسا میسر آجائے وہ اختیار کرلو اور جس وقت جس لباس میں راحت معلوم ہو وہ پہن لو۔

اکبر الٰہ آبادی کا ایک واقعہ

اکبر الٰہ آبادی مرحوم جو مشہور شاعر گزرے ہیں، میں نے ان کے بارے میں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک دن لوگوں نے ان کو سڑک پر اس طرح جاتے ہوئے دیکھا کہ تہبند پہنا ہوا ہے اور اس کے اوپر کالر والی شرٹ پہنی ہوئی ہے اور سر پر ہیٹ پہنا ہوا ہے، اب جو شخص بھی ان کو اس حالت میں دیکھتا تو اس کو ایک ہیولیٰ نظر آتا، اس لیے کہ لباس میں کوئی مطابقت نہیں تھی، کسی نے ان سے پوچھ لیا کہ جناب! یہ آپ کیسا لباس پہنے جارہے ہیں؟ جواب میں انہوں نے کہا کہ تمہیں کیا اعتراض ہے بھائی؟ ہمیں جس چیز میں راحت معلوم ہوئی وہ ہم نے پہن لی، ہمیں اس وقت تہبند پہننے میں راحت معلوم ہورہی تھی، اس لیے تہبند پہن لی اور کالر شرٹ پہننے میں راحت معلوم ہورہی تھی، وہ شرٹ پہن لی اور دھوپ سے بچنے کے لیے سر پر ہیٹ پہن لیا، جس چیز میں راحت معلوم ہوئی وہ پہن لیا، آپ کو کوئی اعتراض ہے؟

من بھاتا کھاؤ، من بھاتا پہنو

لوگوں میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ کھائے من بھاتا اور پہنے جگ بھاتا، یعنی وہ چیز کھائے جو آدمی کے دل کو اچھی لگے، یہ نہ ہو کہ اچھی تو دوسروں کو لگ رہی ہے اور کھا تم رہے ہو، یہ فضول بات ہے، لہٰذا وہ چیز کھاؤ جو تمہارے من کو بھائے، تمہارے دل کو اچھا لگے، جس کا ذائقہ پسند ہو اور پہنے وہ لباس جو ساری دنیا کو پسند ہو، اس لیے کہ جگ سے مراد زمانہ ہے، یعنی زمانہ جس لباس کو پسند کرے وہ پہنو۔ لوگوں میں یہ مقولہ مشہور ہے۔

لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مقولہ درست نہیں، بلکہ انسان کھائے بھی من بھاتا اور پہنے بھی من بھاتا، یعنی جو اصول کھانے میں ہے وہی اصول پہننے میں ہے، جو کھانا تمہیں پسند ہے وہ کھاؤ اور جو لباس تمہیں پسند ہے وہ پہنو۔ یہ نہ ہو کہ تمہیں تو کوئی اور لباس پسند آ رہا تھا، لیکن زمانے نے فیشن بدل دیا، لہٰذا اب تم نے زمانے کی تقلید میں ایسا لباس پہن لیا جو تمہیں پسند نہیں تھا۔ یہ حماقت کی بات ہے۔

زمانے کی تقلید میں اسراف ہے

اور زمانے کی تقلید کرنے میں ''اسراف'' لازمی ہے، کیونکہ جو کپڑے پہلے بنائے تھے، وہ اب بے کار ہو گئے اور ان کے استعمال کرنے کا مصرف نہیں رہا، اس لیے اب نئے کپڑے سلوائے جائیں گے، لہٰذا اس فیشن پرستی کا ایک لازمی نتیجہ ''اسراف'' ہے۔

دو باتیں اختیار کرلو

بہر حال! حضرت والا کے ملفوظات پڑھ کر جو بات سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں علماء اور صلحاء کا لباس اور ان کا طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ نیت ہونی چاہیے کہ ان کا لباس اس لیے اختیار کر رہا ہوں، تاکہ اللہ تعالیٰ ان جیسی صورت اختیار کرنے کی برکت سے ان جیسی سیرت بھی عطا فرما دیں، لیکن اس لباس اور اس طریقے کو سنت اور واجب نہیں سمجھنا چاہیے لہٰذا اگر دوسرا آدمی اس لباس کے علاوہ دوسرا طریقہ اختیار کیے ہوئے ہے اور وہ طریقہ مباحات کے دائرے میں ہے تو اس پر نہ تو نکیر کرے اور نہ ہی اس کو برا سمجھے اور دوسری بات یہ ہے کہ کسی خاص طریقے کا ایسا التزام کہ کبھی اس سے تخلف ہی نہ ہو یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں، بلکہ جس وقت جیسا لباس میسر ہو وہ لباس اختیار کرلے، کبھی ایسی ٹوپی پہن لی، کبھی ویسی ٹوپی پہن لی، کبھی ایسا جوتا پہن لیا، کبھی ویسا جوتا پہن لیا، ایک لباس کا بہت زیادہ اہتمام نہ ہونا چاہیے، کیونکہ اس اہتمام میں ایک طرف تو "التزام مالا یلزم" کا خطرہ بھی ہے اور دوسری طرف اس اہتمام سے امتیاز پیدا ہوتا ہے اور یہ انسان کی بے تکلفی اور تواضع کے بھی منافی ہے۔

قرض لینے سے پرہیز کرو

دوسری نصیحت حضرت والا نے یہ فرمائی کہ

(۲) بلاضرورت ہرگز مقروض مت بنو، گو رسم و رواج کے خلاف کرنا پڑے، مقروض ہونے سے بڑی پریشانی ہوتی ہے جس کا انجام بہت برا ہے، ہر مسلمان کو وہی مذہب

رکھنا چاہیے جو اہل اللہ کا ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۹۲)

اس نصیحت میں ''اسراف'' سے بچنے کا بڑا زبردست قاعدہ بیان فرمایا دیا، وہ یہ کہ ''قرض'' سے بھاگو اور شدید ضرورت کے بغیر قرض نہ لو، کسی وقت پیٹ پر پتھر باندھنا پڑ جائے تو وہ گوارا کرلو، لیکن قرض لینا گوارا نہ کرو۔ اگرچہ بعض اوقات آدمی بھوک سے مجبور ہوجاتا ہے تو بہر حال لینا پڑتا ہے، اس وقت اگر کوئی لے لے تو کوئی حرام اور ناجائز نہیں، لیکن اپنی ذہنیت یہ بناؤ کہ کسی غیر اللہ کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا، نہ تو مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلانا ہے اور نہ ہی قرض کے لیے، یہ ذہنیت بنالو۔

اخراجات کم کرلو

جب تم یہ اصول بنالو گے کہ قرض نہیں لینا تو پھر خود بخود تمہیں اخراجات کم کرنے پڑیں گے، اب اس صورت میں اخراجات آمدنی کے دائرے میں کرنے پڑیں گے، کیونکہ اس سے زیادہ اخراجات کرے گا تو آدمی کو قرض لینا پڑے گا اور یہ اصول بنالیا ہے کہ قرض لے کر کوئی کام نہیں کرنا۔

استطاعت کم کام زیادہ

ہمارے معاشرے میں یہ زبردست فساد پھیلا ہوا ہے کہ آدمی کی استطاعت تو تھوڑی ہے اخراجات زیادہ ہیں اور وہ اخراجات چونکہ تھوڑی آمدنی میں پورے نہیں ہوتے تو ان کے لیے قرض لیتا ہے اور پھر قرض در قرض ہوتے ہوتے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ یہ قرض لینے کی خرابی ہمارے اندر انفرادی سطح پر ہوتی تھی مگر اب اجتماعی سطح پر ہمارا پورا ملک قرضوں پر چل رہا ہے۔

چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ

پہلے بزرگ کہا کرتے تھے کہ ”چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ“ یعنی یہ دیکھو کہ چادر کتنی ہے، پھر جتنی چادر ہے اتنے پاؤں پھیلاؤ، اس سے آگے مت پھیلاؤ۔ آج کا اصول یہ ہے کہ پاؤں پہلے پھیلاؤ اور پھر اس کے مطابق چادر بعد میں تلاش کرو اور اگر چادر نہ ملے تو بھیک مانگو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج پوری کی پوری قوم مقروض ہے، آج ہمارے ملک کے بجٹ کا ۴۶٪ حصہ صرف قرضوں کی ادیگی میں جاتا ہے۔ شیطان نے سود کا ایسا چرخہ چلایا ہے کہ آج پوری دنیا قرض کے اندر ڈوبی ہوئی ہے، صرف پاکستان ہی نہیں، بلکہ امریکہ بھی اتنے بڑے قرض میں ڈوبا ہوا ہے کہ کوئی حد و حساب نہیں، لیکن چونکہ وہ امیر ملک ہے، اس لیے فی الحال وہ اس قرض کو برداشت کر رہا ہے، مگر یہ ایک ایسا غبارہ ہے جو کسی وقت پھٹ جائے گا۔ ہمارا ملک چونکہ غریب ہے، اس لیے ان قرضوں کا بوجھ ہمارے اوپر بہت زیادہ ہے، اس وقت ہماری آزادی اور ہماری عزت ہر چیز داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ بہر حال، بلاوجہ قرض نہ کرو۔

مقروض کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک جنازہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نمازِ جنازہ کے لیے لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ ان پر قرض ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ جی ان پر قرض ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"صلوا علی صاحبکم"[۱]

یعنی تم ہی اپنے ساتھی پر نماز پڑھ لو، میں نہیں پڑھتا۔

ایک طرف تو یہ حدیث یاد رکھنی چاہیے۔

معمولی خاتون کی قبر پر نماز جنازہ

دوسری طرف وہ حدیث یاد رکھنی چاہیے کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ ایک خاتون جو مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی، وہ بہت دن سے نظر نہیں آرہی ہے، کہاں گئی؟ ایک روایت ہے کہ مرد تھا، ایک روایت ہے میں ہے کہ عورت تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! اس کا انتقال ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیں بتایا نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ وہ ایسا وقت تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس وقت نماز جنازہ میں شریک ہونے میں زحمت ہوتی، اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہیں بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ایسا نہ کرو، بلکہ جب کسی کا انتقال ہوجائے تو مجھے بتاؤ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا اس کی قبر دکھاؤ، کہاں ہے؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور قبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن هذه القبور مملوة ظلمًا فينورها الله بصلاتی[۲]

---

(۱) صحیح البخاری ۳/۹٤(۲۲۸۹).

(۲) صحیح مسلم ۲/٦٥۹(۹٥٦)۔ ومسند احمد ۱٥/۱٤(۹۰۳۷).

یعنی یہ قبریں اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ
میری نماز پڑھنے کی برکت سے ان میں نور پیدا فرما
دیتے ہیں۔

اسی لیے علماء حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، کوئی دوسرا شخص قبر پر جاکر نماز نہ پڑھے، اس لیے کہ ولی کے علاوہ دوسرے شخص کے لیے قبر پر نماز پڑھنا جائز نہیں، البتہ اگر ولی نے نماز جنازہ نہیں پڑھی تو اس کے لیے قبر پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے[1]۔

دیکھیے! ایک طرف تو یہ حال ہے کہ ایک ایسی خاتون جس کی نماز جنازہ پڑھادی گئی ہے اور اس کو دفن کر دیا گیا، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں اس کے انتقال کی خبر نہیں آئی، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے انتقال کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ قبرستان جاکر اس کی نمازِ جنازہ پڑھی تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو نور سے بھر دے۔

دوسری طرف یہ حال ہے کہ جنازہ سامنے رکھا ہے، اس لیے رکھا ہے تاکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نماز جنازہ پڑھیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان پر نماز پڑھ لو، میں نہیں پڑھتا، کیونکہ ان کے ذمہ قرض ہے۔

قرض کا ذمہ لینے کے بعد نماز جنازہ پڑھائی

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان کا قرض میں اپنے ذمے لیتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا پورا قرض اپنے

(۱) البنایة شرح الهدایة للعینی ۲۱۳/۳، طبع دار الکتب العلمیة.

ذمے لیتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں یا رسول اللہ! میں پورا قرض اپنے ذمہ لیتا ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی[1]۔

واپس کرنے کی طاقت نہ ہونے کے باوجود قرض کیوں لیا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو مقروض آدمی کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا، اس کی کیا وجہ تھی؟ بظاہر تو وہ شخص دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ستم رسیدہ تھا اور دوسروں کے مقابلے میں رحم کا زیادہ مستحق تھا، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، اس سے اس طرف توجہ دلائی کہ جب قرض واپس کرنے کی استطاعت نہیں تھی تو پھر قرض لیا ہی کیوں تھا؟ معلوم ہوا کہ بلا ضرورت قرض لینا اور یہ معلوم ہوتے ہوئے قرض لینا کہ میں واپس ادا نہیں کرسکوں گا، یہ اتنی وبال کی بات ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ سے محرومی کا ذریعہ ہے، لہٰذا کسی شخص کو بھی حتی الامکان قرض لینے کا اقدام نہیں کرنا چاہیے۔

ہمارے معاشرت میں قرض کی وبا

آج ہمارے معاشرے کے اندر اس معاملے میں بڑی افراط وتفریط پائی جارہی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے طبقے میں جو دیندار طبقہ کہلاتا ہے اس میں خاص طور پر یہ وبا عام ہورہی ہے، نہ تو اس کا اہتمام ہے کہ قرض ہی نہ لیں اور نہ ہی اس کا اہتمام ہے کہ اگر قرض لیا ہے تو وقت پر ادا کردیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سالہا سال گزر جاتے ہیں اور قرض واپس نہیں ہوتا۔ اس لیے میں حتی

---

(۱) صحیح البخاری ۹۴/۳ (۲۲۸۹).

الامکان اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ کسی کو قرض نہ دینا پڑے، اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرنے کی جو توفیق دیتے ہیں وہ کر دیتا ہوں، لیکن قرض دینے سے بچتا ہوں، اس لیے کہ قرض دینے کے بعد اس کا حساب لکھو پھر ہر وقت دماغ پر یہ فکر سوار ہے کہ وہ قرض واپس آئے گا اور وہ واپس آتا نہیں، ساری زندگی میں چند واقعات کے علاوہ مجھے یاد نہیں کہ کوئی آدمی قرض لے کر واپس کر گیا ہو، حالانکہ قرض لے جانے والے اچھے خاصے دیندار، عالم وفاضل اور بزرگوں کی صحبت میں عمریں گزار دینے والے، قرض لے کر گئے مگر آج تک پتہ نہیں کہ وہ قرض کہاں گیا۔

آج گناہ کے لیے قرض لیے جاتے ہیں

بہر حال! اول تو آدمی قرض کیوں لے؟ اگر لے تو پھر وقت پر ادائیگی کا اہتمام کرے۔ اس لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس ملفوظ میں فرما رہے ہیں کہ ”بلا ضرورت ہرگز مقروض مت بنو، گو رسم و رواج کے خلاف کرنا پڑے“ یعنی اس لیے قرض لے رہے ہیں کہ ہمارے ہاں فلاں موقع پر دعوت کی جاتی ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرنے کے لیے قرض لے رہے ہیں۔ آگے فرمایا کہ ”مقروض ہونے سے بڑی پریشانی ہوتی ہے جس کا انجام بہت برا ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو وہی مذہب رکھنا چاہیے جو اہل اللہ کا ہے۔“ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اعتدال کے ساتھ زندگی گزاریں

(اصلاحی خطبات ۱۷/۱۸۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعتدال کے ساتھ زندگی گزاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال: أنَّ رَسولَ اللّٰہِ ﷺ ذُكِرَ لَهُ صَوْمِي، فَدَخلَ عَليَّ، فَأَلْقَيتُ لَهُ وِسادَةً مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ، فَجَلَسَ عَلَى الأَرْضِ، وَصَارَتِ الوِسَادَةُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، فقَالَ: "أَمَا يَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلاثَةُ أَيَّامٍ؟"، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ

اللّٰہِ: خمسًا... إلی إِحْدَی عَشْرَۃَ قال: لاَ، صُمْ یَوْمًا، وَأَفْطِرْ یَوْمًا[1]

۞ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

یہ ایک طویل حدیث ہے، اس میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنا واقعہ بیان فرمارہے ہیں، یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اور جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں۔ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی جو روایت نقل کی ہے، اس میں اختصار ہے، دوسری روایتوں میں ذرا تفصیل آئی ہے۔ وہ تفصیل[2] یہ ہے کہ ان کے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح ایک بڑی شریف خاتون سے کردیا تھا جن کی شرافت بھی مشہور و معروف تھی اور وہ بڑے اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، جب نکاح ہوگیا اور کچھ دن گزر گئے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کی بہو اپنے شوہر سے خوش ہے یا نہیں، وہ یہ دیکھتے رہتے تھے کہ بہو کس حالت میں ہے، ایک دن انہوں نے اپنی بہو سے پوچھا کہ تم اتنے دن سے میرے بیٹے کے ساتھ رہ رہی ہو، تم نے میرے بیٹے کو کیسا پایا؟ تمہارے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے؟ تعلقات کیسے ہیں؟ وہ شریف خاتون تھیں۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرو بڑے ہی بہترین آدمی ہیں، بہت نیک ہیں، اتنے نیک ہیں کہ جب سے میں ان کے گھر میں آئی ہوں ان کو دیکھتی ہوں کہ وہ سارا دن روزے سے رہتے ہیں اور جب رات کو گھر آتے ہیں تو نماز کے

---

(۱) صحیح البخاری ۴۱/۳ (۱۹۸۰).
(۲) دیکھیے: صحیح البخاری ۱۹۶/۶ (۵۰۵۲).

لیے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اس پورے عرصے میں وہ اپنی عبادت میں اس درجہ مشغول ہیں کہ ان کو ہمارے بستر پر آنے کی فرصت ہی نہیں۔ اس طرح ان خاتون نے ان کی نیکی اور تقویٰ کی تعریف کی، لیکن ساتھ ساتھ ضمناً حقیقتِ حال بیان کردی کہ وہ عبادت میں اتنے مشغول ہیں کہ ان کو ہماری طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں۔

بیٹے کو نصیحت

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو ان کو تشویش ہوئی انہوں نے اپنے صاحبزادے کو بلاکر سمجھایا کہ ایسا کرنا مناسب نہیں ہے، جب گھر میں بیوی موجود ہے تو اس کا بھی حق ہے کہ کچھ وقت اس کے ساتھ گزارا جائے، تمہارا یہ طرزِ عمل کہ سارا دن روزے سے رہو اور ساری رات عبادت میں کھڑے رہو، یہ اعتدال سے نکلا ہوا ہے، اس کو ٹھیک کرو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال

لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما پر ایک غلبہ حال کی کیفیت طاری تھی۔ اس زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بکثرت لوگوں کا یہ حال تھا، چوں کہ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھنے کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی تھی اور آخرت کی فکر بڑھتی تھی، ہر انسان اس فکر میں رہتا تھا کہ میری آخرت کس طرح درست ہو؟ دنیا میں رہتے ہوئے ایسے اعمال کرجاؤں کہ جب مروں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ کر اس کی رضامندی حاصل ہوسکے، ہر شخص اس فکر میں تھا۔ صحابہ کرام بار بار ازواج مطہرات سے جاکر یہ پوچھتے کہ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ ان کا خیال یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لے جاتے ہوں گے تو غیر معمولی عبادت کرتے ہوں گے، رات بھر عبادت میں مشغول رہتے ہوں گے، اگر اس عبادت کی تفصیل معلوم ہو تو ہم بھی اسی طرح عبادت کریں۔ ازواج مطہرات نے صحابہ کرام کو بتایا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے ہیں تو آپ گھر میں اسی طرح رہتے ہیں جس طرح تم اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہو، آپ ہمارے گھر کے کاموں میں ہمارا ہاتھ بٹاتے ہیں، ہماری دلجوئی اور خوش طبعی کی باتیں بھی کرتے ہیں اور عبادت بھی کرتے ہیں۔

ہم کہاں حضور کہاں

جو صحابہ یہ سوال کررہے تھے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تو اور ہے، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے بارے میں یہ اعلان فرمادیا ہے کہ

قَدْ غَفَرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ

اول تو آپ سے کوئی گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا، اگر کوئی بھوک چوک ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ آپ کی اگلی پچھلی سب بھول چوک معاف ہیں، اس وجہ سے اگر آپ زیادہ عبادت نہ کریں تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ہم تو آپ کی برابری نہیں کرسکتے، ہم نہ تو گناہوں سے معصوم ہیں اور نہ ہماری مغفرت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا ہمیں تو زیادہ سے زیادہ عبادت میں لگے رہنا چاہیے، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا میں تو ساری رات

عبادت کے لیے کھڑا رہوں گا، دوسرے نے کہا کہ میں مسلسل روزے رکھوں گا، کبھی افطار نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا، بغیر نکاح کے تنہا زندگی گزاروں گا(۱)۔

غلبہ حال کی کیفیت

بہرحال! حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بھی اس فکر میں تھے کہ کسی طرح اس دنیا کو آخرت کا ذریعہ بنالو اور دنیا کے اندر جو لمحات زندگی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، ان کو غنیمت سمجھ کر ان کو اللہ کی عبادت میں خرچ کرلو۔ یہ فکر ایسی دامن گیر تھی کہ ان پر غلبہ حال کی کیفیت طاری ہوگئی، ان کے والد حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کو سمجھایا، تھوڑا بہت ان پر اثر ہوا، لیکن پھر وہی حالت شروع ہوگئی کہ وہ دن بھر روزے سے رہتے اور رات بھر اللہ کی عبادت میں کھڑے ہوتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود تشریف لے جانا

جب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قابو میں نہ آئے تو انہوں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سارا ماجرا بیان فرمایا کہ میرے بیٹے کا معاملہ یہ ہے، وہ دن رات عبادت میں لگا ہوا ہے، اس کی بیوی شکوہ تو نہیں کرتی، لیکن اس کے حقوق ادا نہیں ہو رہے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اطلاع ملی تو آپ خود حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے

(۱) صحیح البخاری ۲/۷(۵۰۶۳) وصحیح ابن حبان ۲/۲۰(۳۱۷).

گئے، اب ایک صورت یہ بھی ہوسکتی تھی کہ آپ ان کو اپنے پاس بلالیتے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرم دیکھیے کہ بلانے کے بجائے خود ان کے گھر تشریف لے گئے، جب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف لائے ہیں تو اس واقعہ کا وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے بیٹھنے کے لیے تکیہ پیش کیا جو چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، تاکہ آپ اس پر ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر ہی بیٹھ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تکیہ درمیان میں رکھ لیا اس طرح کہ وہ تکیہ میرے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان حائل ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکیہ کو واپس تو نہیں کیا، لیکن اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو استعمال کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی، اس لیے اس تکیہ کو درمیان میں رکھ کر بات کرنی شروع کردی۔

مہمان کا اکرام کریں

یہاں آداب مجلس کی بات چل رہی تھی کہ کس طرح انسان کو بیٹھنا چاہیے اور کس طرح اٹھنا چاہیے، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنے کے لیے اس روایت کو یہاں لائے ہیں کہ جب کوئی مہمان تمہارے پاس آئے تو اس کے اعزاز و اکرام کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ اس کو ایک اچھی نشست پیش کی جائے، اس کو تکیہ وغیرہ پیش کرے، یہ ایک آنے والے مہمان کا حق ہے، خاص طور پر اگر مہمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں یا آپ کا کوئی وارث ہو (یعنی عالم ہو) تو اس کا اور زیادہ اکرام کرنا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نصیحت کرنے کا انداز

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوگئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عبد اللہ! کیا تمہارے لیے ایک مہینے میں تین روزے رکھنا کافی نہیں؟ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت تھی ہر ماہ کے ایام بیض میں یعنی ۱۳ر، ۱۴ر، ۱۵ تاریخ کو آپ روزہ رکھا کرتے تھے،(۱) چونکہ ہر روزہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دس گنا ثواب رکھتا ہے، لہٰذا اگر آدمی ایک مہینے میں تین روزے رکھ لے تو اس کو تیس روزوں کا ثواب ملے گا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عبد اللہ! کیا تمہارے لیے تین روزے کافی نہیں ہیں؟ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! بس میں نے اتنے الفاظ کہے اور اس کے ذریعے میں نے التجاء کی کہ یا رسول اللہ! میرے روزے اتنے کم نہ کیجیے، میرے روزوں میں کچھ اضافہ کردیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا پانچ روزے رکھ لیا کرو، میں نے کہا یا رسول اللہ! یعنی پھر التجاء کی کہ میں ان سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، میرے لیے اور زیادہ بڑھادیجیے، تو پھر آپ نے ان کے لیے اور بڑھادیے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

لَا صَوْمَ فَوْقَ صَوْمِ دَاؤُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (۲)

یعنی کوئی روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزوں سے زیادہ افضل نہیں ہوسکتا۔

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں سنن أبی داود ۲۴۳/۳ (۲٤٤١) طبع دار المنهاج، ومسند أحمد ٤٢٩/٣٣ (٢٠٣٢٠) والحديث ذكره الحافظ ابن حجر في "الامتاع" ص ٤٩، وقال هذا حديث صحيح.

(۲) صحيح البخاری ٤١/٣ (١٩٨٠).

حضرت داود علیہ السلام کا روزہ یہ تھا کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور ساری عمر آپ نے اسی طرح گزاردی، اس لیے آپ نے فرمایا کہ روزہ رکھنا ہے تو بس اسی طرح رکھو، اس سے زیادہ روزے رکھنا ٹھیک نہیں، اس پر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے۔

جان کا بھی حق ہے

اس موقع پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:

يَاعَبْدَ اللهِ! إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا(۱)

اے عبداللہ! تمہاری جان کا بھی تم پر کچھ حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔

بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے۔

یہ جان اور جسم امانت ہیں

اللہ تعالیٰ نے یہ جو تمہیں جان دی ہے اور یہ نفس جو تمہیں عطا فرمایا ہے، اس کا بھی تم پر حق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت گہری بات بیان فرمائی ہے۔ اس

(۱) سنن النسائی ٤/٢١٠ (٢٣٩١) وصحيح مسلم ٢/٨١٢ (١١٥٩) وصحيح ابن حبان ٨/٤٠٠ (٣٦٣٨).

سے اس بات کی طرف متنبہ فرمادیا کہ تمہاری یہ جان اور تمہارا یہ وجود اس کو تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ تمہارا ہے؟ تم اس کے مالک ہو؟ ایسا نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں تمہارا یہ سارا وجود تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے، تم اس کے مالک اور مختار نہیں ہو اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ آنکھ میری ہے، یہ کان میرے ہیں، یہ ہاتھ میرے ہیں، یہ پاؤں میرے ہیں تو اس حد تک تو سمجھنا درست ہے کہ بے شک یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں جائز استعمال کے لیے عطا فرما رکھی ہیں، لیکن جہاں تک ملکیت کا تعلق ہے تو یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں امانت کے طور پر دی ہیں اور جب امانت کے طور پر دی ہیں تو اس امانت کا تمہارے اوپر حق ہے کہ اس کا خیال رکھو اور اس کو ہلاک نہ ہونے دو، بلاوجہ اس پر بے پروائی برت کر اس کا نقصان نہ ہونے دو۔

خودکشی کرنا کیوں حرام ہے؟

اسی وجہ سے خودکشی حرام قرار دی گئی ہے اپنے آپ کو خود ہلاکت میں ڈال دے، اس کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ جان جو تمہیں دی گئی ہے یہ تمہاری نہیں ہے، یہ اللہ جل جلالہ کی عطا ہے۔ اس کی امانت ہے اور جب اس کی امانت ہے تو اس امانت کا دھیان سے، فکر سے، اہتمام سے اس کو جائز کاموں میں استعمال کرنا ہے، ناجائز کاموں میں استعمال نہیں کرنا ہے، بلکہ ناجائز کاموں سے اس کو بچانا ہے، حرام کاموں سے بچانا ہے اور جائز کاموں میں اس کو اس طرح استعمال کرنا ہے جس سے اس کا حق ادا ہو جائے، جب یہ بات ہے تو کھانا کھانا بھی تمہاری جان کا حق ہے، پینا بھی تمہاری جان کا حق ہے، بقدر ضرورت سونا بھی تمہاری جان کا حق ہے، اگر اس جان کے حقوق ادا نہیں کرو گے، نہ اس کو

کھلاؤ گے، نہ اس کو پلاؤ گے اور بقدر ضرورت اس کو سونے نہیں دو گے تو پھر اس امانت میں تم ناجائز تصرف کرنے والے ہو جاؤ گے۔

کھانا، پینا اور سونا باعثِ اجر ہوگا

اس سے معلوم ہوا کہ انسان جتنے کام بھی اپنے جسم کے علاج کے لیے، اس کو غذا پہنچانے کے لیے اور اس کو آرام پہنچانے کے لیے کرتا ہے اس میں اگر آدمی یہ نیت کرلے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جان مجھے امانت کے طور پر عطا فرمائی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً یہ فرمایا ہے کہ تمہاری اس جان کا تم پر حق ہے تو جو کچھ میں کھا رہا ہوں وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں کھا رہا ہوں۔ اگر میں پی رہا ہوں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں پی رہا ہوں، اگر میں سو رہا ہوں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں سو رہا ہوں اور اگر میں جسم کو کوئی آرام پہنچا رہا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں پہنچا رہا ہوں کہ یہ جسم میرے پاس اللہ کی امانت ہے، اگر انسان ہر عمل کے اندر یہ نیت کرلے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ یہ سارے اعمال یعنی کھانا بھی، پینا بھی، سونا بھی، آرام پہنچانا بھی اجر و ثواب کا سبب بن جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

زندگی کا ہر عمل باعث اجر بنالو

اس لیے بزرگوں نے فرمایا کہ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس کو انسان حسن نیت سے عبادت نہ بنا سکے اور اس کو ثواب کا کام نہ بنا سکے۔ تم جتنے کام بھی کر رہے ہو، ان میں یہ نیت کرو کہ یہ جان اللہ تعالیٰ

کی امانت ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس امانت کا حق ادا کرنے کے لیے میں یہ کام کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ کام اجر وثواب کا سبب بن جائے گا۔ اس لیے فرمایا کہ تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، یہ مت سمجھنا کہ میں نے اگر عبادت ادا کرنے کے لیے اس جان کو بہت زیادہ مشقت میں ڈالا تو مجھے اس پر ثواب بھی زیادہ ملے گا، ایسا نہیں ہے، بلکہ اس جان کا حق یہ ہے کہ تم اس کو آرام بھی دو۔

بیوی کا حق ادا کرو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، اگر اس آنکھ کو تم آرام نہیں دوگے تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ تھک جائے گی اور بالآخر وہ کام کرنا چھوڑ دے گی۔ فرمایا کہ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، جب تم اس کے ساتھ نکاح کر کے اس کو اپنے گھر لائے ہو تو اس کا حق ہے کہ تم کچھ وقت اس کو دو، نفلی عبادت میں مشغول ہو کر اس کے حق کو تلف مت کرو۔

کاش میں نے رخصت پر عمل کر لیا ہوتا

بہرحال! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اعتدال کی تعلیم دی، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ بعد میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کر کے زیادہ روزے رکھنے کی اجازت لے لی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان سے فرمایا کہ تین دن روزے رکھا کرو، انہوں نے کہا کہ اور زیادہ کی اجازت دے دیجیے، یہاں تک کہ آپ نے اس کی اجازت دے دی کہ ایک دن روزہ رکھا کرو اور ایک افطار کیا کرو۔ بعد میں جب بوڑھے ہو گئے تو اس وقت کا اپنا واقعہ سنا رہے

ہیں کہ اس وقت تو میں نے حضورِ اکرم سرورِ دو عالم ﷺ سے اصرار کر کے زیادہ روزے رکھنے کی اجازت تو لے لی، لیکن اب مجھے خیال ہوتا ہے کہ جو بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی کہ مہینے میں تین دن روزے رکھا کرو کاش کہ میں نے اس بات پر عمل کرلیا ہوتا اور میں نے اپنے آپ پر اتنی مشقت نہ ڈالی ہوتی، اس لیے کہ جب میں نے حضور ﷺ کے سامنے یہ اقرار کرلیا کہ ایک دن روزہ رکھوں گا اور ایک دن افطار کروں گا، تو اب ساری عمر کے لیے میرا یہ معمول بن گیا اور اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور بوڑھا ہونے کی وجہ سے ہر دوسرے دن روزہ رکھنا میرے لیے دشوار ہو رہا ہے، لیکن میں اس لیے روزہ نہیں چھوڑتا کہ حضور ﷺ کے سامنے میں نے وعدہ کرلیا تھا کہ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزہ رکھوں گا تو اب اگر میں روزہ چھوڑتا ہوں تو حضور ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی ہوگی۔ کاش کہ میں نے حضور ﷺ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرلیا ہوتا۔

تھوڑا معمول بناؤ، لیکن اس کی پابندی کرو

اس کے ذریعے وہ ہمیں یہ سبق دے رہے ہیں کہ جب کوئی بڑا تمہیں کوئی آسانی کا راستہ بتائے تو اس کے سامنے بہادری کا مظاہرہ کرنا اچھی بات نہیں، ارے کیا انسان اور انسان کی بہادری، ذرا دیر میں ساری بہادری دھری رہ جاتی ہے، ذرا بوڑھا ہوجائے، ذرا بیمار ہوجائے۔ لہٰذا بزرگوں نے فرمایا کہ جو بھی معمول اختیار کرو، یہ سوچ کر اختیار کرو کہ ساری زندگی اس معمول کو نبھانا ہے، وہ معمول تھوڑا ہو، لیکن پابندی کے ساتھ ہو، یہ اس سے بہتر ہے کہ ابتداء میں جوش میں آکر بہت زیادہ شروع کردیا، لیکن بعد میں ایسے ڈھیلے پڑے کہ سب

معمولات جاتے رہے، ایسا کرنا صحیح طریقے کے خلاف ہے، اس لیے بزرگوں نے فرمایا کہ معمول تھوڑا بناؤ، لیکن اس پر پابندی کرو۔ حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"خير العمل ماديم عليه وإن قل"(۱)

بہتر عمل وہ ہے جس کی پابندی ہو، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

زیادہ اختیار کر کے پھر چھوڑ دینا مناسب نہیں۔ اسی لیے ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اقرؤا القران ما ائتلفت قلوبكم"(۲)

قران کریم کی تلاوت اس وقت تک کرو جب تک تمہارا دل لگا رہے۔

یہ نہ ہو کہ ایک وقت میں تو ایک رات میں پورا قرآنِ کریم ختم کرلیا، پھر سارے سال میں قرآنِ کریم کھول کر بھی نہیں دیکھا۔ بہرحال! اعتدال ہونا چاہیے، اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ نفلی عبادات ہر انسان کو ضرور کرنی چاہیے۔

نوافل محبت کا حق ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ

---

(۱) سنن ابن ماجه ٦٣٤/٥ (٤٢٤٠) واصله في صحيح البخاري ٩٨/٨ (٦٤٦٥) وسنن الترمذي ٥٣٥/٤ (٢٨٥٦) وقال هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه۔

(۲) صحيح البخاري ١٩٨/٦ (٥٠٦٠) و ١١١/٩ (٧٣٦٤)۔

فرائض و واجبات تو اللہ جل شانہ کی عظمت کا حق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حاکم بن کر ہم پر لازم کردیا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو، رمضان کے روزے رکھا کرو، زکوٰۃ ادا کیا کرو، حج کیا کرو، یہ سارے احکام ایک حاکم کے طور پر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، لہٰذا آپ کی عظمت کا حق یہ ہے کہ اس کے آگے آدمی سرتسلیم خم کرے اور یہ احکام بجالائے اور نوافل و مستحبات باری تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، کیا اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی قانونی تعلق رکھو گے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے فرمادی بس وہی انجام دیں گے اور باقی کوئی نفلی اور مستحب کام نہیں کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑا خشک اور کھردرا تعلق ہوگا۔

بیوی اور شوہر کا تعلق

دیکھیے! شوہر اور بیوی کے درمیان تعلق ہوتا ہے، کچھ تو اس تعلق کے قانونی حقوق ہوتے ہیں۔ مثلاً شوہر کے ذمہ واجب ہے کہ وہ بیوی کا نفقہ دے، یہ اس کا قانونی حق ہے، لیکن اگر کوئی شوہر صرف قانونی حق پر اکتفا کرے اور بیوی کو اچھا اچھا کھانا صبح شام کھلائے، لیکن وہ شوہر بیوی سے نہ بات چیت کرے نہ کوئی دلجوئی کا کام کرے تو یہ خشک قانونی تعلق ہوا، جس میں کوئی خوش گواری نہیں، کوئی لطف نہیں، اگر خوش گوار تعلق رکھنے ہیں تو پھر قانون سے آگے بڑھ کر اپنی محبت کا اظہار بھی کرے گا اور محبت کے تقاضے سے بہت سے کام کرے گا۔

اسی طرح اللہ جل شانہ کے ساتھ اگر تم نے صرف قانونی تعلق رکھا کہ صرف فرائض و واجبات ادا کرلیے باقی نہ نوافل ہیں نہ مستحبات ہیں نہ فضائل اعمال کی طرف توجہ ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خشک تعلق ہوا، اس لیے کہ یہ نوافل و مستحبات باری تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، یہ سوچا کرو کہ جس ذات نے مجھے پیدا

کیا، جس ذات نے مجھے نوازا، جس ذات کی نعمتوں کی بارش ہر آن میرے اوپر برس رہی ہے، کیا میں اس کے لیے صرف واجبات و فرائض پر اکتفا کروں؟ نہیں یہ ایک بندے کا کام نہیں، محبت کرنے والے بندے کا کام یہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں نفلی عبادات اور مستحبات کے تحفے بھی پیش کرے، نفلی عبادات کا اہتمام ہونا چاہیے، معمولات میں فرائض و واجبات کے علاوہ نفلی عبادات بھی ہونی چاہئیں، نفلی نمازیں، جیسے تہجد، اشراق چاشت، اوّابین، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد، یہ سب نوافل واجب تو نہیں ہیں، لیکن باری تعالیٰ کی محبت کا حق ہے کہ بندہ ان کو بجالائے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ادا کرنے کی ترغیب دی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی تمنا

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ میں یہ دیکھتا تھا کہ فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو مختلف صحابہ کرام آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا خواب بیان کرتے کہ حضور! میں نے آج رات یہ خواب دیکھا، حضور! میں نے آج رات یہ خواب دیکھا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اس کی تعبیر بھی بیان فرمادیتے، اگر اس خواب میں کوئی بشارت ہوتی تو اس بشارت پر مطلع فرمایا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرا معاملہ یہ تھا کہ جب میں سوتا تو مجھے کوئی خواب ہی نظر نہ آتا اس لیے میرے دل میں تمنا تھی کہ کاش! مجھے بھی کوئی اچھا سا خواب نظر آئے اور جیسے دوسرے لوگ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا اپنا خواب بیان کرتے ہیں میں بھی حضور کی خدمت میں اپنا خواب بیان کروں اور آپ اس کی کوئی تعبیر دیں۔ میرے دل میں اس کی بہت تمنا تھی۔

خواب اور اس کی تعبیر

ایک دن اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش اور تمنا پوری کردی، ایک رات کو جب میں سویا تو میں نے ایک خواب دیکھا جو بڑا اچھا خواب تھا وہ یہ کہ دو آدمیوں نے مجھے اوپر آسمان کی طرف اٹھالیا، لمبا چوڑا سا خواب دیکھا، فجر کی نماز کے بعد سوچا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب بیان کروں، مگر مجھے کچھ حجاب سا ہورہا تھا، تو میں نے اپنی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ خواب ذکر کیا، جو ام المؤمنین تھیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں اور ان سے کہا کہ تم یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرکے اس کی تعبیر معلوم کرو انہوں نے وہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کردیا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خواب سن کر فرمایا:

نعم الرجل عبد الله لو كان يقوم من الليل

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بڑے اچھے آدمی ہیں، کاش کہ وہ رات کے وقت نماز پڑھا کرتے۔ اس جملے میں ان کی تعریف بھی کردی اور ساتھ میں یہ پیغام دے دیا کہ وہ رات میں نماز پڑھا کریں تو ان کے لیے زیادہ خوبی کی بات ہے، جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں یہ جملہ فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بس اسی دن سے میں نے عہد کرلیا کہ زندگی بھر رات کی نماز نہیں چھوڑوں گا، پھر ساری زندگی رات کی نماز نہیں چھوڑی، اس طرح حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نوافل کی ترغیب دیا کرتے تھے(۱)۔

---

(۱) صحیح البخاری ۲/۴۹ (۱۱۲۱) والسنن الكبرى للبيهقي ۲/۷۰۵ (۴۳۱۲).

ایک طرف تو نوافل کی اہمیت نہیں

بہرحال! ایک طرف بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ نوافل اور فضائل اعمال کی طرف دھیان نہیں، اس کی اہمیت دل میں نہیں، خاص طور پر جب آدمی اصولِ فقہ میں یہ پڑھ لیتا ہے کہ مستحب اور نوافل اس کو کہتے ہیں کہ اگر کرلیں تو ثواب ہے اور نہ کریں تو کوئی گناہ نہیں، تو اب دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اس کے نہ پڑھنے پر کوئی پکڑ اور گناہ تو ہے نہیں، لہٰذا اس کو چھوڑ دو کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بعض اوقات کسی بات کا علم الٹا اثر کرجاتا ہے، نقصان پہنچادیتا ہے، جبکہ ایک عام آدمی نے تو یہ سن رکھا ہے کہ عشاء کی نماز کی سترہ رکعتیں ہوتی ہیں اس کی کوشش ہوگی کہ وہ یہ سترہ رکعتیں پوری کرے، لیکن جب یہ پتہ چل گیا کہ عشاء کی سترہ رکعتوں میں سے اتنی رکعتیں فرض ہیں، اتنی سنت اور اتنی مستحب ہیں اور مستحب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پڑھو تو ثواب ہے اور نہ پڑھو تو کوئی گناہ نہیں تو اب اس معلوم ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مستحبات اور نوافل کو چھوڑ دیا تو بعض اوقات کسی چیز کا علم ہونا بھی نقصان پہنچادیتا ہے۔

اَذان کا جواب دینا

بہرحال! ایک طرف تو یہ انتہاء ہے کہ نوافل اور مستحبات کی کوئی اہمیت نہیں ہے، ان کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک صاحب کچھ گفتگو کررہے تھے، اتنے میں اذان شروع ہوگئی، ان صاحب نے اپنی بات جاری رکھی اور اذان کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا کہ بھائی اذان ہورہی ہے، اذان کا جواب دے دیں، انہوں نے سنتے ہی فوراً کہا کہ ہاں! ہمیں سب پتہ ہے، اذان کا جواب دینا کوئی فرض و واجب نہیں ہے۔

گویا کہ جب فرض و واجب نہیں تو اب اس کے اہتمام کی اور اس کو انجام دینے کی ضرورت نہیں ہے اور اس طرح مستحبات اور نوافل کو بے وقعت سمجھنے، ان کو بے کار سمجھنے کی بات دل میں بیٹھ جاتی ہے جو بہت بڑی بے اعتدالی ہے۔

یہ فضائل کس کے لیے؟

ارے بھائی! یہ فضائل کس کے لیے آئے ہیں؟ جب رسول اللہ ﷺ نے کسی نفلی عمل کی کوئی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اس عمل پر یہ ثواب ملے گا، اس عمل پر یہ ثواب ملے گا۔ یہ کس کے لیے بیان فرمائی ہے؟ کیا فرشتوں کے لیے بیان فرمائی تھی؟ نہیں، بلکہ انسانوں کے لیے بیان فرمائی تھی، البتہ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ ان کو ہمارے اوپر ایسا واجب نہیں کیا کہ ان کو چھوڑنے پر گناہ ہو، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی اس کی طرف توجہ ہی نہ کرے۔ ایک بے اعتدالی تو یہ ہے۔

دوسری بے اعتدالی

دوسری بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ آدمی نوافل کی طرف اتنا جھک جائے کہ دن رات نوافل کی ادائیگی میں لگا ہوا ہے جس کے نتیجے میں دوسرے حقوق پامال کردیے، نہ اپنے نفس کا حق یاد رہا، نہ اپنے بیوی بچوں کے حقوق یاد رہے، نہ اپنے دوست احباب کے حقوق یاد رہے نہ اپنے والدین کے حقوق یاد رہے، نہ اپنے عزیز و اقارب کے حقوق یاد رہے، بس نوافل و مستحبات میں لگا ہوا ہے، یہ دوسری بے اعتدالی ہے، رسول کریم سرورِ دوعالم ﷺ نے یہ سب بے اعتدالیاں ختم فرمائیں، آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے فرمایا: صم

و أفطر، قم و نم یعنی روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو اور رات کو اللہ کی عبادت کے لیے کھڑے بھی ہو اور سو بھی، دونوں کام ملا کر کرو۔ اسی کا نام ''دین'' ہے کہ تمام معاملات توازن کے ساتھ ہوں، کوئی کام غیر متوازن نہ ہو، سارے دین کی بھی یہی تعلیم ہے۔

دین اتباع کا نام ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ''دین'' اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں بلکہ ''اتباع'' کا نام دین ہے، یہ دیکھو کہ اس وقت مجھے اللہ جل شانہ کی طرف سے کیا حکم ملا ہے؟ اور اس وقت میرے ذمہ کیا فریضہ عائد ہو رہا ہے؟ بس اس وقت یہی کام میرے لیے ''دین'' ہے، چاہے اس وقت دوسرے کام کا شوق ہو رہا ہو، مثلاً دل چاہ رہا ہے کہ نفل نماز پڑھوں یا تلاوت کروں، لیکن باپ بیمار ہے، یاں ماں بیمار ہے یا بیوی بیمار ہے، اس کی تیمارداری کی ضرورت ہے تو اب اس وقت یہی تیمارداری افضل ہے، اس لیے کہ وقت کا تقاضا یہی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی اتباع اسی میں ہے۔

بہرحال! اس حدیث سے ہمیں یہ سبق ملا کہ انسان اعتدال کے ساتھ زندگی گزارے اور ہر ایک کے حقوق ادا کرتے ہوئے زندگی گزارے، کسی ایک طرف جھکاؤ اور میلان نہ ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سادہ زندگی اپنایئے

(اصلاحی خطبات ۸ / ۲۸۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سادہ زندگی اپنایئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عن أبى هريره رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَبْنِيَ النَّاسُ بُيُوتًا يُوشُونَهَا

وَشْيَ الْمَرَاجِيلِ»(۱)

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، ونحن علی ذالك من الشاهدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

قیامت کی ایک نشانی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ لوگ ایسے گھر نہ بنائیں جن کو ایسے نقش ونگار سے آراستہ کریں گے جیسے نقش ونگار والے کپڑے، یعنی گھروں میں کپڑوں کی طرح نقش ونگار بنے ہوں گے۔

اس حدیث کا مقصد قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت کو بیان کرنا ہے، یعنی قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ لوگ اپنے گھروں کو خوبصورت، مزین نقش بنانے میں پیسے خرچ کریں گے اور محنت صرف کریں گے، اس مزین کرنے کو قیامت کی علامت قرار دے کر ایک اشارہ اس طرف ہے کہ یہ کوئی پسندیدہ بات نہیں کہ آدمی گھروں کے نقش ونگار پر اتنی محنت اور اتنے پیسے صرف کرے۔ اس کو حرام اور ناجائز تو نہیں کہا جائے گا، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً اس کی ممانعت نہیں فرمائی، لیکن اس کو علامت قیامت میں شمار کر کے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا ہے، کیونکہ یہ اچھی بات نہیں۔

---

(۱) الادب المفرد ٤١٦ (٧٧٧) طبع مكتبة المعارف الرياض۔والحديث ذكره الالبانی فی "الصحيحة" (٥٦٤/١) وقال: وهذا سند صحيح رجاله كلهم ثقات رجال البخاري في "صحيحه" غير عبد الله بن أبي يحيى، وهو عبد الله بن محمد بن أبي يحيى الأسلمي وهو ثقة اتفاقا.

یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے

اصل بات یہ ہے کہ یہ دنیا جس میں انسان زندگی گزار رہا ہے، یہ کوئی ہمیشہ رہنے کی جگہ تو ہے نہیں، یہ تو ایک عارضی مسافر خانہ ہے، جس میں کچھ دن کے لیے انسان آیا ہے، لہٰذا اس میں آدمی کو زیادہ توجہ اس بات کی طرف دینی چاہیے کہ وہ اس دنیا کو آخرت کی کھیتی بنائے اور یہاں رہتے ہوئے وہ آخرت کی بہبودی اور بہتری کا سامان کرے، اسی لیے حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ (۱)

کہ تم دنیا میں اس طرح رہو، جیسے اجنبی ہو یا مسافر ہو۔

مسافر جب سفر میں جاتا ہے تو وہ مسافر اپنے مقصد کی طرف متوجہ رہتا ہے، یہ نہیں کہ سفر کی منزل میں جی لگا کر بیٹھ جائے اور اپنا سب کچھ سفر کی منزل پر خرچ کردے۔

دنیا میں کتنے دن رہنا ہے

ایک اور روایت میں فرمایا گیا:

«اِعْمَلْ لِدُنْیَاكَ بِقَدْرِ بَقَائِكَ فِیْهَا، وَاعْمَلْ لِآخِرَتِكَ بِقَدْرِ بَقَائِكَ فِیْهَا» (۲)

---

(۱) صحیح البخاری ۸/۸۹ (٦٤١٦).

(۲) حلیة الأولیاء لابن نعیم ۷/٥٦.

فرمایا کہ دنیا کے لیے اتنا کام کرو جتنا دنیا میں رہنا ہے اور
آخرت کے لیے اتنا کام کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے۔

لیکن تم نے صبح سے لے کر شام تک کی اپنی زندگی اسی دنیا کے درست کرنے پر لٹا رکھی ہے، ایک مومن کا یہ کام نہیں، مومن کا کام یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ مجھے کتنے دن دنیا میں رہنا ہے اور کتنے دن آخرت میں رہنا ہے، کیونکہ آخرت کی زندگی ابدی ہے، جاودانی ہے، ختم ہونے والی نہیں ہے، لہٰذا یہاں رہتے ہوئے انسان کو زیادہ عمل آخرت کے لیے کرنا چاہیے اور دنیا کے لیے اتنا کرے جتنا دنیا میں رہنا ہے، اس لیے مکان کی بہت زیادہ آرائش اور زیبائش کی لگن پسندیدہ نہیں ہے۔

معاملہ تو اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستے سے گزر رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ ایک صحابی اپنے مکان کی مرمت کر رہے ہیں، مکان بھی کوئی پختہ اور عالیشان نہیں تھا، بلکہ ایک جھونپڑی تھی، جس کو وہ درست کر رہے تھے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا، آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا:

اَلْاَمْرُ اَعْجَلُ مِنْ ذٰلِكَ (۱)

فرمایا کہ معاملہ تو اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے۔

یعنی تم اس جھونپڑی کی مرمت میں لگے ہوئے ہو، جبکہ کچھ پتہ نہیں کہ

(۱) سنن ابی داود ٤/٣٦٠(٥٢٣٦)وسنن الترمذی ٤/١٦٠(٢٣٣٥)وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔

کب موت آ جائے، اس زندگی کا تو کوئی بھروسہ نہیں، یعنی اس جھونپڑی کی تیاری کے مقابلے میں موت کا معاملہ اور جلدی کا ہے، آپ نے ان صحابی کو مرمت کرنے سے منع نہیں فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ تم کیوں اس کی مرمت کر رہے ہو؟ حرام اور ناجائز بھی نہیں کہا، لیکن توجہ اس طرف دلادی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گھر کی مرمت میں لگ کر یہ بھول جاؤ کہ ایک دن یہاں سے جانا ہے اور آخرت سے غافل ہو جاؤ۔

دل ودماغ پر آخرت کی فکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں ہر وقت آخرت کی فکر اور آخرت کا تصور اس طرح جاگزیں کرتے تھے کہ ہر وقت انسان کی آنکھوں کے سامنے یہ منظر رہے کہ مجھے اس دنیا سے جانا ہے اور آخرت میرے سامنے ہے، اگر یہ بات حاصل ہوجائے تو ساری زندگی سنور جائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور آپ کی باتیں سنتے تھے تو ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہم اپنی آنکھوں سے جنت اور دوزخ دیکھ رہے ہیں(۱)، دل ودماغ پر آخرت کی فکر اس طرح جاگزیں قرار دیتے تھے کہ ہر وقت آخرت کا تصور ایک مومن کے سامنے رہتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ کھجور کی شاخوں سے بنا ہوا تھا اور اس کے اوپر بالوں کی ٹاٹ کا ایک پردہ پڑا رہتا تھا،

(۱) صحیح مسلم ٤/٢١٠٦(٢٧٥٠)

سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مکان تھا، ایک صحابی سے کسی نے پوچھا کہ اس حجرے کے دروازے دو تھے یا ایک دروازہ تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ دروازہ تو ایک ہی تھا۔ اتنا سادہ مکان تھا جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے سادگی اختیار کر کے دکھادی۔

میرا دنیا سے کیا کام

آپ نے فرمایا:

مالی وللدنیا ما انا فی الدنیا الا کراکب استظل تحت شجرة ثم راح وترکھا[1]

میرا دنیا سے کیا کام! میری مثال تو ایک ایسے سوار کیسی ہے، جو سوار ہو کر کہیں جارہا ہے اور اس نے سفر کے دوران تھوڑی دیر کے لیے کسی درخت کے نیچے سایہ لیا اور پھر اس درخت کو چھوڑ کر آگے روانہ ہوگیا۔

اس طرح سادگی کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بسر فرمائی۔

گھر کا نقش ونگار علامتِ قیامت

جس ذات نے اس سادگی کے ساتھ زندگی بسر فرمائی ہو، جس کے سامنے ہر وقت آخرت کا منظر ہو، وہ فرماتے ہیں کہ لوگ ایسے گھر بنائیں گے جن پر دیدہ زیب اور خوشنما قسم کے نقش ونگار ہوں گے، جیسے نقش ونگار کپڑوں پر بنائے

(۱) سنن الترمذی ١٨٦/٤ (٢٣٧٧) وقال ھذا حدیث حسن صحیح.

جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو حرام تو نہیں فرمایا، لیکن ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایسے نقش ونگار بنانے میں لگا ہوا ہے، وہ اپنی آخرت کو بھولا ہوا ہے، اگر آخرت سامنے ہوتی تو جتنا وقت، جتنا پیسہ، جتنی محنت وہ اس نقش ونگار میں صرف کررہا ہے، اس کے بجائے وہ اتنی محنت، اتنا پیسہ، اتنا وقت اپنے آخرت کے گھر کو بنانے میں صرف کرتا، اس لیے آپ نے فرمایا کہ یہ عمل علامات قیامت میں سے ہے۔

یہ تقویٰ کے خلاف ہے

آج ہم اپنے گردوپیش میں نظر اٹھا کر دیکھ لیں کہ یہ علامت کس طرح پوری ہورہی ہے، آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ کس کس طرح گھروں کو مزین اور منقش کیا جارہا ہے، یہ تو ہے تقوی کہ آدمی آخرت کو پیش نظر رکھے اور دنیا سے اتنا جی نہ لگائے، جہاں تک فتوی کا تعلق ہے اور مفتی صاحب سے پوچھا جائے کہ کتنا نقش ونگار جائز ہے؟ تو وہ مفتی یہی جواب دیگا کہ اگر خلافِ شرع نقش ونگار نہ ہو۔ مثلاً تصویر وغیرہ نہ ہوتو اس کو حرام اور ناجائز نہیں کہیں گے۔

مکان کا پہلا درجہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مکان کے کچھ درجات بیان فرمائے ہیں، فرمایا کہ ایک درجہ مکان کا یہ ہے کہ وہ مکان قابل رہائش ہو، وہ مکان ایسا ہے کہ آدمی اس کے اندر زندگی بسر کرلے اور دھوپ سے بچاؤ ہوجائے، بارش سے بچاؤ ہوجائے، موسم کے برے اثرات سے

بچاؤ ہوجائے، مثلاً ایک مکان بنایا، اس میں نہ پلستر کرایا اور نہ رنگ وروغن کرایا، تو ایسا مکان رہائش کے قابل ہے۔

مکان کا دوسرا درجہ

دوسرا درجہ مکان کا یہ ہے کہ رہائش کے ساتھ اس مکان میں آسائش اور آرام کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ مثلاً اگر کسی مکان پر ٹین کی چادروں کی چھت ہو تو ایسا مکان رہائش کے قابل تو ہے، لیکن اس مکان میں آسائش اور آرام نہیں، اس لیے کہ اگر بارش ہوجائے تو وہ چھت ٹپکنے لگتی ہے، پانی اندر آجاتا ہے، گرمی میں ٹین کی چادریں گرم ہوجاتی ہیں، جس کے نتیجے میں گرمی بڑھ جاتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے، لہٰذا اس مکان میں رہائش تو ہے، لیکن آسائش نہیں۔ اب اگر آسائش اور آرام حاصل کرنے کے لیے چھت پکی ڈلوادو، تاکہ بارش میں ٹپکے نہیں اور گرمی میں زیادہ تپے نہیں تو یہ آسائش ہے، یہ بھی شرعاً جائز ہے اور شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔

مکان کا تیسرا درجہ

تیسرا درجہ یہ ہے کہ رہائش بھی ہے، آسائش بھی ہے، آرام بھی ہے، لیکن آرائش نہیں، یعنی اس مکان میں کوئی سجاوٹ نہیں ہے، مثلاً گھر بنالیا، لیکن اس میں پلستر نہیں کیا، یا پلستر کرلیا، لیکن رنگ وروغن نہیں کیا، تو ایسا مکان قابل رہائش بھی ہے اور فی الجملہ اس میں آسائش بھی حاصل ہے، لیکن آرائش نہیں ہے، اس لیے کہ دیکھنے میں اچھا نہیں لگتا، اب اگر کوئی شخص اپنا دل خوش کرنے کے لیے اس مکان پر رنگ وروغن بھی کروالے اور اس کو مناسب درجے میں خوبصورت

بنالے تو یہ آرائش حاصل کرنا بھی شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ اس آرائش سے مقصد اپنا دل خوش کرنا ہو، کہ یہ میرا گھر ہے، جب میں اس گھر میں داخل ہوں تو مجھے آرام بھی ملے اور اس مکان کو اچھا اور خوبصورت دیکھ کر میرا دل بھی خوش ہو، تو اس نیت سے آرائش کرنے پر شریعت نے پابندی نہیں لگائی، ناجائز قرار نہیں دیا، حرام نہیں کیا۔

دو بھائیوں کا واقعہ

البتہ اتنی بات ضروری ہے کہ جب گھر کے اندر رہائش بھی ہے اور آسائش بھی حاصل ہے، آرائش بھی حاصل ہے اور وہ مکان اچھا بھی لگ رہا ہے تو جب اس گھر میں داخل ہو تو اللہ کو یاد کرو کہ یہ مکان میرے اللہ کی عطا ہے، یہ طریقہ بھی قرآن نے بتادیا۔ سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ نے دو بھائیوں کی مثال بیان فرمائی کہ دو بھائی تھے، ایک بھائی مومن تھا اور ایک بھائی کافر تھا۔ جو کافر بھائی تھا اس کے بڑے عمدہ قسم کے بڑے شاندار باغ تھے، ان باغات میں ہر طرح کے پھل تھے اور ہر طرح کے منافع اس کو حاصل تھے، جو مومن بھائی تھا، وہ کم مال والا تھا، اس کے پاس مال ودولت زیادہ نہیں تھی، وہ کافر بھائی اپنے مال ودولت پر فخر کیا کرتا تھا اور اپنے بھائی سے کہتا کہ میرا مال بھی تجھ سے زیادہ ہے اور میری جماعت بھی تجھ سے زیادہ ہے، میرے ملنے والے، میرے دوست احباب اور میرے معاونین بھی تجھ سے زیادہ ہیں، تیرا مال بھی کم ہے اور تیرے پاس مددگار بھی کم ہیں اور جب اپنے باغ میں داخل ہوتا تو اپنے بھائی سے کہتا کہ تو جو یہ کہتا رہتا ہے کہ ایک دن میں سب چیزیں فنا ہوجائیں گی۔

مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً
وَلَئِنْ رُدِدْتُ إِلَى رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا[1]

میرا تو یہ خیال ہی نہیں کہ اتنا شاندار باغ اور عالیشان باغ یہ سب کبھی ختم ہوجائیں گے اور میرا یہ خیال نہیں کہ ہم دوبارہ زندہ بھی ہوں گے اور اگر بالفرض دوبارہ زندہ ہوبھی گئے اور اپنے رب کے پاس چلے بھی گئے تو وہاں مجھے اس سے بھی اچھا ملے گا۔

اس کا مومن بھائی اس کو سمجھاتا کہ ارے بھائی! یہ سب کچھ باغ اور اس کے پھل وغیرہ یہ سب اللہ جل شانہ کی عطا ہے، اس لیے اس باغ پر مت اِترا، اس پر تکبر اور فخر مت کر، بلکہ اس کے بجائے جب تو اس باغ میں داخل ہوا کرے تو یوں کہا کر:

مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ[2]

گھر میں داخل ہوتے وقت یہ کہو

اس کے ذریعے قرآنِ کریم نے ہم سب کو یہ سبق سکھادیا کہ جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو یا اپنی کسی جائیداد میں داخل ہو اور وہ اچھی لگے تو زبان سے یہ الفاظ کہے کہ مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اس کائنات میں ہورہا ہے اور جو کچھ مجھے ملا ہے، وہ اللہ جل شانہ کی مشیت

---

(۱) سورۃ الکہف آیت (۳۵-۳۶).
(۲) سورۃ الکہف آیت (۳۹).

سے ملا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں کسی کو قوت حاصل نہیں، کسی کے بس میں نہیں تھا کہ وہ اپنے زورِ بازو سے یہ مکان بنالیتا، یہ باغ کھڑا کر دیتا، یہ جائیداد بنالیتا، یہ جو کچھ ہے، سب اللہ جل شانہ کی عطا ہے۔ مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

کافر کے باغ کا انجام

وہ مومن بھائی اس سے یہ کہتا کہ اگرچہ تم یہ دیکھ رہے ہو کہ میرے پاس مال کم ہے، میری اولاد کم ہے، یہ تو دنیا کے اندر ہوتا رہتا ہے اور کچھ پتہ نہیں کہ آئندہ اللہ تعالیٰ مجھے تیرے باغ سے زیادہ باغ دے دیں اور تیرے باغ کو تباہ کردیں، اس لیے تجھے اس باغ کے ہونے پر اکڑنا اور اترانا نہیں چاہیے، قرآنِ کریم یہ کہتا کہ بعد میں اس کافر کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن اس باغ کو جس کے بارے میں وہ کہتا تھا کہ یہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے، اس کو اس طرح تباہ کیا کہ بعد میں پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ یہاں کوئی باغ ہوا کرتا تھا۔

گھر کی نعمت پر اللہ کا شکر

اس واقعے کو نقل کرکے اللہ تعالیٰ نے یہ سبق دے دیا کہ جب آدمی اپنی کسی نعمت میں داخل ہو، جو اس کی آنکھ کو اچھی لگ رہی ہو تو اس کو یہ الفاظ کہنا چاہیے، مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، لہٰذا جب کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گھر کی نعمت حاصل ہو، وہ گھر رہائش کے قابل بھی ہے، اس میں آسائش بھی ہے، آرائش بھی ہے، تو پھر ایک مومن کا کام یہ ہے کہ جب اس میں داخل ہو تو وہ یہ کہے کہ مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا

کرے کہ اے اللہ! میں اس قابل نہیں تھا، آپ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے یہ نعمت عطا فرمادی اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ اے اللہ! آپ کا شکر ہے، آپ کا کرم ہے، اس کا بنانا میرے بس میں نہیں تھا، یہ آپ کی عطا ہے، جب وہ یہ عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس گھر کے فتنے سے محفوظ رکھیں گے۔

حضور ساری تکلیفیں جھیل گئے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ شکر بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ آج کل ہم لوگ ایسے دور میں ہیں کہ الحمد للہ دنیا میں ہر ایک کو ایسی نعمتیں میسر ہیں کہ عہد رسالت میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ان نعمتوں کا تصور بھی نہیں تھا، آج کے دور کا غریب سے غریب تر آدمی بھی کھجور کی ٹہنیوں سے گھر بنانے کا تصور نہیں کرے گا کہ میں کھجور کی ٹہنیوں سے گھر بنا کر اس میں زندگی گزاروں اور اس پر ٹاٹ کے پردے لٹکادوں، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کی ٹہنیوں سے بنے ہوئے گھر میں زندگی گزاردی، آج کوئی اس بات کا تصور کرے گا کہ تین مہینے تک گھر میں چولہا نہ جلے اور صرف کھجور اور پانی سے گزارہ ہو، کوئی غریب سے غریب تر ان باتوں کا تصور نہیں کرے گا۔ ساری سختیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھیل لیں کہ دو وقت بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، یہ ساری سختیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جھیلیں ہیں، آج ہم میں سے کسی کا حوصلہ نہیں ہے کہ وہ ان سختیوں کا تصور بھی کر سکے۔

امت کے لیے آسانی کے دروازے بند نہیں کیے

جناب رسول اللہ ﷺ خود تو اتنی سختیاں گزار گئے اور خود تو اتنی مشکلات والی زندگی بسر کرکے تشریف لے گئے، لیکن اپنی امت کے لیے دروازے بند نہیں کیے اور یہ نہیں فرمایا کہ اگر جنت چاہتے ہو تو ایسی زندگی گزارو، اس کے بغیر تمہیں جنت نہیں ملے گی، بلکہ امت کے لیے آسانی اور وسعت والا راستہ اختیار فرمایا، اگر آج ہم سے یہ مطالبہ ہوتا کہ تم اس وقت تک نجات نہیں پاؤ گے، اور تم اس وقت تک اللہ کے محبوب نہیں بن سکو گے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے تعلق استوار نہیں کرسکو گے، جب تک تم اس طرح کی زندگی نہ گزارو جس طرح کی زندگی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گزاری تو اس مطالبے پر بڑے بڑے علماء، بڑے بڑے صوفیاء اور اولیاء فیل ہوجاتے، کس میں یہ طاقت ہے کہ اس طرح کی زندگی گزارنے کا حوصلہ کرلے۔

میرے سرکار نے بھی تو ایسی زندگی گزاری

رحمۃ للعالمین رسول اللہ ﷺ پر قربانی جایئے کہ خود یہ سختیاں برداشت کرکے امت کے ادنیٰ ترین اور غریب ترین فرد کے لیے مثال قائم کرگئے، ورنہ اگر حضورِ اقدس ﷺ نے عیش وعشرت کی زندگی گزاری ہوتی اور شاندار مکانات میں رہے ہوتے اور اچھا کھانا کھایا ہوتا اور زندگی کے لطف اور مزے حاصل کیے ہوتے تو اس امت کے غریب افراد یہ سوچتے کہ ہم تو بہت محروم رہ گئے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے امت کے غریب ترین فرد کی سطح پر آکر زندگی گزاری، تاکہ امت کے غریب سے غریب آدمی کو یہ بھی تسلی رہے کہ میرے سرکار جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسی زندگی گزاری ہے۔

ان نعمتوں پر شکر ادا کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ مجاہدہ تم کہاں سے کرو گے، جو مجاہدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کر گئے، البتہ اتنا کرو کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ نعمت دی ہے اور تمہیں یہ فراخی اور خوش عیشی دی ہے تو کم از کم ان پر شکر ادا کرنے کی تو عادت ڈال لو اور جب بھی کوئی نعمت حاصل ہو اس وقت یہ تصور کرو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی سختی کی زندگی گزاری، یہ تصور کرو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیسی سختی کی زندگی گزاری، آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ فراخی اور یہ خوش عیشی عطا فرمائی ہے، پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی فاقہ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے کبھی فاقہ کرنے کا تصور تک نہیں دیا اور جن گھروں میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزاری، ایسے گھروں میں کبھی زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں آیا، یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے رکھی ہیں۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، لہٰذا جب گھر میں داخل ہو اور یہ نعمتیں سامنے آئیں تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرو، مَا شَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہِ اور یہ کہو: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔

یہ دنیا عیش وعشرت کی جگہ نہیں

جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استعمال کرو تو یہ سوچو کہ ہم یہ جو عیش وعشرت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں، یہ رخصت کا مقام ہے، یہ عزت کا مقام نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اجازت دے دی ہے کہ چونکہ تم کمزور ہو، لہٰذا اس طرح زندگی گزار لو، ورنہ یہ دنیا اس لائق نہیں تھی کہ اس میں ایسے مکان بنائے جاتے،

ایسے عیش وعشرت کے اندر رہا جاتا، یہ دنیا تو ایک گزرگاہ تھی، یہ دنیا تو ایک مسافر خانہ تھی، لہٰذا ہمیں مسافروں کی طرح زندگی بسر کرنی چاہیے تھی اور دوسرے یہ سوچو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس طرح کی زندگی گزاری ہے اور ہم ان کے مقابلے میں کیسی زندگی گزار رہے ہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا
چہ نسبت خاک را بعالم پاک

ہماری اور ان کی زندگی میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اس کا تصور کرو اور پھر اس بات پر اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے یہ نعمتیں عطا فرمائیں اور ان نعمتوں کے استعمال کو حلال بھی کردیا، جائز بھی کردیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا شکر ادا کرنا

شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی تصور کرو کہ اس نعمت کو حاصل کرنا میرے قوت بازو کا کرشمہ نہیں، بلکہ اللہ جل شانہ کی عطا ہے مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ اور اس کے بعد جب اس نعمت سے لذت اٹھاؤ تو اس وقت بھی اللہ کا شکر ادا کرو اور یہ شکر بھی اللہ سے مانگو، اس لیے شکر کرنا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں، شکر کا حق کون ادا کرسکتا ہے؟ دیکھیے! حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کیا نہیں دیا تھا، حکومت دی، سلطنت دی، محلات دیے، حشم وخدم دیے، غلام دیے، انسانوں پر حکومت دی، جنات پر حکومت دی، چرندوں اور پرندوں پر حکومت دی، جب یہ نعمتیں حاصل ہوئیں تو آپ نے فرمایا:

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى

وَالِدَیَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَأَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ (۱)

اے میرے پروردگار، مجھے اس بات کی توفیق دیجیے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کرسکوں، یعنی صرف شکر ادا نہیں کیا، شکر کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے شکر مانگا کہ یا اللہ! جب تک آپ کی طرف سے شکر کی توفیق عطا نہیں ہوگی میں شکر کا حق ادا نہیں کرسکتا، لہٰذا شکر کرنا بھی آپ ہی سے مانگتا ہوں اور یا اللہ! نعمتیں تو آپ نے ساری دی ہیں، لیکن میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ آپ کا شکر ادا کروں اور یہ مانگتا ہوں کہ ایسا نیک عمل کروں جو آپ کو پسند آجائے، یعنی کوئی نیک عمل اپنی ذات میں نیک عمل نہیں، جب تک کہ وہ عمل آپ کو پسند نہ ہو اور آپ کی رضا کے مطابق نہ ہو اور اے اللہ، اپنی رحمت سے نیک بندوں میں داخل کرلیجیے، ایک مومن اور ایک کافر میں یہی فرق ہے۔

ناشکری کی وجہ سے قارون کا انجام

دیکھیے! قارون کو صرف خزانہ ملا اس کو حکومت نہیں ملی، نہ انسانوں پر، نہ جنات پر، نہ چرندوں اور پرندوں پر، صرف دولت مل گئی، تو وہ اس پر کہتا:

إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ (۲)

یہ دولت تو مجھے اپنے علم کی بدولت ملی ہے، میرا ہنر ایسا تھا، میرا علم ایسا تھا کہ اس کی وجہ سے یہ دولت حاصل ہوگئی، اس دولت کو اللہ تعالیٰ کی طرف

(۱) سورۃ النمل آیت (۱۹).

(۲) سورۃ القصص آیت (۷۸).

منسوب نہیں کر رہا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ساری دولت اس کے لیے زمین میں دھنسنے کا ذریعہ بن گئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی کیفیت

دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں کہ ان کے پاس اتنی بڑی حکومت تھی کہ دنیا میں آج تک کسی کو اتنی بڑی حکومت نہیں ملی، لیکن اس کے باوجود ان کا سینہ تنا ہوا نہیں، گردن اکڑی ہوئی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکا ہوا ہے کہ اے اللہ! میں تو اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے بھی قابل نہیں، اپنی رحمت سے مجھے شکر ادا کرنے کی توفیق بھی دے دیجیے اور اس بات کی توفیق دے دیجیے کہ ان نعمتوں کو صحیح استعمال کرلوں اور آپ کو راضی کرنے والے عمل کرلوں۔

اس کی قدر کرو

آج اگر ہم سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ ہم سب اپنے پختہ مکانات کو چھوڑ کر جھونپڑوں میں رہنے لگیں تو سب یہ سن کر بھاگ جائیں گے، کسی کے بس کا یہ کام نہیں، لہٰذا یہ مطالبہ نہیں، البتہ مطالبہ تم سے یہ ہے کہ جو نعمت تمہیں ملی ہوئی ہے، اس کی قدر کرو کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی ایسی عیش وعشرت کی زندگی بسر نہیں کی اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسی زندگی بسر کی، لیکن آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ عیش وعشرت کی زندگی دے دی ہے، اس کی قدر کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ کی عطا کا دھیان کرو اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگو کہ یا اللہ! جب آپ نے ہمیں یہ نعمت دے دی ہے تو اس نعمت کو آپ اپنی مرضیات میں استعمال بھی کرایئے، اپنی رضا کے کاموں میں استعمال کرایئے اور اس کو میرے لیے آخرت کا ذریعہ بنایئے، اور اس کو جہنم کا ذریعہ نہ بنایئے۔

ایک ایک نعمت پر شکر

گھر اچھا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، گھر کا ساز و سامان اچھا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، کھانا سامنے آیا اور برتن اچھے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، پانی پیا اور گلاس اچھا لگا، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، بستر اچھا ہے کمرہ اچھا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اس کو دیکھو اور غور کرو اور کہو مَا شَاءَ اللہ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ اور دعا کرو کہ یا اللہ! ہم شکر تو ادا کر سکتے ہی نہیں، آپ کی نعمتوں کا شکر ہم سے ادا ہو ہی نہیں سکتا، لیکن ہمیں کچھ نہ کچھ شکر ادا کرنے کی توفیق دے دیجیے۔

رات کو سوتے وقت شکر کے الفاظ

رات کو سوتے وقت ذرا اہتمام کے ساتھ نعمتوں کا جائزہ لے لیا کرو کہ کیا کیا نعمتیں اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہیں، جائزہ لے کر ایک ایک نعمت پر شکر ادا کرو اور یہ کہو:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ عَدَدَ خَلْقِکَ، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ رِضَا نَفْسِکَ، وَعَدَدَ نِعَمِکَ، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ زِنَۃَ عَرْشِکَ، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ مِدَادَ کَلِمٰتِکَ، اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءَ عَلَیْکَ، اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔

اے اللہ! آپ کا اتنا شکر جتنا آپ کے عرش کا وزن ہے، آپ کا اتنا شکر جتنی آپ کے کلمات لکھنے کے لیے سیاہی درکار ہے، اے اللہ! آپ کا اتنا شکر جتنی آپ کی مخلوقات

کی گنتی ہے، اے اللہ! آپ کا اتنا شکر جتنی آپ کی نعمتیں ہیں، اے اللہ! آپ کا اتنا شکر جس سے آپ راضی ہوجائیں، اے اللہ! میں تو آپ کی ثناء کا حق ادا نہیں کرسکتا، میں تو آپ کے شکر کا حق ادا نہیں کرسکتا، آپ ویسے ہیں جیسے کہ آپ نے اپنی خود ثنا کی ہے۔

شکر کے اور الفاظ

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا دَائِمًا مَّعَ دَوَامِكَ، وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا خَالِدًا مَعَ خُلُوْدِكَ، وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَامُنْتَهٰى لَهٗ دُوْنَ مَشِيَّتِكَ، وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَا يُرِيْدُ قَائِلُهٗ اِلَّا رِضَاكَ، وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا عِنْدَ طَرْفَةِ كُلِّ عَيْنٍ وَتَنَفُّسِ كُلِّ نَفْسٍ (۱)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایسے الفاظ سکھائے کہ ہم کہاں سے ایسے الفاظ لاتے، ایسے الفاظ سے حمد کرنا ہمارے بس میں نہیں تھا، لیکن آپ نے ہمیں سکھا دیے، فرمایا کہ یہ کہو کہ اے اللہ! آپ کے لیے ہمیشگی والا شکر جب تک کہ آپ ہمیشہ باقی ہیں۔ اے اللہ! آپ کے لیے ایسا شکر کہ اس شکر کی انتہاء، آپ کی مشیت کے بغیر نہ ہو، یعنی جب تک آپ کی مشیت اس شکر کے ساتھ ہو، وہ شکر جاری رہے۔ اے اللہ! آپ کے لیے ایسا شکر کہ اس شکر ادا کرنے والے کا

(۱) المعجم الاوسط ۳۵۵/۵ (۵۵۳۸) وقال الهيثمي في "المجمع" ۱۱۸/۱۰ (۱٦۸۹٦): رواه الطبراني في الأوسط، وفيه علي بن الصلت ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات، وشعب الايمان للبيهقي ۲۲٦/٦ (٤۰۷۹).

مقصد صرف آپ کی رضا مندی ہو۔ اے اللہ! ہر پلک جھپکنے پر آپ کا شکر اور اے اللہ! ہر سانس کے آنے جانے پر آپ کا شکر۔ بتائیے یہ کس کے بس میں تھا کہ شکر کے لیے ایسے الفاظ لاتا، اور شکر کا یہ انداز اختیار کرتا، یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی شکر کا یہ انداز اور یہ الفاظ سکھا گئے۔

شکر کے نتیجے میں فتنے سے حفاظت

رات کو سونے سے پہلے کم از کم ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا استحضار کر کے اس طرح شکر ادا کرو اور یہ کہو کہ اے اللہ! میرے بس میں تو نہیں کہ ہر نعمت کا علیحدہ علیحدہ شکر ادا کرسکتا، لیکن اس وقت اتنا شکر ادا کر رہا ہوں، اے اللہ! جتنا آپ کے عرش کا وزن ہے۔ اتنا شکر جتنی آپ کی مخلوقات کی گنتی ہے۔ اے اللہ! اتنا شکر جتنی آپ کے کلمات کے لکھنے کے لیے سیاہی درکار ہے۔ جب رات کو سونے سے پہلے اس طرح شکر ادا کروگے تو کچھ نہ کچھ تو حق ادا ہوجائے گا، ان شاء اللہ، اس شکر کی بدولت اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو تمہارے حق میں فتنہ بننے سے محفوظ رکھیں گے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِنَّمَآ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ ۚ(۱)

یعنی یہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے اور آزمائش ہے، پتہ نہیں کب یہ تمہارے قدموں کو ڈگمگا دے، کب تمہیں غلط راستے پر ڈال دے، کب تمہارے دل میں دنیا کی محبت اس طرح پیوست کردے کہ تم اللہ سے غافل ہوجاؤ۔ جب اللہ کی نعمتوں کا اس طرح سے شکر ادا کروگے جس طرح اوپر بتایا تو ان شاء اللہ،

(۱) سورۃ الانفال آیت (۲۸).

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کو تمہارے حق میں فتنہ بننے سے محفوظ کردیں گے، پھر یہ نعمت تمہارے حق میں زادِ آخرت بن جائے گی۔

مکان کا چوتھا درجہ حرام ہے

میں یہ عرض کررہا تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مکان کے چار درجے بیان فرمائے، ایک رہائش، ایک آسائش، ایک آرائش، یہ تین درجے تو جائز ہیں، بشرطیکہ وہ کام کرو جو اوپر عرض کیے کہ جب اس مکان میں داخل ہوتو کہو ''مَاشَاءَ اللهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ'' البتہ چوتھا درجہ ہے نمائش، یہ حرام ہے، زہر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف یہ بات نہیں کہ مکان بنایا جو قابلِ رہائش تھا، اس میں آرام کا انتظام بھی کرلیا، آرائش کا بھی انتظام کرلیا، لیکن اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ یہ سوچا کہ آج کل فلاں کام کا فیشن چلا ہوا ہے، جب تک وہ کام نہیں کرائیں گے، تو لوگ میری وقعت نہیں کریں گے، لہٰذا مکان میں یہ کام بھی ہونا چاہیے، اب وہ کام صرف نمائش کے لیے کرایا جارہا ہے، لہٰذا وہ کام حرام اور ناجائز ہے۔

لباس میں چار درجے

اور جو حکم مکان کا ہے، وہ لباس کا بھی ہے اور لباس کے اندر بھی چاروں درجات ہیں، اگر ٹاٹ کا لباس بنا کر پہن لیا، اس سے ستر پوشی ہوگئی، مقصد حاصل ہوگیا، اگر ایسا لباس بنالیا جو ذرا آرام دہ ہے، باریک لباس ہے اس میں گرمی زیادہ نہیں لگتی، یہ دوسرا درجہ یعنی آسائش ہے اور اگر اس لباس میں تھوڑی سے زینت حاصل کرلی، تاکہ ذرا دل خوش ہوجائے، یہ آرائش ہے، جو جائز ہے،

لیکن اس خیال سے خاص لباس سلوایا کہ آج کل فیشن یہ چلا ہوا ہے اگر اس طرح کا لباس نہیں سلوایا تو ناک کٹ جائے گی اور لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ دقیانوس ہے، یہ بیک ورڈ ہے، اب لباس میں جو تصرف کیا جارہا ہے وہ یہ بتانے کے لیے کیا جارہا ہے کہ ہم بھی اسی دور کے باشندے ہیں۔ ہم بھی اسی فیشن ایبل زمانے کے لوگ ہیں، لہٰذا فیشن کے مطابق ہم لباس پہنیں گے، فیشن کے مطابق مکان بنائیں گے، اب یہ سب کام نمائش اور دکھاوے کے لیے اپنے کو بڑا قرار دینے کے لیے ہورہے ہیں اور لوگوں پر اپنی بڑائی جتانے کے لیے ہورہے ہیں، اپنی دولت کی نمائش کے لیے ہورہے ہیں، لہٰذا یہ کام حرام اور ناجائز ہیں، اس کی اجازت نہیں، لہٰذا تین درجے تو جائز ہوئے، یعنی رہائش، آسائش، آرائش اور چوتھا درجہ ہے نمائش جو حرام ہے، اس سے ہر مومن کو پرہیز کرنا چاہیے۔

کھاؤ بھی من بھاتا، پہنو بھی من بھاتا

اسی لیے ہمارے بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے چاہے لباس اچھا پہن لو، چاہے مکان اچھا بنالو، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدر کرو، لیکن لوگوں کے دکھانے کی خاطر کوئی کام نہ کرو، ہمارے یہاں ہندی کی ایک مثال مشہور ہے کہ

کھاؤ من بھاتا، پہنو جگ بھاتا

جگ ہندی زبان میں دنیا کو کہا جاتا ہے، من کے معنی ہیں دل، بھاتا کے معنی پسند آنا، مطلب یہ ہے کہ وہ چیز کھاؤ جو اپنے دل کو پسند ہو، یہ نہ ہو کہ خود کو

وہ چیز پسند نہیں، لیکن لوگوں کو پسند ہے اس لیے کھا رہے ہیں، اور لباس ایسا پہنو جو ساری دنیا کو پسند آئے، تمہیں پسند آئے یا نہ آئے، یہ ہندی کی مثل ہے، لیکن یہ مثل اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ

کھاؤ بھی من بھاتا، پہنو بھی من بھاتا

یعنی اپنی پسند کا کھاؤ اور اپنی پسند کا پہنو۔ یہ نہیں کہ جو جگ پسند کرے آدمی وہ پہنے، چاہے اپنے کو پسند ہو یا نہ ہو، لہٰذا کھاؤ بھی من بھاتا اور پہنو بھی من بھاتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

خلاصہ

بہر حال! حدیث میں حضور ﷺ نے قیامت کی علامات میں سے یہ بات بیان فرمائی کہ مکان کو اس طرح نقش ونگار سے آراستہ کرنا جس طرح کپڑوں کو کیا جاتا ہے اور مکان کے نقش ونگار میں غلو کرنا اور اسراف کرنا ٹھیک نہیں، جتنی سادگی اختیار کر سکو، اتنا بہتر ہے یہ کام حرام اور ناجائز نہ سہی، لیکن مزاج شریعت اور مزاج دین کے زیادہ مطابق یہ ہے کہ جتنی سادگی کی زندگی بسر کر سکو اتنا بہتر ہے، اس حدیث کی یہی تعلیم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اندھیرا ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

(ذکر وفکر ص ۷۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اندھیرا ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

ہمارے معاشرے میں کھانے پینے کی اشیاء کو جس بے دردی سے ضائع کیا جاتا ہے وہ رزق کی بے حرمتی کے علاوہ بھوکوں کے منہ سے نوالہ چھیننے کے مترادف ہے۔

رزقِ خداوندی کے بارے میں ہماری یہ لاپروائی صرف کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ دوسری اشیاءِ ضرورت کو ضائع کرنا بھی ہمارا ایک اجتماعی روگ بن چکا ہے اور اس کی وجہ سے بھی ہم طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے وقت پانی احتیاط کے ساتھ خرچ کرنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ

> ”پانی کو فضول خرچ کرنے بچو، خواہ تم کسی بہتے دریا کے پاس کھڑے ہو“ (۱)

---

(۱) سنن ابن ماجه ۳۵٦/۱ (٤٢٥) وقال علي القاري في "المرقاة" ٤٢١/٢ رواه أحمد وابن ماجه، وسنده حسن۔ طبع دار الفكر. ومسند احمد ٦٣٦/١١ (٧٠٦٥).

ظاہر ہے کہ جو شخص کسی بہتے ہوئے دریا سے وضو کر رہا ہو، اسے پانی کی کمی کا اندیشہ نہیں ہو سکتا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی پانی احتیاط کے ساتھ استعمال کرنے کی تاکید فرمائی، اس لیے کہ اوّل تو جب ایک شخص کو پانی فضول بہانے کی عادت پڑ جاتی ہے تو وہ پانی کی کمی کے مواقع پر بھی اس فضول خرچی سے باز نہیں رہ سکتا، دوسرے جب کسی قوم کا مزاج یہ بن جائے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو بے دریغ بلا ضرورت استعمال کرے تو ایسی قوم کے لیے بہتے ہوئے دریا بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

ہمارے ملک کو اللہ تعالیٰ نے جو قدرتی وسائل عطا فرمائے ہیں وہ دنیا کے دوسرے بہت سے ملکوں کے مقابلے میں قابل رشک ہیں، لیکن ہم نے اپنی لاپروائی، فضول خرچی، خود غرضی اور بد دیانتی کی وجہ سے انہیں اپنے لیے اس طرح ناکافی بنایا ہوا ہے کہ دوسروں کے سامنے ہماری بھیک کا پیالہ ہر وقت پھیلا رہتا ہے۔

آج ہمارا ملک بجلی کی قلت کی وجہ سے شدید مسائل سے دوچار ہے، ملک کا بیشتر حصہ لوڈ شیڈنگ کی زد میں ہے، روزانہ کئی کئی گھنٹے بجلی غائب رہتی ہے اور اس کی وجہ سے لوگ سخت مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں۔ پنجاب کے متعلقہ حکام نے اعلان کیا ہے کہ اس سال گرمی کے موسم میں پچھلے تمام سالوں سے زیادہ لوڈ شیڈنگ کرنی پڑے گی اور جوں جوں گرمی میں اضافہ ہوگا، اسی نسبت سے لوڈ شیڈنگ کا دورانیہ بھی بڑھتا چلا جائے گا۔

ہمارے ملک میں پڑنے والی شدید گرمی کے عالم میں بجلی کا میسر نہ ہونا گرمی کی تکلیف کو دس گنا بڑھا دینے کے مترادف ہے، لیکن بات صرف اس

تکلیف کی نہیں، بعض مرتبہ بجلی بعض انسانوں کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتی ہے نہ جانے کتنے مریض ہیں جو بجلی کی نایابی کی وجہ سے مناسب علاج کی سہولت سے محروم رہتے ہیں اور ظاہری اسباب کے لحاظ سے اسی وجہ سے جان دے دیتے ہیں۔

ایک طرف بجلی کی قلت کا تو یہ عالم ہے اور دوسری طرف جب کہیں بجلی میسر ہو تو وہاں اس کے بے محابا اور بے دریغ استعمال کا حال یہ ہے کہ اس میں کہیں کمی نظر نہیں آتی، خالی کمروں میں بلب روشن ہیں، پنکھے چل رہے ہیں اور بسا اوقات ائیر کنڈیشنر بھی پوری قوت کے ساتھ بر سرکار ہیں، دن کے وقت بلاضرورت پردے ڈال کر سورج کی روشنی کو داخلے سے روک دیا گیا ہے اور بجلی کی روشنی میں کام ہو رہا ہے، معمولی معمولی بات پر گھروں اور دیواروں پر چراغاں کا شوق پورا کیا جا رہا ہے، جہاں لوگ بجلی کو ترس ترس کر مر رہے ہیں وہاں رات کے وقت ہاکی اور فٹبال کھیلنے کے لیے میدانوں میں انتہائی طاقت کی سرچ لائٹیں روشن ہیں اور بعض میدان تو کھیل کے بغیر بھی ان کی روشنی سے بقعہ نور بنے ہوئے ہیں اور سڑکوں پر روشن اشتہارات (نیون سائنز) روشنی کی کسی حد کے پابند نہیں ہیں۔

بالخصوص جن مقامات پر بجلی کا بل خرچ کرنے والے کو خود ادا نہیں کرنا پڑتا وہاں تو بجلی کا استعمال اتنی بے دردی سے ہوتا ہے کہ الامان! سرکاری دفتروں میں دن کے وقت بسا اوقات بالکل بلا ضرورت لائٹیں روشن ہوتی ہیں اور پنکھے اور ائیر کنڈیشنز اس طرح چل رہے ہوتے ہیں کہ ان کا خرچ بہت آسانی سے کم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض سرکاری ملازمین اور بہت سے نجی کمپنیوں کے

ملازمین کو گھروں پر بھی بجلی کے مفت استعمال کی سہولت حاصل ہوتی ہے۔ وہاں تو ''مالِ مفت دل بے رحم'' کی مثال پوری آب و تاب کے ساتھ صادق آتی ہے

چند سال پہلے مجھے چین جانے کا اتفاق ہوا، چین اس وقت دنیا کی ایک ابھرتی ہوئی طاقت ہے اور رفتہ رفتہ اقتصادی ترقی میں وہ عالمی برادری میں اپنا نمایاں مقام بنا رہی ہے، لیکن بیجنگ ایئر پورٹ سے شہر کی طرف جاتے ہوئے سڑکوں پر روشنی کی کمی نمایاں طور پر محسوس ہوئی، شروع میں خیال ہوا کہ یہ بیرون شہر کا علاقہ ہے، اس لیے معمولی روشنی پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن جب گاڑی شہر میں داخل ہوئی تو وہاں کا منظر بھی کچھ مختلف نظر نہ آیا۔ سوچا کہ یہ بھی شہر کا کوئی پسماندہ علاقہ ہوگا، لیکن جب ہم شہر کے اس حصے میں پہنچے جسے بیجنگ کا دل کہنا چاہیے تو روشنیوں کا معیار دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی، حد تو یہ ہے کہ چانگ ین اسٹریٹ جو دنیا کی سب سے کشادہ شاہراہ سمجھی جاتی ہے، اس کے دونوں طرف بھی بہت معمولی لائٹیں لگی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد میں ایک ہفتے سے زیادہ چین میں رہا، اس کے مختلف صوبوں اور شہروں میں جانے کا اتفاق ہوا، ہر جگہ صورت حال یہی نظر آئی، اشتہارات اور نیون سائن تو خیر سرمایہ دار ملکوں کی خصوصیت ہیں کسی اشتراکی ملک میں ان کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، لیکن پورے ملک میں مجھے کوئی بھی آرائشی روشنی دکھائی نہیں دی۔

ہم چونکہ کراچی کی جگمگ کرتی ہوئی روشنیوں کے عادی تھے اس لیے رات کے وقت پورا ملک اندھیرا اندھیرا معلوم ہوتا تھا۔ ہم نے اپنے میزبانوں سے اپنے اس تاثر کا ذکر کیا تو انہوں نے بڑا معقول جواب دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارا ملک بہت بڑا ہے اور آبادی کے لحاظ سے ہمارے یہاں بجلی کی قلت ہے، لہٰذا

ہم اسی قدر بجلی استعمال کرتے ہیں جتنی ہمارے ضروری کاموں کے لیے ناگزیر ہے، جب تک ہمارے ملک میں بجلی کی پیداوار وافر مقدار تک نہ پہنچ جائے، ہم آرائشی روشنیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

یہ جواب ایک ایسے ملک کے باشندوں کا تھا جو ہم سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے اور جس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی بھی موجود نہیں ہے کہ

> ''پانی فضول خرچ کرنے سے بچو، چاہے تم کسی بہتے ہوئے دریا کے پاس کھڑے ہو''۔

لیکن اس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی سے مالا مال ہونے کے باوجود ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں لوڈ شیڈنگ بھی گوارا ہے، اپنے دیہات کو بجلی سے بالکلیہ محروم رکھنا بھی منظور ہے، سسکتے ہوئے مریضوں کو مناسب تشخیص اور علاج کے لیے ترسانا بھی قبول ہے، لیکن نہ ہم چراغاں اور دوسری آرائشی روشنیوں سے دستبردار ہو سکتے ہیں اور نہ بجلی کے عام استعمال میں کفایت اور بچت کا لحاظ رکھ سکتے ہیں۔

ہماری خود غرضی اور قدرتی وسائل کے ساتھ بے رحمی تو اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ میں نے کئی گھروں میں یہ دیکھا کہ باورچی خانے میں گیس کے چولھے چوبیس گھنٹے مسلسل جلتے رہتے ہیں اور ایک لمحے کے لیے بھی بند نہیں ہوتے، شروع میں میں نے اسے گھر والوں کی بے پروائی پر محمول کیا، لیکن جب ذرا اہمیت کے ساتھ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ چولھے اس لیے بند نہیں کیے جاتے کہ انہیں دوبارہ روشن کرنے کے لیے ماچس کی ایک تیلی خرچ نہ کرنی پڑے، چونکہ گیس کا بل ہر چولھے پر یکساں آتا تھا، خواہ گیس کم خرچ ہوئی ہو یا زیادہ اس

لیے اس کے مسلسل استعمال سے چولھے کے مالک کا ایک پیسہ بھی زیادہ خرچ نہیں ہوتا تھا، لیکن اگر چولھے کو بند کرکے ضرورت کے وقت دوبارہ چلایا جائے تو اس پر ماچس کی ایک تیلی خرچ ہوجاتی تھی۔

جب میں نے پہلی بار چولھوں کے مسلسل جلنے کی یہ وجہ سنی تو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا، لیکن جب کئی گھرانوں میں یہ منظر آنکھوں سے دیکھا اور بعض حضرات نے بے جھجک اس صورتِ حال کی یہ وجہ بیان بھی کی تو اندازہ ہوا کہ ہماری خود غرضی کتنی پستی تک پہنچ چکی ہے اور اپنی ماچس کی ایک تیلی بچانے کے لیے پوری قوم کی دولت کو کس طرح لوٹا جارہا ہے۔

جن حضرات کو کسی وجہ سے بجلی، گیس یا دوسرے وسائل مفت میسر آتے ہیں اور ان کے فضول استعمال سے ان کی جیب پر کوئی بار نہیں پڑتا، وہ صرف اتنا دیکھتے ہیں کہ فوری طور پر ان کا کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا، لیکن اتنی گہرائی میں جانے کی فرصت کسے ہے کہ آخر وہ اسی ملک کے باشندے ہیں جن میں وسائل کی قلت کا رونا رویا جارہا ہے، اور بالآخر اس فضول خرچی کا نقصان دوسروں کے ساتھ انہیں بھی اٹھانا پڑے گا۔

بجلی اور گیس کا ذکر تو مثال کے طور پر آگیا، ورنہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کے ساتھ ہماری ناقدری، بے دردی، خودغرضی کا یہی عالم ہے، پیداوار میں اضافے کی کوششیں اپنی جگہ ہیں اور یہ کوششیں ضرور ہونی چاہئیں، لیکن ان کوششوں کی صحیح منصوبہ بندی حکومت کا کام ہے اور اگر اسے سیاسی جھمیلوں سے فرصت ملے تو وہی یہ کام ٹھیک انجام دے سکتی ہے، یہ کام ایک انفرادی شخص کی انفرادی طاقت سے باہر ہے، لیکن ہر شخص کے اپنے بس میں یہ ضرور ہے کہ وہ حاصل شدہ

وسائل کو ٹھیک خرچ کرنے کا اہتمام کرے اور اپنے خرچ پر قابو پا کر قومی دولت کے ضیاع سے پرہیز کرے۔

بجلی ہی کے معاملے کو لے لیجیے میرے بس میں براہِ راست یہ نہیں ہے کہ میں ملک میں بجلی کی پیداوار میں اضافہ کردوں، لیکن یہ ضرور میرے بس میں ہے کہ جہاں ایک بلب سے کام چل سکتا ہے، وہاں دو بلب نہ جلاؤں، جہاں سورج کی روشنی میسر ہو وہاں کوئی بلب روشن نہ کروں، جہاں ایک پنکھا کارآمد ہوسکتا ہے وہاں دو پنکھے نہ چلاؤں، جہاں ایئر کنڈیشنر کے بغیر گزارا ہوسکتا ہے۔ وہاں ایئر کنڈیشنر استعمال نہ کروں، جس کسی کمرے میں بلاوجہ روشنی، پنکھا یا بجلی کا کوئی اور آلہ چلتا ہوا دیکھوں، اسے بند کردوں، جہاں چند روشنیوں سے ضرورت پوری ہوجاتی ہو، وہاں دیواروں اور گھروں پر چراغاں نہ کروں۔ کیا بعید ہے کہ اس طرح جس بجلی کا خرچ میں بچا رہا ہوں وہ کسی ضرورت مند کے کام آجائے، اس سے کسی مریض کو راحت مل جائے، یا کسی غریب کے ظلمت کدے میں اجالا ہوجائے۔

اگر ہم میں سے ہر فرد اپنے دائرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرلے کہ بہتے ہوئے دریا کے پاس بھی فضول خرچ سے بچو، تو نہ جانے کتنے انسانوں کے دکھ دور ہوجائیں۔

۲۸/شوال ۱۴۱۴ھ

۱۰/اپریل ۱۹۹۴ء

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اپنی خبر لیجیے

(ذکر و فکر ص ۵۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی خبر لیجیے

''زمانہ بڑا خراب ہے''،

''امانت اور دیانت لوگوں کے دل سے اٹھ چکی ہے''،

''رشوت کا بازار گرم ہے''،

''دفتروں میں پیسے یا سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا''،

''ہر شخص زیادہ سے زیادہ بٹورنے کی فکر میں لگا ہوا ہے''،

''شرافت اور اخلاق کا جنازہ نکل گیا ہے''،

''بے دینی کا سیلاب چاروں طرف امڈا ہوا ہے''،

''لوگ خدا اور آخرت سے غافل ہو بیٹھے ہیں''۔

اس قسم کے جملے ہیں جو ہم دن رات کسی نہ کسی اسلوب سے کہتے یا سنتے رہتے ہیں، ہماری کوئی محفل شاید ہی حالات کی خرابی کے اس شکوے سے خالی ہوتی ہو اور یہ شکوہ کچھ غلط بھی نہیں، واقعۃً زندگی کے جس شعبے کی طرف نظر

ڈالیے، ایک نمایاں انحطاط دکھائی دیتا ہے اور معاشرتی خرابیاں ہمیں گھن کی طرح چاٹ رہی ہیں۔

دوسری طرف اصلاحِ معاشرہ کی کوششوں کا جائزہ لیجیے، تو بظاہر ان میں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ نہ جانے کتنے ادارے، کتنی جماعتیں، کتنی انجمنیں اسی معاشرے کی اصلاح کے لیے قائم ہیں اور اپنے اپنے دائرے میں اپنی اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ کررہی ہیں، شاید ہی ملک کا کوئی قابلِ ذکر حصہ اس قسم کی کوششوں سے خالی ہو اور ان میں سے بعض کوششوں کا محدود سا اثر کہیں کہیں نظر بھی آجاتا ہے، لیکن اگر بحیثیت مجموعی پورے معاشرے کو دیکھا جائے تو بظاہر یہ ساری کوششیں رائیگاں محسوس ہوتی ہیں اور معاشرے کی مجموعی فضا پر نہ صرف یہ کہ ان کا کوئی نمایاں اثر ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ افق پر امید کی کوئی کرن بھی نظر نہیں آتی۔

اس صورتِ حال کے یوں تو بہت سے اسباب ہیں اور یہ اسباب اب اتنے الجھ گئے ہیں کہ اس الجھی ہوئی ڈور کا سرا پکڑنا بھی آسان نہیں رہا، لیکن اس وقت میں صرف ایک اہم سبب کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جس کی طرف بسا اوقات ہمارا دھیان نہیں جاتا۔

وہ سبب یہ ہے کہ ہمارا اجتماعی مزاج کچھ ایسا بن گیا ہے کہ ہمیں دوسروں پر تنقید کرنے، ان کے عیوب تلاش کرنے اور ان کی برائیوں پر تبصرہ کرنے میں جو لطف آتا ہے وہ کسی حقیقی اصلاحی عمل میں نہیں آتا۔ حالات کی خرابی کا شکوہ ہمارے لیے وقت گزاری کا ایک مشغلہ ہے جس کے نت نئے اسلوب ہم ایجاد کرتے رہتے ہیں، لیکن ان خرابیوں کی اصلاح کے لیے کوئی بامعنی قدم اٹھانے کو

تیار نہیں ہوتے اور اگر اصلاحِ احوال کے لیے کوئی جھنڈا بلند کرتے بھی ہیں تو ہماری خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ اصلاح کے عمل کا آغاز کسی دوسرے سے ہو۔ ہماری اصلاحی جدوجہد اس ذہنی مفروضے کی بنیاد پر آگے بڑھتی ہے کہ ہمارے سوا ساری دنیا کے لوگ خراب ہوگئے ہیں اور ان کے اعمال واخلاق کو درست کرنے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے، یہ سب کچھ سوچتے اور کرتے ہوئے یہ خیال بہت کم لوگوں کو آتا ہے کہ کچھ خرابیاں خود ہمارے اندر بھی ہوسکتی ہیں اور ہمیں سب سے پہلے ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے، چنانچہ جو اصلاحی تحریک اپنے آپ سے بے خبر ہو کر صرف دوسروں کو اپنا ہدف بناتی ہے، اس میں دوسروں کے لیے کوئی کشش اور تاثیر نہیں ہوتی اور وہ محض ایک رسمی کارروائی ہو کر رہ جاتی ہے۔

معاشرے کے حالات اور لوگوں کے طرزِ عمل پر تنقید کا سب سے خطرناک اور نقصان دہ پہلو یہ ہے کہ بعض اوقات معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کو خود اپنی غلط کاری کے لیے وجہِ جواز بنالیا جاتا ہے، چنانچہ یہ فقرہ بکثرت سننے میں آتا رہتا ہے کہ ''یہ کام ٹھیک تو نہیں ہے، لیکن زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے کرنا ہی پڑتا ہے''۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنے زمانے اور زمانے کی ساری برائیوں کا تذکرہ تو اس انداز سے کرتے ہیں جیسے ہم ان تمام برائیوں سے معصوم اور محفوظ ہیں، لیکن اس تذکرے کے بعد جب عملی زندگی میں پہنچتے ہیں تو ان کاموں کا بے تکان ارتکاب کرتے جاتے ہیں، جن کی برائی بیان کرتے ہوئے ہم نے اپنا سارا زورِ بیان خرچ کیا تھا۔

اگر ہماری آنکھوں کے سامنے ایک ہولناک آگ بھڑک رہی ہو اور ہم

یقین سے جانتے ہوں کہ اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی تو یہ پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی تو کیا پھر بھی ہمارا طرزِ عمل یہ ہوگا کہ ہم اطمینان سے بیٹھ کر اظہارِ افسوس کرتے رہیں اور ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش نہ کریں؟ ایسے موقع پر بے وقوف سے بے وقوف شخص بھی آگ کی تفصیلات کو نمک مرچ لگا کر بیان کرنے سے پہلے اسے بجھانے کے لیے فائر بریگیڈ کو فون کرے گا اور خود بھی اسے بجھانے کا جو طریقہ ممکن ہو اختیار کرے گا اور اگر آگ بجھتی نظر نہ آئے تو کم از کم خود تو وہاں سے بھاگ ہی کھڑا ہوگا، لیکن یہ کام کوئی بدترین دیوانہ ہی کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے بجائے وہ آگ کا قصہ لوگوں کو سنا کر خود اسی آگ میں چھلانگ لگادے۔

لیکن معاشرتی برائیوں کی جس آگ کا تذکرہ ہم دن رات کرتے ہیں عجیب بات ہے کہ اس کے بارے میں ہمارا طرزِ عمل یہی ہے کہ یہ تذکرہ کرنے کے بعد ہم خود بھی اسی میں کود جاتے ہیں۔ ہم دن رات رشوت خوروں کو صلواتیں سناتے ہیں، لیکن اگر کبھی وقت پڑ جائے تو خود رشوت لینے یا دینے میں مبتلا ہوجاتے ہیں، جھوٹ، خیانت اور حرام خوری کی مذمت ہمارے وردِ زبان رہتی ہے، لیکن اگر کبھی داؤ چل جائے تو خود ان برائیوں سے نہیں چوکتے اور اگر کبھی اس پر اعتراض ہو تو ٹکسالی جواب یہ ہے کہ سارا معاشرہ جس ڈھب پر چل رہا ہے ہم اس سے کٹ کر کس طرح رہ سکتے ہیں؟ کیا اس طرزِ عمل کی مثال بالکل ایسی نہیں ہے کہ کوئی شخص بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھ کر خود اس میں چھلانگ لگادے؟

جب معاشرے میں برائیوں اور گمراہیوں کا چلن عام ہوجائے تو ایسے موقع

کے لیے قرآن کریم نے ایک بڑی اصولی ہدایت عطا فرمائی ہے جس سے غفلت کے نتیجے میں ہم موجودہ حالات سے دو چار ہیں، وہ ہدایت قرآن کریم ہی کے الفاظ میں یہ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (١)

اے ایمان والو! خود اپنی خبر لو، اگر تم ہدایت کے راستے پر ہو تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

اس آیتِ کریمہ نے یہ زرّیں حقیقت ارشاد فرمائی ہے کہ دوسروں کی بدعملی تمہاری بدعملی کے لیے وجہِ جواز نہیں بن سکتی، نہ صرف اس کا تذکرہ کر دینے سے کوئی مقصد حاصل ہو سکتا ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ تم اپنی خبر لو اور کم از کم اپنی ذات کی حد تک بداعمالیوں سے پرہیز کرو اور اپنا سارا زور خود اپنے آپ کو درست کرنے میں خرچ کر دو۔ جن برائیوں سے فوراً بچ سکتے ہو ان سے فوراً بچ جاؤ۔ جن سے بچنے کے لیے کسی کوشش اور محنت کی ضرورت ہے، ان کے لیے کوشش شروع کر دو، اگر کوئی دوسرا شخص رشوت لے رہا ہے تو کم از کم خود رشوت کے گناہ سے بچ جاؤ، اگر کوئی دوسرا خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے تو کم از کم خود

(١) سورۃ المائدۃ آیت (١٠٥)۔

خیانت سے اجتناب کرو، اگر کوئی دوسرا جھوٹ بول رہا ہے تو کم از کم تم سچائی کو اپنا شعار بنالو، اگر کوئی دوسرا حرام خوری میں مبتلا ہے تو کم از کم تم یہ طے کرلو کہ حرام کا کوئی لقمہ میرے پیٹ میں نہیں جائے گا۔

یہی ہدایت ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دی ہے:

إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا، وَهَوًى مُتَّبَعًا، وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ، فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعِ الْعَوَامَّ(۱)

"جب تم دیکھو کہ لوگ جذبۂ بخل کی اطاعت کررہے ہیں اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، دنیا کو ہر معاملے میں ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہے تو ایسے میں خاص طور پر اپنی اصلاح کی فکر کرو اور عام لوگوں کے معاملے کو چھوڑ دو۔

مطلب یہ ہے کہ ایسے موقع پر عام لوگوں کی برائی کرتے رہنا مسئلے کا کوئی حل نہیں، مسئلے کا حل یہ ہے کہ ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر کرے اور اپنے آپ کو ان پھیلی ہوئی برائیوں سے بچانے کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کردے۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مَنْ قَالَ: هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ مِنْ أَهْلَكُهُمْ"

---

(۱) سنن الترمذی ۱٤٦/٥ (۳۰٥۸) وقال هذا حديث حسن غريب۔ وسنن ابن ماجه ٤۸۷/٥ (٤۰۱٤) وسنن ابی داود ۱۲۳/٤ (٤۳٤۱)۔

جو شخص یہ کہتا پھرے کہ لوگ برباد ہو گئے تو درحقیقت اُن سب سے زیادہ برباد خود وہ شخص ہے۔ (۱)

یعنی جو شخص ہر وقت دوسروں کی برائیوں کا راگ الاپتا رہتا ہو اور خود اپنے عیوب کی پرواہ نہ کرے وہ سب سے زیادہ تباہ حال ہے۔ اس کے بجائے اگر وہ اپنی اصلاح کی فکر کرلے اور اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لے کر اپنی برائیاں دور کرلے تو کم از کم معاشرے سے ایک فرد کی برائی ختم ہوجائے گی اور تجربہ یہ ہے کہ معاشرے میں ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے اور ایک فرد کی اصلاح کسی دوسرے کی اصلاح کا بھی ذریعہ بن جاتی ہے، معاشرہ درحقیقت افراد ہی کے مجموعے سے عبارت ہے اور اگر افراد میں اپنی اصلاح کی فکر عام ہوجائے تو دھیرے دھیرے پورا معاشرہ بھی سنور سکتا ہے۔

لہٰذا مسئلے کا حل یہ نہیں ہے کہ ہم معاشرے اور اس کی برائیوں کو ہر وقت کوستے ہی رہیں، اس سے نہ صرف یہ کہ کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات لوگوں میں مایوسی پھیلتی ہے اور بدعملی کو فروغ ملتا ہے، اس کے بجائے مسئلے کا حل قرآن وسنت کے مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے حالات کا جائزہ لے اور اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کی عادت ڈال کر یہ دیکھے کہ اس کے ذمے اللہ اور اس کے بندوں کے کیا کیا حقوق وفرائض ہیں؟ اور کیا وہ واقعۃً ان حقوق وفرائض کو ٹھیک ادا کر رہا ہے؟ معاشرے کی

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں: صحیح مسلم ٤/٢٠٢٤ (٢٦٢٣) وسنن ابی داود ٤/٢٩٦ (٤٩٨٣) ومسند ابی داود الطیالسی ٢/٧٣٩ (٢٥٦٠) طبع دار الکتب العلمیة۔ ومسند ابن الجعد ص ٤٨٣ (٣٣٥٥) طبع موسسة نادر بیروت.

جن برائیوں کا شکوہ اس کی زبان پر ہے۔ ان میں سے کن کن برائیوں میں وہ خود حصہ دار ہے؟

چونکہ ہم نے کبھی اس نقطۂ نظر سے اپنا جائزہ لینے کی کوشش ہی نہیں کی اس لیے یہ اجمالی بہانہ ہم دن رات پیش کرتے رہتے ہیں کہ چار سو پھیلی ہوئی بدعنوانیوں میں ایک اکیلا شخص کیا کرسکتا ہے؟ حالانکہ اگر انصاف کے ساتھ اس طرح جائزہ لے کر دیکھیں تو پتہ چلے کہ ان گئے گزرے حالات میں بھی ایک اکیلا شخص بہت کچھ کرسکتا ہے۔ جائزہ لینے سے معلوم ہوگا کہ ہماری بہت سی غلطیاں اور کوتاہیاں ایسی ہیں جن کا ہم فوری طور پر تدارک کرسکتے ہیں اور کوئی نہیں ہے جو اس تدارک کے راستے میں رکاوٹ بن سکے۔

اور بہت سی غلطیاں ایسی ہیں جن کا اگر فوری تدارک ممکن نہیں ہے تو کم از کم ان کی مقدار اور سنگینی میں فوری طور سے کمی کی جاسکتی ہے اور بہت سی ایسی بھی ہیں جن کی تلافی اور تدارک میں کچھ دشواریاں ہیں، لیکن وہ دشواریاں ایسی نہیں ہیں جو حل نہ ہوسکیں، ان دشواریوں کو دور کرنے کی راہیں سوچی جاسکتی ہیں، آخر اسی گئے گذرے معاشرے میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جو برائیوں کی اس بھڑکی ہوئی آگ میں بھی اپنا دامن بچا کر زندگی گزار رہے ہیں، ایسے لوگ اپنی پاکباز زندگی کی وجہ سے مرنہیں گئے، وہ بھی اس معاشرے میں زندہ ہیں، بلکہ اگر حقیقت شناس نگاہ ہوتو بہت اچھی طرح زندہ ہیں۔

لیکن ان ساری باتوں کا احساس اسی وقت جاگ سکتا ہے جب دل میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہوجائے اور اس فکر کے نتیجے میں اپنا جائزہ لینے کی عادت پڑجائے، جس دن ضمیر کی یہ طاقت بیدار ہوگئی اور اس کی آواز سننے کے لیے قلب

وذہن کے دریچے کھل گئے اس دن صحیح معنوں میں اس حقیقت کا انکشاف ہوگا کہ معاشرے کی خرابی کا جو ہوّا ہم نے اپنے سروں پر مسلط کر رکھا تھا اور جس نے ہمیں اپنی صحت کی ہر تدبیر سے روکا ہوا تھا، وہ کتنا بے حقیقت اور کتنا بے وزن تھا؟ بیمار کا سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اسے اپنی بیماری کا احساس ہو اور اس بات کا یقین اس کے دل میں پیدا ہو کہ اس کی بیماری ناقابلِ علاج نہیں ہے اور آج ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ ہم اس احساس اور اس یقین سے مسلح ہو کر اپنی بیماری کا علاج تلاش کرنے کی فکر کریں۔

۷/شوال ۱۴۱۴ھ

۲۰/مارچ ۱۹۹۴ء

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

گناہ کی تہمت سے بچیے

(اصلاحی خطبات ۱۶/۲۰۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گناہ کی تہمت سے بچیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عن علی بن حسین رضی اللہ عنہما ان صفیۃ زوج

النبی ﷺ اخبرته أنها جاء ت الی رسول الله ﷺ تزوره فی اعتکافه فی المسجد فی العشر الاواخر من رمضان. الخ(١)

خلاصۂ حدیث

یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں حضورِ اقدس ﷺ کے ایک واقعے کا بیان ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ ہر سال رمضان المبارک میں مسجد نبوی میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے کہ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے کے لیے اعتکاف کی جگہ پر تشریف لائیں، چونکہ اعتکاف کی وجہ سے آپ گھر کے اندر تشریف نہیں لے جاسکتے تھے اس لیے وہ خود ہی ملاقات کے لیے آئیں اور جتنی دیر ان کو بیٹھنا تھا اتنی دیر تک بیٹھی رہیں جب وہ واپس جانے لگیں تو حضورِ اقدس ﷺ ان کو رخصت کرنے کے لیے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے۔

بیوی کا شوہر سے ملاقات کرنے کے لیے مسجد میں آنا

اب آپ حضورِ اقدس ﷺ کی سنتیں دیکھتے جائیں۔ پہلی بات تو اس سے یہ معلوم ہوئی کہ اگر بیوی پردے کے ساتھ شوہر سے ملاقات کے لیے معتکَف میں آجائے تو یہ جائز ہے۔

---

(١) صحیح البخاری ٤٩/٣(٢٠٣٥) وصحیح مسلم ١٧١٢/٤(٢١٧٥).

بیوی کا اکرام کرنا چاہیے

دوسری بات یہ سامنے آئی کہ حضورِ اقدس ﷺ نے صرف انہیں معتکف ہی سے رخصت کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ ان کو پہنچانے کے لیے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے، ان کا اکرام کیا۔ اس عمل سے حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ نے یہ تعلیم دے دی کہ بیوی کے ساتھ ایسا معاملہ اور سلوک کرنا چاہیے جو برابری کی بنیاد کا ہو، اس کا اکرام کرنا اس کا حق ہے، جب وہ تم سے ملنے کے لیے آئی ہے اور اب تم اس کو پہنچانے کے لیے جا رہے ہو تو یہ پہنچانا بھی اس کے حقوق میں داخل ہے۔

دوسروں کے خدشات کو وضاحت کر کے دور کر دینا چاہیے

بہرحال! حضور اکرم ﷺ ان کو پہنچانے کے لیے دروازے کی طرف جانے لگے تو آپ نے دیکھا کہ دو حضرات صحابہ کرام آپ کے پاس ملنے کے لیے وہاں آ رہے ہیں۔ آپ نے سوچا کہ کہیں ان دونوں حضرات کے قریب آنے سے ام المؤمنین کی بے پردگی نہ ہو، اس لیے آپ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا کہ ذرا وہیں ٹھہر جاؤ۔ یہ حکم اس لیے دیا تاکہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پردے کے ساتھ اپنے گھر واپس چلی جائیں تو پھر ان حضرات کو بلا لیا جائے، چنانچہ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا وہاں سے گزر کر اپنے گھر تشریف لے گئیں پھر آپ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا کہ اب آپ تشریف لے آئیں جب وہ آ گئے تو آپ نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ خاتون صفیہ (رضی اللہ عنہا) تھیں، یعنی میری بیوی تھیں۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ

یہ صراحت میں نے اس لیے کردی کہ کہیں شیطان
تمہارے دل میں کوئی برائی نہ ڈال دے[1]

وجہ اس کی یہ تھی کہ جب ان حضرات نے یہ دیکھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاتون کے ساتھ مسجد نبوی میں جارہے ہیں تو کہیں ان حضرات کے دل میں یہ وسوسہ نہ آجائے کہ یہ خاتون کون تھیں؟ اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے کیوں آئی تھیں؟ اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے فرمادیا کہ یہ ''صفیہ'' (رضی اللہ عنہا) تھیں، جو میری بیوی ہیں۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہے۔

اپنے آپ کو مواقع تہمت سے بچاؤ

اس حدیث کی تشریح میں علماءِ کرام نے فرمایا کہ کیا کوئی شخص یہ تصور کرسکتا ہے کہ کسی صحابی کے دل میں حضورِ اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس قسم کا کوئی غلط خیال آئے گا کہ آپ اس طرح کسی نامحرم خاتون کے ساتھ تشریف لے جارہے ہوں گے؟ اور پھر رمضان کا مہینہ اور رمضان کا بھی عشرۂ اخیرہ اور پھر جگہ بھی مسجد نبوی اور پھر اعتکاف کی حالت۔ کسی عام مسلمان کے بارے میں بھی یہ خیال آنا مشکل ہے، چہ جائیکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کے ذریعے امت کو یہ تعلیم دے دی کہ

---

(۱) صحیح البخاری ۴۹/۳ (۲۰۳۵).

اپنے آپ کو تہمت کے مواقع سے بچاؤ، اگر کسی موقع پر اس بات کا اندیشہ ہو کہ کہیں کوئی تہمت نہ لگ جائے یا کسی کے دل میں میرے بارے میں غلط خیال نہ آجائے تو ایسے مواقع سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ۔ حدیث کے طور پر ایک جملہ نقل کیا جاتا ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ

"اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهمة"

یعنی تہمت کے مواقع سے بچو اگرچہ اس جملے کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، لیکن اس جملے کی اصل یہ واقعہ ہے، لہٰذا جس طرح انسان کے ذمے یہ ضروری ہے کہ وہ گناہ سے بچے، ناجائز کاموں سے بچے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہ کی تہمت سے بھی بچائے، ناجائز کام کی تہمت سے بچائے، کوئی ایسا کام نہ کرے جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ہو کہ شاید یہ فلاں گناہ کے کام میں مبتلا ہے۔

مواقعِ تہمت سے بچنے کے دو فائدے

تہمت کے مواقع سے اپنے آپ کو بچانے کے دو فائدے ہیں:

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو دوسروں کی نظر میں بدگمان کیوں کیا جائے؟ کیوں کہ جس طرح دوسروں کا حق ہے اسی طرح اپنے نفس کا بھی حق ہے اور نفس کا حق یہ ہے کہ اس کو بلاوجہ ذلیل نہ کیا جائے، بلاوجہ اس کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں بدگمانی نہ پیدا کی جائے۔

دوسرا فائدہ دیکھنے والے شخص کا ہے، اس لیے کہ جو شخص تمہیں دیکھ کر

بدگمانی میں مبتلا ہوگا اور تحقیق کے بغیر تمہارے بارے میں بدگمانی کرے گا تو وہ بدگمانی کے گناہ میں مبتلا ہوگا، لہٰذا اس کو گناہ میں کیوں مبتلا کرتے ہو؟ بہرحال ایسا کام کرنا جس سے خواہ مخواہ لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوں، یہ درست نہیں۔

گناہ کے مواقع سے بھی بچنا چاہیے

گناہ کے جو مواقع ہوتے ہیں، وہاں جاکر آپ چاہے گناہ نہ کریں، لیکن گناہ کے ان مواقع کے پاس سے گزرنا اور اس طرح گزرنا کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ شخص بھی اس گناہ میں مبتلا ہوگا، یہ بھی درست نہیں۔ مثلاً کوئی سینما ہال ہے، اب آپ اس سینما ہال کے اندر سے یہ سوچ کر گزر گئے کہ چلو یہ راستہ مختصر ہے، یہاں سے نکل جائیں۔ اب آپ نے وہاں نہ تو کسی تصویر کو دیکھا اور نہ کوئی اور گناہ کیا، لیکن جو شخص بھی آپ کو گزرتے ہوئے دیکھے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ آپ سینما دیکھنے آئے ہوں گے، اس لیے کہ آپ نے ایسا کام کرلیا جس کی وجہ سے خواہ مخواہ آپ پر تہمت لگ گئی اور شبہ پیدا ہوگیا، ایسا کام کرنا بھی درست نہیں اور اگر کبھی ایسی نوبت آجائے جس سے شبہ پیدا ہو تو وضاحت کرکے بتادینا چاہیے کہ میں یہاں فلاں مقصد سے آیا تھا، جیسا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ یہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

یہ بڑا نازک معاملہ ہے، ایک طرف تو اپنے آپ کو جان بوجھ کر "متقی" ظاہر کرنا، یہ بھی شرعاً پسندیدہ نہیں۔ دوسری طرف بلاوجہ اپنے آپ کو گناہ گار ظاہر

کرنا، یہ بھی پسندیدہ نہیں اور نہ یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، بلکہ آپ کی سنت یہ ہے کہ اپنے آپ کو تہمت سے بچاؤ۔

"ملامتی" فرقہ کا اندازِ زندگی

ایک فرقہ گزرا ہے جو اپنے آپ کو "ملامتی" کہتا تھا اور پھر اسی "ملامتی فرقہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ فرقہ اپنی ظاہری حالت گناہ گاروں، فاسقوں اور فاجروں جیسی رکھتا تھا۔ مثلاً وہ نہ تو مسجد میں جا کر نماز پڑھتے تھے اور نہ ہی کسی کے سامنے ذکر و عبادت کرتے تھے، اپنا حلیہ بھی فاسقوں جیسا بناتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اپنا حلیہ اس لیے ایسا بنا دیتے ہیں تاکہ ریاکاری نہ ہو جائے، دکھاوا نہ ہو جائے۔ اگر ہم داڑھی رکھیں گے اور مسجد میں جا کر صفِ اول میں نماز پڑھیں گے تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ ہم بڑے بزرگ آدمی ہیں، لوگ ہماری عزت کریں گے اور اس سے ہمارا دل خراب ہوگا اور اس کے نتیجے میں ہمارے دلوں میں تکبر پیدا ہوگا، اس لیے ہم مسجد میں نماز نہیں پڑھتے۔ یہ "ملامتی فرقہ" کہلاتا تھا۔ یہ نام اس لیے پڑ گیا کہ یہ لوگ اپنی ظاہری حالت ایسی بناتے تھے کہ دوسرے لوگ ان پر ملامت کریں کہ یہ کیسے خراب لوگ ہیں، لیکن ان کا یہ طرزِ عمل اور طریقہ سنت کا طریقہ اور شریعت کا طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی یہ ہمارے بزرگانِ دین کا صحیح طریقہ تھا۔

ایک گناہ سے بچنے کے لیے دوسرا گناہ کرنا

یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ غلبۂ حال میں ایسا طرز اختیار کر گیا ہو، وہ

اللہ تعالیٰ کے یہاں معذور ہوگا، لیکن اس کا یہ طرزِ عمل قابل تقلید نہیں، کیوں کہ یہ طرزِ عمل شرعاً درست نہیں۔ کیا آدمی اپنے آپ کو ریاکاری اور تکبر سے بچانے کے لیے ایک دوسرے گناہ کا ارتکاب کرے؟ ریاکاری ایک گناہ ہے اور اس گناہ سے بچنے کے لیے ایک دوسرے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے کہ مسجد میں نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ شرعاً یہ بالکل درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کر دیا، بس وہ حرام ہوگئی۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں مسجد میں جا کر نماز نہیں پڑھتا، بلکہ گھر میں نماز پڑھتا ہوں اس لیے کہ اگر مسجد میں صف اول میں نماز پڑھوں گا تو یہ دکھاوا ہو جائے گا، سب لوگ دیکھیں گے کہ یہ شخص صف اول میں نماز پڑھ رہا ہے، چنانچہ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے۔

۞ نماز مسجد میں ہی پڑھنی چاہیے

یاد رکھیے! یہ سب شیطان کا دھوکہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ مسجد میں آ کر نماز پڑھو، تو بس اب مسجد میں ہی آ کر نماز پڑھنا ضروری ہے اور یہ خیال کہ یہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے سے ریاکاری اور دکھاوا ہو جائے گا، یہ سب شیطان کا دھوکہ ہے۔ اس خیال پر ہرگز عمل مت کرو اور مسجد میں آ کر نماز پڑھو اور اگر ریاکاری کا خیال آئے تو استغفار کر لو۔

”استغفر اللہ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذنب و اتوب الیہ.“

فرائض کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ان کو علانیہ ادا کیا جائے، البتہ نوافل گھر میں پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن جہاں تک فرائض کا تعلق ہے تو مردوں کو چاہیے کہ وہ مسجد میں جا کر جماعت سے ادا کریں اور اس ''ملامتی فرقہ''

کی جو بات بیان کی، اس کا شریعت سے اور قرآن وسنت سے کوئی تعلق نہیں اور شرعاً وہ طریقہ جائز نہیں۔ صحیح طریقہ وہ ہے جو حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمایا وہ یہ کہ "تہمت کے مواقع سے بھی بچو"۔

اپنا عذر ظاہر کردیں

فرض کریں کہ آپ کسی شرعی عذر کی وجہ سے مسجد میں جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکے، اس وقت آپ کے پاس کوئی مہمان ملنے آ گیا اور آپ کو خیال آیا کہ چونکہ اس مہمان نے یہ دیکھ لیا ہے کہ میں مسجد میں نماز میں شریک نہیں تھا تو یہ مہمان میرے بارے میں یہ سمجھے گا کہ میں جماعت سے نماز نہیں پڑھتا تو اس وقت اگر آپ اس مہمان کے سامنے جماعت سے نماز نہ پڑھنے کا عذر واضح کرکے بتادیں کہ فلاں عذر کی وجہ سے میں جماعت میں پہنچ نہیں سکا تھا تو کوئی گناہ کی بات نہیں، بلکہ یہ موضع تہمت سے بچنے کی بات ہے، اس لیے کہ اس مہمان کے دل میں آپ کی طرف سے یہ تہمت آ سکتی تھی کہ شاید یہ جان بوجھ کر جماعت کی نماز چھوڑ رہا ہے، اب آپ نے عذر بیان کرکے اس کا دل صاف کردیا۔ اس میں نہ ریاکاری ہے اور نہ دکھاوا ہے بلکہ یہ تہمت سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

اس حدیث کی تشریح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

> "اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ ایسے شبہات کے مواقع سے بچنا چاہیے جن کی ظاہری صورت

بعض منکرات کی صورت کے مشابہ ہو۔ یعنی ظاہری طور
پر ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا
ہوسکتا ہے کہ اس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہوگا، جیسے
منکوحہ عورت کے پاس بیٹھنا اور اجنبیہ عورت کے پاس
بیٹھنا دونوں صورتاً مشابہ ہیں، ایسے مواقع پر احتیاط و
مدافعت ضروری ہے۔ باقی جو امور ایسے نہ ہوں، ان کی
فکر میں پڑنا یہ خوفِ ملامت ہے جس کے ترک پر مدح
کی گئی ہے۔"

یعنی ظاہری اعتبار سے جو گناہ معلوم ہو رہے ہوں، ان کے شبہے سے اپنے آپ کو بچانا تو ضروری ہے، لیکن آدمی اپنے آپ کو ایسی باتوں سے مبرا ظاہر کرنے کی کوشش کرے جو فی نفسہ درست ہیں اور لوگوں کی ملامت کے خوف سے ان کی تاویل وتوجیہ کرے تو یہ بات پسندیدہ نہیں۔

کسی نیک کام کی تاویل کی ضرورت نہیں

مثلاً کسی شخص نے سنت کا کوئی کام کیا، لیکن وہ سنت کا کام ایسا ہے جس کو لوگ اچھا نہیں سمجھتے، جیسے کسی نے داڑھی رکھ لی اور لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔ اب یہ شخص اس کی تاویل کرتا پھر رہا ہے تاکہ لوگ اس کو ملامت نہ کریں اور اس کی برائی نہ کریں۔ یاد رکھیے! اس کی چنداں ضرورت نہیں، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ایک سنت کا کام کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں یہ کام کیا ہے تو اب لوگ تمہیں اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، لوگ تمہیں اس کام پر ملامت کریں یا تمہاری تعریف کریں، ان سب سے بے نیاز

ہوکر تم اپنا کام کیے جاؤ، اگر وہ ملامت کرتے ہیں تو کرنے دو۔ وہ ملامت ایک مسلمان کے گلے کا ہار ہے، وہ اس کے لیے زینت ہے۔ اگر کوئی شخص اتباعِ سنت کی وجہ سے تمہیں ملامت کر رہا ہے، دین پر چلنے اور اللہ کے حکم کی اتباع کی وجہ سے ملامت کر رہا ہے تو وہ ملامت قابلِ مبارک باد ہے، یہ انبیاء علیہم السلام کا ورثہ ہے جو تمہیں مل رہا ہے اس سے مت گھبراؤ اور اس کی وجہ سے اپنی برأت ظاہر مت کرو۔

خلاصہ

خلاصہ یہ نکلا کہ اپنے آپ کو کسی گناہ کے شبہے سے بچانے کے لیے کسی دوسرے پر کوئی بات ظاہر کر دینا کہ یہ بات اصل میں ایسی تھی، یہ عمل صرف یہ کہ ناجائز نہیں بلکہ یہ عمل پسندیدہ ہے، تاکہ اس کے دل میں تمہاری طرف سے بدگمانی پیدا نہ ہو۔ اس لیے کہ دوسرے کو بدگمانی سے بچانا بھی ایک مسلمان کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

دوسروں کے لیے پسندیدگی کا معیار

(اصلاحی خطبات ۱۶/۱۶۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسروں کے لیے پسندیدگی کا معیار

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّابَعْدُ!

فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِكَ (۱)

---

(۱) سنن الترمذی ۱۴۰/۴ (۲۳۰۵) وقال هذا حديث غريب۔ومسند احمد ۲۱۴/۲۷ (۱۶۶۵۳)۔ وسنن ابن ماجه ۶۲۰/۵ (۴۲۱۷) وقال البوصيري في "مصباح الزجاجة" ۲۴۰/۴: هذا إسناد حسن، وأبو رجاء اسمه محرز بن عبد الله، رواه الترمذي في الجامع بغير هذا اللفظ.

تمہید

ایک حدیث کا بیان کئی روز سے چل رہا ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے پانچ نصیحتیں فرمائیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ تاکید فرمائی کہ وہ خود ان باتوں کو سمجھیں اور عمل کریں اور دوسروں تک بھی اس کو پہنچائیں، ان میں سے تین نصیحتوں کا بیان گزشتہ دنوں میں ہوا، اللہ ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو

حضورِ اقدس ﷺ نے چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ

وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِكَ

یعنی دوسروں کے لیے وہی بات پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

ان نصیحتوں میں سے ایک ایک نصیحت اتنی جامع، اتنی مانع اور ہمہ گیر ہے کہ اگر انسان کو ان پر عمل کی توفیق ہو جائے تو اس کی ساری زندگی سنور جائے، یہ نصیحت بھی انہی میں سے ہے کہ دوسروں کے لیے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ نبی کریم ﷺ نے یہ ایک ایسا معیار عطا فرما دیا کہ اس کے ذریعے معاشرت کے جتنے اسلامی احکام ہیں، وہ سب اس ایک جملے کے اندر آجاتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو دین ہمیں عطا فرمایا ہے وہ عقائد اور عبادات کی حد تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق معاملات سے بھی

ہے، معاشرت سے بھی ہے، اخلاق سے بھی ہے اور دین کا ایک بہت بڑا باب ''معاشرت'' ہے، یعنی آپس میں ملنے جلنے میں اور آپس میں رہنے سہنے میں کیا آداب ہونے چاہئیں؟ کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزاری جائے؟ یہ معاشرت کا باب ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر اپنی مجددانہ تعلیمات میں ''معاشرت'' کو بہت زیادہ اہمیت کے ساتھ لوگوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔

مجھے اس سے نفرت ہوجاتی ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک فرمایا کہ میرے مریدین اور متعلقین میں سے کسی کے بارے میں جب مجھے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس نے ذکر، تسبیح یا نوافل کے معمولات میں کوتاہی کی ہے تو اس سے رنج ضرور ہوتا ہے، لیکن اگر مجھے یہ پتہ چلے کہ کسی نے معاشرتی احکام میں سے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہے تو اس سے مجھے نفرت ہوجاتی ہے۔ کیوں کہ معاشرتی احکام کا تعلق حقوق العباد سے ہے، جن کے بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان میں کوتاہی کا ارتکاب کرلے تو یہ گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا، جب تک صاحب حق معاف نہ کرے، اس لیے معاشرتی احکام کی خلاف ورزی بڑا سنگین معاملہ ہے۔

مجھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے

بہرحال! معاشرت دین کے احکام کا ایک بہت بڑا باب ہے، چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''آداب معاشرت'' کے نام سے ایک پورا رسالہ لکھا ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو لوگ تربیت کے لیے تھانہ بھون جایا کرتے

تھے، ان کے لیے معاشرت کے احکام پر پابندی کا بہت اہتمام ہوتا تھا، اسی لیے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو صوفی بننا ہو تو کہیں اور چلا جائے (صوفی سے مراد جس کو عرف عام میں ''صوفی'' کہتے ہیں) اور اگر کسی کو ''آدمی'' بننا ہو تو وہ یہاں آجائے، کیوں کہ وہاں اس بات کو دیکھا جاتا تھا کہ اس کے نشست و برخاست کے انداز میں، اس کے ملنے جلنے کے طریقہ کار میں اسلامی احکام جھلک رہے ہیں یا نہیں؟ یا ان کی خلاف ورزی ہورہی ہے؟ بہرحال! معاشرت دین کے احکام کا عظیم باب ہے، اب اگر معاشرت کے سارے احکام کا خلاصہ نکالنا چاہیں تو یہ حدیث:

''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ''(۱)

اس کا خلاصہ ہے، یعنی تمہاری ذات سے دوسرے مسلمان کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے، نہ جسمانی تکلیف پہنچے، نہ روحانی تکلیف پہنچے، نہ نفسیاتی تکلیف پہنچے، نہ ذہنی تکلیف پہنچے، وہ ہے مسلمان، اور اس کی ذات کسی بھی طرح سے دوسروں کے لیے تکلیف کا سبب نہ بنے، اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ ''معاشرت'' کے سارے احکام اسی حدیث کے گرد گھومتے ہیں کہ آدمی اس کا اہتمام کرے کہ مجھ سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

ہر کام کو اس معیار پر تولو

آدمی جو بھی کام کرے اس میں اس بات کا لحاظ کرے کہ میرے اس کام سے دوسرے کو تکلیف تو نہیں پہنچ رہی ہے؟ اگر اس کا لحاظ کرلیا تو سارے

---

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۱ (۱۰) وصحیح مسلم ۱/۶۵ (۴۱).

معاشرتی احکام کی پابندی ہوگئی اور سارے حقوق العباد ادا ہو گئے، لیکن اس کا پتہ کیسے لگایا جائے کہ مجھ سے دوسرے کو تکلیف پہنچ رہی ہے یا نہیں؟ اس کا معیار یہ حدیث ہے کہ

"وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ"

دوسروں کے لیے وہی بات پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، ہر چیز کو اس معیار پر تول کر دیکھو تو پتہ چلے گا کہ دوسرے کو تکلیف پہنچ رہی ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو اس کام کو چھوڑ دو۔

کھانے کے بعد پان کھانا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں تو اس قسم کا تصوف ہے اگر مراقبے اور مجاہدے والا تصوف چاہتے تو کہیں اور چلے جاؤ، ہمارے یہاں تو اسی کی تربیت دی جاتی ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے لیے باعث تکلیف نہ بنے، میں نے یہ واقعہ آپ حضرات کو پہلے بھی سنایا تھا کہ میرے بھائی جناب محمد ذکی کیفی مرحوم، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ جب یہ بچے تھے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جایا کرتے تھے، حضرت والا بچوں سے بہت پیار کرتے تھے، اس لیے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر سال رمضان تھانہ بھون میں بچوں کے ساتھ گزارتے تھے، بچے چونکہ قواعد وضوابط سے مستثنیٰ ہوتے ہیں، اس لیے بڑے بڑے لوگ تو خانقاہ میں قیام کے دوران اس بات سے ڈرتے تھے کہ کوئی بات حضرت والا کے مزاج کے خلاف نہ ہو جائے، لیکن بچے آزادی سے حضرت والا کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ حضرت والا کا معمول یہ

تھا کہ کھانا کھانے کے بعد چونا، کتھا اور چھالیہ کے بغیر پان کا پتہ چبالیا کرتے تھے، اس لیے کہ یہ پتہ ہاضم ہوتا ہے اور نقصان سے خالی ہے، میرے بڑے بھائی جناب ذکی کیفی مرحوم کے ذمے یہ کام سپرد تھا کہ تم کھانے کے بعد گھر سے پان لایا کرو، اسی وجہ سے حضرت والا نے ان کا نام ''پانی'' رکھ دیا تھا۔

پڑھنے والے کو تکلیف نہ ہو

جب بھائی صاحب مرحوم نے لکھنا سیکھا تو حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ تم پہلا خط حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھو، چنانچہ والد صاحب نے ان سے خط لکھوا کر حضرت کی خدمت میں بھیجا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جو جواب دیا اس میں علم کا ایک باب کھول دیا جواب میں حضرت نے فرمایا کہ

> ''تمہارا خط ملا، بڑا دل خوش ہوا کہ تم نے لکھنا سیکھ لیا، اب تم اپنے خط کو اور زیادہ اچھا بنانے کی کوشش کرو اور نیت یہ کرو کہ پڑھنے والے کو تکلیف نہ ہو، دیکھو میں تمہیں ابھی سے ''صوفی'' بنا رہا ہوں۔''

جو بچہ ابھی لکھنا سیکھ رہا ہے، ظاہر ہے کہ وہ ٹیڑھا سیدھا لکھے گا، اس وقت اس بچے سے یہ فرمارہے ہیں کہ خط کو درست بناؤ تاکہ پڑھنے والے کو تکلیف نہ ہو اور ساتھ میں یہ بھی فرمادیا کہ دیکھو! میں تمہیں ابھی سے ''صوفی'' بنا رہا ہوں، کوئی یہ پوچھے کہ خط درست ہونے سے صوفی کا کیا تعلق؟ اس لیے ہمارے دماغ میں تو یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ جو شخص جتنا بڑا بے ڈھنگا، اتنا بڑا صوفی، جو جتنا غلیظ اور میلا کچیلا، وہ اتنا ہی بڑا صوفی اور جس کا کوئی کام ڈھنگ کا نہ ہو وہ اتنا ہی بڑا صوفی۔

مخلوق کی خدمت کے بغیر تصوف حاصل نہیں ہوسکتا

اس جواب کے ذریعے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتا دیا کہ درحقیقت صوفی وہ ہے جو اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو تکلیف سے بچایا جائے اور اللہ کے بندوں کو راحت پہنچائی جائے، اس لیے حضرت نے فرمایا کہ دیکھو! میں تمہیں ابھی سے صوفی بنا رہا ہوں۔ آج کل لوگوں نے خانقاہوں میں رہنے، ریاضتیں کرنے، مجاہدے کرنے، مراقبات، کشف و کرامات کا نام ''تصوف'' رکھ دیا ہے، لیکن حضرت والا نے حقیقت واضح فرمادی کہ اس کا نام ''تصوف'' نہیں۔

ز تسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمت خلق نیست

یعنی محض تسبیح پڑھ لینے اور مصلے پر بیٹھ جانے اور گدڑی پہن لینے کا نام تصوف نہ تھا، بلکہ مخلوق کی خدمت کے بغیر تصوف حاصل نہیں ہوسکتا۔

بہرحال! اصل بات یہ ہے کہ اپنی ذات سے دوسرے کو ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچے۔

اگر میرے ساتھ یہ معاملہ ہوتا تو!

اس کا معیار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ جب بھی کسی کے ساتھ معاملہ کرو تو اس کو اپنی جگہ پر کھڑا کرو اور اپنے آپ کو اس کی جگہ پر کھڑا کرو اور دیکھو کہ اگر میرے ساتھ یہ معاملہ ہوتا تو مجھ پر کیا گزرتی، میں اس سے خوش ہوتا

یا ناخوش ہوتا، مجھے اس سے راحت ملتی یا تکلیف ہوتی، یہ سوچ لو، اب اگر تمہیں اس معاملے سے تکلیف ہوتی تو پھر تم وہ معاملہ دوسرے کے ساتھ نہ کرو۔ یہ جو ہم نے دو پیمانے بنالیے ہیں کہ اپنے لیے کچھ اور دوسرے کے لیے کچھ اور اس کا راستہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعے بند فرمادیا کہ بس! ایک پیمانہ ہونا چاہیے، اپنے لیے بھی وہی پیمانہ اور دوسرے کے لیے بھی وہی پیمانہ۔

فرائض کی پرواہ نہیں، حقوق کا مطالبہ پہلے

ایک شخص کہیں ملازم ہے یا مزدور ہے، اس کو یہ حدیث تو خوب یاد رہتی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو[1]، یہ حدیث تو خوب یاد رہتی ہے، لیکن اس کا خیال نہیں کہ پسینہ بھی نکلا یا نہیں؟ جس کام کے لیے اسے ملازم رکھا تھا، اس نے وہ کام صحیح طور پر انجام دیا یا نہیں؟ اس کی کوئی پرواہ اور فکر نہیں۔ آج کل مختلف انجمنیں قائم ہیں، پوری دنیا میں ایسی انجمنیں بنی ہوئی ہیں، مثلاً ''انجمن تحفظ حقوق مزدوراں''، ''تحفظ حقوق ملازمین''، ''تحفظ حقوق نسواں'' وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنے حقوق کی وصولی کا مطالبہ کررہا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہیے

---

(۱) سنن ابن ماجه ۹۳/۷ (۲٤٤۳) وقال البوصيری فی "مصباح الزجاجة" (۷۵/۳): هذا إسناد ضعيف، وهب بن سعيد هو عبد الوهاب بن سعيد، وعبد الرحمن بن زيد، وهما ضعيفان، لكن نقل عبد العظيم المنذري الحافظ في "كتاب الترغيب": إن عبد الرحمن بن زيد وثق، وقال: قال ابن عدي: أحاديثه حسان، قال: وهو ممن احتمله الناس، وصدقه بعضهم، وهو ممن يكتب حديثه، قال: ووهب ابن سعيد وثقه ابن حبان وغيره انتهى، فعلى هذا يكون الإسناد حسنا والله أعلم، وأصله في "صحيح البخاري" وغيره من حديث أبي هريرة، لكن إسناد المصنف ضعيف.

اور میرے ذمے جو دوسرے کا حق ہے اس کا کوئی خیال نہیں، جو ملازم ہے وہ یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے میری پوری مزدوری ملنی چاہیے، لیکن میرے ذمے جو آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہے وہ پورا وقت ملازمت میں دیتا ہوں یا نہیں؟ یا اس میں ڈنڈی مار جاتا ہوں، اس کی طرف بالکل دھیان نہیں۔ دفتر میں تاخیر سے پہنچ رہے ہیں اور تاخیر سے پہنچنے کے بعد بھی اپنے فرائض منصبی ادا نہیں کر رہے ہیں، ملازمت کے اوقات کے دوران اپنے ذاتی کاموں میں مصروف ہیں، یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لیے کہ جو کچھ اپنے لیے پسند کیا، وہ دوسروں کے لیے پسند نہیں کر رہے ہیں، اپنے لیے کچھ اور معیار ہے، دوسروں کے لیے کچھ اور معیار ہے، اگر ان سے کہہ دیا جائے کہ چونکہ اس وقت تم نے وقت پورا نہیں دیا اس لیے تمہاری تنخواہ وضع کی جائے گی تو اب اس کے خلاف لڑائی اور جھگڑا اور جلسے اور جلوس شروع ہو جائیں گے کہ ملازمین کے حقوق پامال کیے جا رہے ہیں۔

ملازمت میں یہ طریقہ کار ہو

یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کہ اپنے لیے اور معیار ہے اور دوسروں کے لیے اور معیار ہے، اپنے فرائض کی طرف تو نگاہ نہیں بس اپنے حقوق کی طرف نگاہ جا رہی ہے۔ یہ صرف سرکاری ملازمین کے لیے نہیں، بلکہ جو حضرات علماء مدارس میں پڑھا رہے ہیں یا مدارس میں ملازم ہیں، ان میں سے کسی اللہ کے بندے کے دل میں شاید ہی یہ خیال آتا ہوگا کہ میری تنخواہ حلال ہو رہی ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں دارالعلوم کراچی میں یہ قانون ہے کہ تمام اساتذہ اور ملازمین اپنی آمد و رفت کا وقت لکھ دیتے ہیں، اگر درس میں زیادہ تاخیر ہو تو اس کی تنخواہ خود بخود وضع ہو جاتی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تھانہ بھون میں جو مدرسہ

تھا وہاں اگرچہ اس قسم کا نظام نہیں تھا، لیکن استاذ خود مہینے کے آخر میں ایک درخواست لکھتا کہ اس ماہ کے دوران مجھے اتنی تاخیر ہوئی تھی یا میرے اتنے ناغے ہوئے ہیں، اس لیے اتنی تنخواہ میری تنخواہ سے وضع کرلی جائے۔ آج ہر شخص اپنے حقوق کے مطالبے کے نعرے لگا رہا ہے، لیکن کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ میں فرائض منصبی میں کتنی کوتاہی کر رہا ہوں۔

تنخواہ گھٹانے کی درخواست

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالبعلم تھے، پھر وہاں کے استاذ ہوئے، پھر شیخ الحدیث ہوئے، جب بخاری شریف پڑھاتے ہوئے ایک مدت گزر گئی تو مجلس شوریٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت کی تنخواہ بڑھانی چاہیے، ایک مدت سے آپ پڑھا رہے ہیں، اس وقت آپ کی تنخواہ دس روپے ماہوار تھی، لہٰذا آپ کی تنخواہ پندرہ روپے ماہوار کی جاتی ہے۔ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے باقاعدہ ایک درخواست مجلس شوریٰ کے نام لکھی اور اس میں لکھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ مجلس شوریٰ نے میری تنخواہ بڑھادی ہے، لیکن مجھے اس کا کوئی جواز نظر نہیں آتا، اس لیے کہ پہلے تو میرے قویٰ مضبوط تھے، وقت بھی زیادہ دیتا تھا، اب تو میرے قویٰ بھی کمزور ہو رہے ہیں اور وقت بھی زیادہ نہیں دے پاتا، اس لیے اب میری تنخواہ بڑھانے کے بجائے گھٹائی جائے۔ تنخواہ بڑھانے کی درخواست تو آپ نے دیکھی ہوگی، لیکن وہاں تنخواہ گھٹانے کی درخواست دی جارہی ہے۔

دو پیمانے بنا رکھے ہیں

جن کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کی فکر ہوتی ہے، جو یہ جانتے ہیں کہ حقوق کے مطالبے سے پہلے اپنے فرائض کی ادائیگی کا دھیان رکھنا ہے، ان کا یہ مزاج ہوتا ہے۔ آج دنیا میں جھگڑے اس لیے ہو رہے ہیں کہ ہم نے دو پیمانے مقرر کر رکھے ہیں، اگر میں دوسرے کو ملازم رکھا ہوا ہوں تو میں یہ چاہوں گا کہ کس طرح اس کی کھال کھینچ لوں اور اجرت کم سے کم دوں اور اگر میں ملازم ہوں تو میں یہ چاہوں گا کہ اجرت مجھے زیادہ سے زیادہ مل جائے اور کام کم سے کم کروں، اس لیے یہ سارے جھگڑے ہو رہے ہیں، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل ہوجائے کہ اگر تم ملازم ہو تو یہ سوچو کہ اگر دوسرا شخص میرا ملازم ہوتا تو میں اس سے کیا چاہتا اور اگر تم نے کسی کو ملازم رکھا ہوا ہے تو یہ سوچو کہ اگر میں ملازم ہوتا تو میں اپنے آجر سے کیا چاہتا، وہ ادا کرو۔ اسی طرح میاں بیوی کے جھگڑے ہیں، اس میں زیادہ دخل اس بات کا ہے کہ وہاں پر بھی دو پیمانے ہیں، وہاں پر اس حدیث پر عمل ضروری ہے کہ ان کے لیے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، یعنی اگر تم شوہر ہو تو تم یہ دیکھو کہ میں اپنی بیوی سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتا ہوں اور اس کی کس بات سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے؟ اور اس کی کس بات سے مجھے راحت پہنچتی ہے؟ پھر تم بھی اپنی بیوی کے ساتھ ایسا سلوک کرو جو اس کو راحت پہنچانے والا ہو، تکلیف پہنچانے والا نہ ہو۔ اگر تم بیوی ہو تو تم یہ دیکھو کہ مجھے اپنے شوہر کی کس بات سے اور کس سلوک سے تکلیف پہنچتی ہے؟ اور کس بات سے اور کس سلوک سے راحت پہنچتی ہے؟ پھر بیوی اپنے شوہر کے ساتھ ایسا سلوک کرے جو اس کو راحت پہنچانے والا ہو۔

ساس بہو کے جھگڑے کی وجہ

ساس بہو کے جھگڑوں سے ہمارا پورا معاشرہ بھرا ہوا ہے، بے شمار گھرانے اس فساد کا شکار ہیں، یہ سب کیوں ہے؟ اس لیے کہ اس حدیث پر عمل نہیں ہو رہا ہے، جب تک ساس صاحبہ بہو تھیں، اس وقت تک وہ اپنی ساس سے کیسے سلوک کی توقع رکھتی تھیں اور جب خود ساس بن گئی ہیں تو اب اپنی بہو کے ساتھ کیسا معاملہ کر رہی ہیں، یہ دو پیمانے الگ الگ بنائے ہوئے ہیں کہ اپنے لیے پیمانہ اور ہے اور دوسروں کے لیے پیمانہ اور ہے، اگر ایک پیمانہ ہو جائے تو یہ سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔

اس طریقے کو ختم کرو

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ
وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (۱)

فرمایا کہ افسوس ہے ان لوگوں پر کہ جب اپنا حق لینے کا موقع آئے تو پورا پورا لیں، کوئی کسر نہ چھوڑیں اور جب دوسرے کو دینے کا وقت آئے تو اس میں ڈنڈی مار جائیں۔ بہرحال! نبی کریم ﷺ نے اس حدیث کے ذریعے ایسا معیار بیان فرمادیا کہ جس کے ذریعے ہم اپنے معاشرتی طرزِ عمل کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ ہم سے کہاں غلطی ہو رہی ہے؟ بس جہاں غلطی ہو رہی ہے اس کو

(۱) سورۃ المطففین آیت (۱ تا ۳)۔

درست کرلو تو اللہ تعالیٰ اس کی برکات ایسی عطا فرمائیں گے کہ ہمارے دین و دنیا سنور جائیں گے۔

میری مخلوق سے محبت کرو

میرے شیخ حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے، تو میری مخلوق سے محبت کرو، تم مجھ سے کیا محبت کروگے، کیوں کہ تم نے نہ مجھے دیکھا ہے، نہ تمہارے اندر دیکھنے کی طاقت ہے، اس لیے تم مجھ سے کیا محبت کروگے؟ میری محبت کا عنوان یہ ہے کہ میری مخلوق سے محبت کرو، میرے بندوں سے محبت کرو۔ حضرت والا کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی محبت کسی کے دل میں ڈالتے ہیں تو پھر اس کا معاملہ یہ ہوجاتا ہے کہ ہر مخلوق خدا سے اس کو محبت ہوتی ہے، اس کے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہیں ہوتا، اس کے دل میں کسی کے خلاف بغض نہیں ہوتا، جیسے کسی نے کہا کہ ؎

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

اب کسی کے خلاف نہ تو غصہ ہے، نہ کینہ ہے، نہ بغض ہے، نہ عداوت ہے، بلکہ ہر حال میں دوسرے کے حق میں خیر خواہی ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ

چنانچہ اپنے بزرگوں کو ہم نے ایسا پایا کہ ان سے تعلق رکھنے والے جتنے

لوگ ہوتے تھے، ان میں سے ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ ان بزرگ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے اور یہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چلی آرہی ہے، ہر صحابی یہ سمجھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے زیادہ محبت ہے، یہاں تک کہ اس کو یہ خیال ہوتا تھا کہ سب سے محبوب ہی میں ہوں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو بہت بعد میں مسلمان ہوئے، ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب ہوں، اب سابقین اولین میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ومحبت کا انداز دیکھ کر دل میں یہ خیال آیا کہ شاید میں زیادہ محبوب ہوں، اب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ بیٹھے کہ یا رسول اللہ! آپ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت ہے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر سے، اس وقت راز کھلا کہ ان کے مقابلے میں ابوبکر سے زیادہ محبت ہے۔ اب دل میں خیال آیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو بہت اونچی شخصیت ہیں، ان سے تو آپ کو بہت محبت ہوگی، اب دوسرے نمبر پر میں زیادہ محبوب ہوں گا، لہٰذا پھر سوال کرلیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے زیادہ محبت ہے یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت ہے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر سے، فرماتے ہیں کہ اب مزید سوال کرنے سے میں ڈر گیا کہ اب مزید سوال کروں گا تو پتہ نہیں کون سے نمبر پر جاؤں گا۔[1] بہرحال! ان کے دل میں خیال اس لیے آیا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل ہر ایک صحابی کے ساتھ ایسا تھا کہ ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے زیادہ محبت ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری ١٦٦/٥ (٤٣٥٨)

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا ہر ایک کے لیے دعا کرنا

ہم نے اپنے بزرگوں میں بھی یہی طرزِ عمل دیکھا، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو، حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کو، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ جتنے متعلقین ہیں ان میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ حضرت کو مجھ سے زیادہ محبت ہے، ایسا کیوں تھا؟ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت دل میں ڈال دی تو اپنی مخلوق کی ایسی محبت دل میں ڈال دی کہ ہر ایک کی خیر خواہی، ہر ایک سے محبت، ہر ایک کا خیال، حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب کبھی کسی ملنے جلنے والے سے ملاقات ہوجاتی تو فرماتے، ارے بھائی! ہم تمہارے لیے بہت دعا کرتے ہیں اور روزانہ دعا کرتے ہیں، اب اگر تو یہ کریں تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب عمومی طور پر تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرتے ہوں گے تو تم بھی ان کے اندر داخل ہوجاتے ہوگے، لیکن حضرت والا کی یہ مراد نہیں تھی کہ عمومی طور پر اس طرح دعا کرتا ہوں، بلکہ واقعتاً خصوصی طور پر نام لے کر ہر ایک کے لیے دعا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے پوچھ لیا کہ حضرت! آپ روزانہ ہر ایک کے لیے کس طرح دعا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ میں نے پانچ نمازوں کو تقسیم کر رکھا ہے مثلاً فجر کی نماز کے لیے یہ طے کر رکھا ہے کہ اپنے جو بڑے ہیں، جیسے والدین، اساتذہ، مشائخ ان سب کے لیے فجر کی نماز کے بعد دعا کروں گا، ظہر کی نماز کے لیے طے کر رکھا ہے کہ اپنے برابر کے دوست واحباب ہیں، ہم سب ہیں ان کے لیے دعا کروں گا اور عصر کی نماز کے بعد اپنے سے چھوٹوں کے لیے اور اپنے متعلقین کے لیے دعا کروں گا، مغرب کے بعد اپنے عزیزوں اور رشتے داروں کے لیے دعا کروں گا، اس طرح میں نے پانچ نمازوں کو اپنے ملنے جلنے والوں

اور اہل خانہ کے لیے بانٹ رکھا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے اپنے وقت پر ہر ایک کے لیے دعا ہوجاتی ہے، الحمدللہ۔ یہ دعائیں کیوں ہورہی ہیں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی بدولت اپنی مخلوق کی محبت دل میں ڈال دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے دل میں بھی یہ محبت پیدا فرمادے، آمین۔ بہرحال! یہ چوتھی نصیحت تھی جو حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمائی کہ دوسروں کے لیے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

پانچویں نصیحت

پانچویں نصیحت حضورِ اقدس ﷺ نے یہ فرمائی کہ

"لاتكثر الضحك، فإن كثرة الضحك تميت القلب"(۱)

یعنی بہت زیادہ ہنسا مت کرو، اس لیے کہ کثرت سے ہنسا دل کی موت کا باعث ہوتا ہے، اس سے انسان کا دل مرجاتا ہے۔

یہاں ہنسنے سے قہقہہ مار کر ہنسنا مراد ہے، حضورِ اقدس ﷺ کی سنتوں میں یہ ہے کہ آپ قہقہہ مار کر نہیں ہنستے تھے، زیادہ تر تو تبسم فرماتے تھے، مسکراتے تھے، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ بعض اوقات ہنسنے کے دوران آپ کا منہ کھل جاتا تھا اور داڑھیں ظاہر ہوجاتی تھیں، لیکن قہقہہ مار کر ہنسنا کہیں ثابت

(۱) سنن الترمذي ٤/١٤٠ (٢٣٠٥) وقال هذا حديث غريب.

نہیں[1]۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر وقت ہنسنے ہنسانے میں لگا رہے اور مسخرہ بن جائے تو یہ پسندیدہ نہیں، البتہ حدود کے اندر رہتے ہوئے ہنسی مذاق بھی جائز ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا مذاق کیا ہے۔[2] بہرحال! یہ اس حدیث کا حاصل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہمیں ان پانچوں نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(۱) سنن الترمذی ۳۲/٦ (٣٦٤٥) وقال هذا حديث حسن غريب.

(۲) ملاحظہ ہو: الشمائل المحمدية ص ۱٤۱ باب ما جاء فی صفة مزاح رسل الله ﷺ، طبع دار إحياء التراث العربی۔

تعریف کرنے اور سننے کے احکام

(درس شعب الایمان ۴/ ۲۳۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعریف کرنے اور سننے کے احکام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

وعن المقداد بن الاسود رضی اللہ تعالی عنہ قال: اَمَرَنَا رَسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا رَاَيْنَا المَدَّاحِيْنَ اَنْ نَحْثُوَ فِی وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ۔(۱)

(۱) صحیح مسلم ۲۲۹۷/۴ (۳۰۰۲) وشعب الایمان للبیہقی ۴۹۸/۶ (۴۵۲۴)۔

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالك من الشاهدين والشاكرين، والحمد للہ رب العالمین۔

منہ پر تعریف کرنے کا حکم

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، وہ روایت فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب ہم لوگوں کو دیکھیں جو بہت تعریف کرنے والے ہیں، یعنی ہمارے منہ پر بہت تعریف کرنے والے ہیں تو ہم ان کے چہروں پر مٹی ڈال دیں۔ یعنی ان کی بات کو روک دیں اور ان کا جو مقصد ہے وہ پورا ہونے نہ دیں۔

یہ صحیح حدیث ہے اور متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے [1]۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دوسرے کی تعریف کر رہا ہے اور تعریف کرنے میں

---

(۱) ملاحظہ ہو سنن الترمذی ۲۰۱/٤ (۲۳۹٤) من حديث أبی هريرة رضی اللہ عنہ وقال هذا حديث غريب، ومسند البزار ۳۰۷/۱۳ (٦۹۰۲) من حديث أنس بن مالك رضی اللہ عنہ، والمعجم الأوسط ۲۰۲/٤ (۳۹۷۷) وقال الهيثمی فی "المجمع" ۲۱۸/۸ (۱۳۲۹۰) وفيه أحمد بن قاسم بن أبی نبرة ولم أعرفه وهو حسن الإسناد لو سلم من هذا. ومسند أحمد ٤۹٦/۹ (٥٦۸٤) من حديث ابن عمر وقال الهيثمی فی "المجمع" ۲۱۸/۸ (۱۳۲۸۹) ورجاله رجال الصحيح، ومسند البزار ۳۸۰/۸ (۳٤٥۷) حديث عبد الرحمن بن أزهر، نیز ملاحظہ ہو مجمع الزوائد ۲۱۸/۸ ـ ۲۲۰۔

بہت ہی زیادہ مبالغے سے کام لے رہا ہے تو آپ ﷺ نے تعریف کرنے والے سے فرمایا کہ تم نے اس آدمی کو برباد کردیا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ تم نے اس شخص کی کمر توڑ دی[۱]۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ حدیثیں روایت فرمائی ہیں۔ یہ احادیث کسی کے منہ پر اس کی بہت زیادہ تعریف کرنے سے منع کرتی ہیں۔

زبان کے چند گناہ

آدمی یہ کام زبان سے ہی کرتا ہے اور انسان کی زبان ایسی چیز ہے جو اس کو بہت سے گناہوں میں مبتلا کردیتی ہے اور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ انسانوں کو جہنم میں اوندھے منہ گرانے والی کوئی چیز اتنی زیادہ خطرناک نہیں ہے جتنی انسان کی زبان ہے[۲]۔ زبان سے متعلق بہت سارے گناہ ہیں اور بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو کرتے وقت خیال بھی نہیں آتا کہ ہم کسی بڑے گناہ کے مرتکب ہورہے ہیں۔ ان میں سے کچھ گناہوں کا ذکر ہوچکا ہے جیسے جھوٹ، غیبت وغیرہ۔

اس گناہ کا احساس نہیں

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیثیں اس لیے ذکر فرمائی ہیں تاکہ ہمیں یہ احساس ہو کہ کسی کی ضرورت سے زیادہ تعریف کرنا یا کسی کی ایسی تعریف کرنا جس سے

(۱) صحیح البخاری ۱۷۷/۳ (۲۶۶۳) وصحیح مسلم ۲۲۹۷/٤ (۳۰۰۱) وشعب الایمان للبیھقی ٤۹۹/٦ (٤۵۲٦)۔

(۲) سنن الترمذی ۳٦۲/٤ (۲٦۱٦) وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔

مبالغہ ہو، یہ بھی گناہ ہے، لیکن بسا اوقات ہمیں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ ہم گناہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی گناہ ہے اور نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ اس سے منع فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ زیادہ تعریف کرنے والوں کے منہ پر مٹی ڈال دو۔

حوصلہ افزائی کے لیے تعریف

یہاں جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اگر کوئی اچھا کام کیا ہے تو اُس کی ہمت اور حوصلہ بڑھانے کے کوئی تعریفی کلمہ کہہ دینا کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ اچھی بات ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ"(۱)

جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔

کسی شخص نے آپ کے ساتھ احسان کیا ہے، اچھائی کی ہے، آپ کو دنیا کا یا آخرت کا کوئی فائدہ پہنچایا ہے تو آپ اس کے عمل کی تعریف کردیں، مختصر اور مناسب الفاظ میں اس کا شکریہ ادا کریں تو نہ صرف یہ کہ کوئی بری بات نہیں، یہ کوئی گناہ بھی نہیں، بلکہ اچھا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ جس نے آپ کے ساتھ کوئی اچھائی کی ہو یا آپ پر کوئی احسان کیا ہو تو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ اگر شکریہ ادا نہ کرے تو یہ ناشکری ہے اور جو انسانوں کی ناشکری کرے گا وہ اللہ کی بھی ناشکری کرے گا۔ جب انسانوں کا حق ادا نہیں کررہا، ان کے احسانوں کو نہیں مان رہا، ان کا شکریہ ادا نہیں کررہا تو یہ اللہ تعالیٰ کی بھی ناشکری ہوگی۔

---

(۱) سنن الترمذی ۵۰۵/۳ (۱۹۵۵) وقال ھذا حدیث حسن۔

بدلے اور شکریہ کا انتظار

ہاں! جس شخص نے کوئی بھلائی کی ہے اُس کو یہ انتظار اور اشتیاق نہیں ہونا چاہیے کہ میں نے اس کے ساتھ بھلائی کی تھی تو یہ مجھے بدلہ دے، میرا شکریہ ادا کرے، میری تعریف کرے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے، کیونکہ جو کچھ بھی اچھائی کی جائے، جو کوئی نیکی کا کام کیا جائے وہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہونا چاہیے۔ کسی کی کوئی مدد کردی، کسی کو اس کے مقصد تک پہنچانے کی کوشش کرلی، کسی کو کوئی کلمۂ خیر کہہ دیا، یہ سب کچھ اللہ کے لیے ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا اجر مجھے عطا فرمائیں۔ اس سے بدلہ چاہنا یا اس کے شکریہ ادا کرنے کی خواہش یا اس کے شکریہ ادا کرنے کا انتظار یا تعریف کا انتظار، یہ نیک بندوں کا کام نہیں۔

نیک بندوں کی صفات

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نیک بندوں اور جنتیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب وہ مسکینوں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں تو کہتے ہیں:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (۱)

ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کھلا رہے ہیں، ہمیں تم سے نہ کوئی بدلہ چاہیے اور نہ شکریہ چاہیے۔

---

(۱) سورۃ الدھر آیت (۹).

اخلاص نہ ہونے کی علامت

یہ وہ چیز ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اور آپ سب کو عطا فرمادے تو نہ جانے کتنی رنجشیں، کتنی عداوتیں اور کتنے جھگڑے ختم ہوجائیں۔ یہ جو رشتے داروں میں جھگڑے ہوتے ہیں یا رنجشیں ہوتی ہیں وہ اس وجہ سے ہوتی ہیں کہ میں نے تو فلاں کے ساتھ یہ کام کیا تھا، اس کے ساتھ اچھائی کی تھی، اس نے مجھے کوئی بدلہ ہی نہیں دیا، اس نے موقع پڑنے پر میرا کام نہیں کیا، اس نے میرا کوئی شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔ یہ جو شکایتیں پیدا ہورہی ہیں یا یہ جو رنجشیں پیدا ہوری ہیں یہ اس بات کی علامت ہے کہ اچھائی کرتے وقت خلوص نہیں تھا اور وہ کام اللہ کے لیے نہیں کرر ہے تھے۔

دوسروں سے توقعات نہ رکھو

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ جس دن دوسرے لوگوں سے توقع قائم کرنا بند کردوگے اس دن راحت میں آجاؤگے۔ ساری تکلیفیں اور سارے رنج اس بنا پر ہوتے ہیں کہ تم نے دوسروں سے توقعات وابستہ کی ہوئی ہیں کہ میں اس کے ساتھ یہ کروں گا تو یہ میرے ساتھ یہ کرے گا۔ ہم نے فلاں کی شادی کے اوپر اتنا بڑا تحفہ دیا تھا اور جب ہمارا موقع آیا تو ہمیں ایسے ہی ٹرخادیا۔ تو معلوم ہوا کہ جو تحفہ دیا تھا وہ محض ریاکاری کے لیے دیا تھا، نام ونمود کے لیے دیا تھا۔ بدلہ لینے کے لیے دیا تھا، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے نہیں دیا تھا۔

تحفہ برکت کی چیز ہے

ہدیہ اور تحفہ دینا بڑی برکت کی چیز ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"تهادوا تحابوا" (۱)

ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

اور میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انسانوں کی آمدنی کے جتنے ذرائع ہوتے ہیں ان میں سے زیادہ برکت کی چیز یہ ہے کہ کوئی مسلمان محض خلوص سے محبت کی خاطر دوسرے کو کوئی ہدیہ پیش کرے۔ تو اس ہدیہ میں اپنے ہاتھ کی کمائی سے بھی زیادہ برکت ہے۔ اس کی بڑی قدر کرنی چاہیے۔ حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی مجھے بکری کا کھرا اور پایہ بھی ہدیہ میں دے تو میں قبول کرلوں گا(۲)۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کو دیے ہوئے ہدیے کی اتنی قدر و قیمت ارشاد فرمائی۔ بڑے ثواب کی چیز ہے، لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب انسان محض محبت کی خاطر، محض اللہ کو راضی کرنے کے لیے اور یہ سمجھ کر دے کہ یہ میرا مسلمان

---

(۱) الادب المفرد للبخاری ۳۰۶ (۵۹٤) والحديث ذكره الحافظ العراقي في "تخريج احاديث الاحياء" ۳۸٦/۱ (۱٤۵۳) وقال: البخاري في كتاب "الأدب المفرد" والبيهقي من حديث أبي هريرة بسند جيد.

(۲) صحيح البخاری ۱۵۳/۳ (۲۵٦۸)۔

بھائی ہے، میرا رشتہ دار ہے، میرا عزیز ہے، میرا دوست ہے، اس کو اظہارِ محبت کے طور پر میں ہدیہ دے رہا ہوں تو یہ بڑے فائدے کی چیز ہے، بڑا اجر ملے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سود کی ایک قسم

لیکن جہاں یہ نیت آجائے کہ یہ مجھے بدلہ دے تو بس یہ بڑی خطرناک بات ہے اور یہ سارے کے سارے کیے دھرے پر پانی پھیرنے والی بات ہے۔ قرآن کریم میں اس کو "رِبا" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ (1)

اور جو تم یہ سود دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھ جائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔

اس آیت میں "ربا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے مشہور معنی سود کے ہیں، لیکن اس کے ایک معنی اور ہیں اور وہ یہ کوئی شخص اس نیت سے کسی کو تحفہ دے کہ وہ اس سے زیادہ قیمتی تحفہ دے گا مثلاً شادی بیاہ کے موقع پر نیوتہ کی رسم کا یہی مقصد ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے مفسرین نے یہاں "ربا" کے یہی معنی مراد لیے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس آیت میں نیوتہ کی رسم کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، وہ تحفہ جس کا مقصد زیادہ قیمتی تحفہ حاصل کرنا ہو، اس کو سورۂ مدثر میں بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا:

---

(۱) سورۃ الروم آیت (۳۹).

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (۱)

اور کوئی احسان اس نیت سے نہ کرو کہ زیادہ وصول کرسکو۔

کسی کو اس نیت سے کوئی تحفہ دینا کہ جواب میں وہ اس سے زیادہ دے، اس آیت کی رو سے ممنوع ہے۔ یہ جو تم ایک دوسرے کو نیوتہ دیتے ہو کہ آج میں نے اس کو اتنے پیسے دیے، یہ کل مجھے اس سے زیادہ دے گا۔ تو درحقیقت یہ سود کی ایک قسم ہے۔ بھلا بتاؤ! کہ پیسے بھی دیے اور ثواب حاصل کرنے کے بجائے الٹا عذاب مول لیا۔ اس لیے کہ دل میں اخلاص نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کے بجائے مخلوق کے نام ونمود کی خاطر یہ سب لین دین ہورہا ہے۔ اس لیے یہ ناجائز اور حرام ہے۔

ہر ایک کا الگ فرض ہے

تو جو کوئی نیکی کا کام کرو تو نہ بدلے کی توقع رکھو، نہ شکریہ کی توقع رکھو، لیکن جس کے ساتھ بھلائی کی جارہی ہے اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے، وہ اس کی حوصلہ افزائی کرے کہ آپ نے میرے ساتھ یہ اچھا معاملہ کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ جو یہ نہیں کرتا وہ ناشکری کررہا ہے۔ شریعت نے ہر ایک کے فرائض اور حقوق الگ الگ بیان فرمائے ہیں۔ اُس کا کام یہ ہے کہ شکریہ کا انتظار نہ کرے اور اس کا کام یہ ہے کہ شکریہ ادا کرے۔ تو اگر کسی نیکی کے بدلے میں اس کا شکریہ ادا کیا جائے، کوئی ہمت افزائی کا کلمہ کہہ دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ ایسا کرنا چاہیے۔

---

(۱) سورۃ المدثر آیت (٦)۔

۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے تعریفی کلمات

اور خود نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔ اگر کسی صحابی نے کوئی اچھا عمل کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعریف بھی فرماتے تھے۔ اس کے حق میں دعا بھی دیتے تھے۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کوئی بڑی بشارت کا کلمہ بھی ارشاد فرمادیا کرتے تھے۔ ایک دو نہیں، ایسی بے شمار مثالیں ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمت افزائی کے لیے تعریف کے کلمات فرمائے اور تقریباً سارے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں کوئی نہ کوئی تعریف کا کلمہ مذکور ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو فرمایا جارہا ہے کہ تعریف کرنے والوں کے منہ پر مٹی ڈال دو، یہ ہر تعریف کے بارے میں نہیں کہا جارہا۔ اگر آدمی کسی دوسرے کی ہمت افزائی کے طور پر بھلائی اور تعریف کا کوئی کلمہ کہہ دے تو وہ اس میں داخل نہیں۔

۰ خوشامد اور چاپلوسی رشوت ہے

لیکن جس تعریف سے منع کیا جارہا ہے اس میں دو باتیں شامل ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہیے۔ ایک وہ تعریف ہے جو خوشامد کی خاطر کی جائے یہ ممنوع ہے اور وہ تعریف جو بے ساختہ انسان کے منہ سے کسی بھلائی کے بارے میں نکلے تو وہ اچھی بات ہے، لیکن باقاعدہ بناوٹ کر کے دوسرے کی خوشامد کی خاطر کوئی تعریف کی جائے یا کوئی کام کیا جائے تو اس کو حدیث میں تملّق فرمایا گیا ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔ یہ حدیث سند کے اعتبار

سے اتنی مضبوط نہیں ہے، لیکن متعدد طریق سے آئی ہے اس لیے قبول کی گئی ہے۔ فرمایا:

"مسلمان کے اخلاق میں یہ بات داخل نہیں ہے کہ وہ تملق کرے، دوسرے کی خوشامد کرے۔"(۱)

یعنی اپنا کوئی کام نکالنے کی خاطر دوسرے کی تعریف کرے کہ جب یہ میری تعریف سنے گا تو اب جو آگے میں اس سے کام کروانا چاہتا ہوں، تو وہ میرا یہ کام کردے گا۔ یہ درحقیقت تعریف نہیں ہوتی، محض ایک رشوت ہوتی ہے۔ دل میں تعریف نہیں ہے، لیکن اس لیے کی جارہی ہے کہ میں اس کی تعریف کروں گا تو یہ خوش ہوگا اور پھر اس میں اس سے اپنا کوئی کام کروانا چاہوں گا تو یہ وہ کام آسانی سے کردے گا۔ یہ تملّق ہے۔

طالبِ علم مستثنیٰ ہے

فرمایا کہ یہ مومن کا خُلُق نہیں ہے کہ وہ کسی کی چاپلوسی کرے اور خوشامد کے انداز اختیار کرکے اس کی تعریف کرے۔ ہاں! حدیث میں ایک چیز کا استثنیٰ فرمایا کہ سوائے طالب علم کے(۲)۔ یعنی علم حاصل کرنے کے لیے ضرورت پیش آگئی کہ کسی کی تعریف کی جائے، کسی کی تعریف کرکے اس سے علم کی کوئی صحیح

---

(۱) شعب الایمان للبیهقی ٦/٤٩٥ (٤٥٢٢) قال البيهقي: الحسن بن دينار ضعيف بمرة، وكذلك خصيب بن جحدر، والله أعلم۔ ومسند الشهاب القضاعی ٢/٢٠٣ (١١٨٨) وتاريخ اصبهان لابی نعيم ٢/١٠٠ طبع دار الكتب العلمية.

(۲) ملاحظہ ہو شعب الایمان للبیهقی ٦/٤٩٥ (٤٥٢٢-٤٥٢٣)۔

بات حاصل کرلے تو اس کو مستثنیٰ فرمایا، لیکن عام حالات میں تملق اور خوشامد کرنا کسی مومن کی صفت نہیں ہے۔

منہ میں مٹی ڈالنے کا مطلب

اس لیے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ حدیث میں جو فرمایا کہ "جو تمہاری تعریف کرے تو اس کے منہ میں مٹی ڈال دو۔" تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حقیقت میں مٹی ڈال دو، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس نے جس مقصد کے تحت تعریف کی ہے کہ تم اس کا کوئی کام کردو، تو اس مقصد میں اس کو ناکام بنادو۔ تم اس کے مقصد کو پورا نہ ہونے دو۔ اس لیے کہ وہ بناوٹی تعریف کر رہا ہے۔

کسی سے کوئی کام کرانا ہو تو سیدھے طریقے سے کہہ دو کہ میرا یہ کام آپ سے وابستہ ہے، آپ اسے مہربانی کر کے کردو، لیکن تمہیدیں باندھ کے، زمین و آسمان کے قلابے ملا کر اس کی تعریف کرنا تا کہ اس کا دل نرم ہوجائے اور پھر اس سے اپنا کام نکالنا، یہ مومن کی صفات میں داخل نہیں ہے۔ بہرحال! وہ تعریف بُری ہے جو خوشامد اور چاپلوسی کے انداز میں کی جائے۔

تعریف میں مبالغہ کرنا ناجائز ہے

اور تعریف کے سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے نہ ملائے جائیں اور نہ تعریف میں مبالغے سے کام لیا جائے۔ یہ بھی منع ہے۔ جتنا کوئی قابل تعریف کام ہے تو اس حد تک تعریف کردینے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن زمین و آسمان کے قلابے ملا کر، مبالغہ کر کر کے کسی آدمی کو آسمان پر

چڑھا دینا اور اس کی اتنی تعریف کرنا جو مبالغے کی حد تک پہنچ جائے تو یہ بھی بہت بری بات ہے اور ناجائز ہے۔

خود پسندی اور تکبر کا خطرہ

اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کی تم اس طرح تعریف کر رہے ہو تم نے اس کو برباد کر دیا۔ برباد کیوں کر دیا؟ اس لیے کہ جب وہ اپنی اتنی بڑی تعریف سنے گا تو اس کے دل میں خود پسندی پیدا ہوگی، عُجب آجائے گا، تکبر پیدا ہو جائے گا کہ دیکھو! میری اتنی بڑی بڑی تعریفیں کی جارہی ہیں تو میں کچھ نہ کچھ تو ہوں گا۔ وہ خود پسندی میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے گا، اُس کے دل میں بڑائی آجائے گی اور جب اس کے دل میں بڑائی آگئی تو تباہی کا راستہ کُھل گیا، اسی لیے فرمایا کہ تم نے اس کو تباہ کر دیا۔ تم نے اس کی کمر توڑ دی۔ انسان جب لوگوں سے اپنی تعریفیں سنتا ہے تو بعض اوقات شیطان اور نفس اس کو گمراہ کر کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ تم اتنے بڑے آدمی ہو اور اتنے شاندار آدمی ہو کہ اتنے لوگ تمہاری اس طرح تعریفیں کر رہے ہیں۔ یہ تعریف اس کو خود پسندی میں مبتلا کر دیتی ہے۔

ایک لالچی شخص کا واقعہ

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے اس کی ایک بڑی دلچسپ مثال دی ہے کہ تاریخ میں آتا ہے کہ ایک شخص جس کا نام اشعب تھا اور وہ لالچی مشہور تھا، یعنی وہ ہر بات میں کوئی نہ کوئی لالچ کا پہلو نکال لیتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ

کہیں جارہا تھا۔ تو راستے میں دیکھا کہ دکاندار برتن بنارہے ہیں تو برتن بنانے والوں سے کہتا ہے کہ میاں! یہ چھوٹے چھوٹے برتن کیوں بنارہے ہو؟ چھوٹے تھال کیوں بنارہے ہو؟ ذرا بڑے بڑے بناؤ۔ تو لوگوں نے کہا کہ کیوں؟ کہا کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی اس برتن اور تھال میں میرے لیے ہدیہ لے کر آجائے تو ذرا بڑا برتن ہوگا تو اس کے اندر ہدیہ بھی زیادہ آئے گا۔(۱) اس طرح کے اس کے لالچ کے قصے مشہور ہیں۔

شاید مٹھائی بٹ رہی ہو

اُس کا ایک قصہ یہ مشہور ہے کہ وہ کہیں جارہا تھا اور راستے میں بچے کھیل رہے تھے تو ان بچوں سے ایسے ہی جھوٹ موٹ کہتا ہے کہ ارے! تم یہاں کیوں کھیل رہے ہو؟ فلاں جگہ پر جاؤ، وہاں پر مٹھائی بٹ رہی ہے، تو وہ سارا کھیل چھوڑ چھاڑ کے ادھر بھاگنے لگے تو ان کے پیچھے خود بھی بھاگ رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم نے ان سے ایسے ہی جھوٹ موٹ کہا ہے، لہٰذا تم خود کیوں بھاگ رہے ہو تو کہا کہ اتنی بڑی مخلوق بھاگی جارہی ہے تو ہوسکتا ہے کہ یہ بات سچی ہو اور شاید ہمیں بھی مٹھائی مل جائے۔(۲)

تعریف سے دھوکہ مت کھاؤ

تو ہمارے حضرتِ والا حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہماری مثال ایسی

---

(۱) تاریخ بغداد للخطیب ۵۰۸/۷ طبع دار الغرب الإسلامی.

(۲) حوالہ بالا

ہی ہے کہ ہم اپنی کوئی اچھی صفت کا بیان کر کے اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور جب لوگ تعریفیں کرتے ہیں کہ آپ ایسے ویسے ہیں، آپ کا یہ مقام ہے، اتنا بڑا درجہ ہے، اتنا بڑا رتبہ ہے تو اس وقت نفس یہ کہتا ہے کہ جب اتنی مخلوق کہہ رہی ہے کہ آپ بڑے آدمی ہو، آپ بہت اچھے آدمی ہو تو کچھ نہ کچھ تو ہوگا۔ اس سے دھوکہ کھا کر آدمی عُجب اور کبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ تعریف ایسی چیز ہے جو بعض اوقات انسان کو ہلاک کر دیتی ہے اور طرح طرح کے باطنی گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ کسی کی تعریف میں مبالغہ نہ کرو۔ اتنی تعریف نہ کرو جس سے وہ آسمان پر چڑھ جائے اس کا دماغ آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ اگر کوئی ایسی تعریف کر رہا ہے تو اس کے منہ میں مٹی ڈال دو، یعنی اس کی بات کو کاٹ دو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا نفس مجھے خراب کر دے۔

تعریف کرنے کا صحیح طریقہ

آگے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہیں کسی شخص کی تعریف کرنی ہے، اس کے بارے میں کوئی رائے ظاہر کرنی ہے کہ فلاں آدمی بڑا نیک ہے، میں ظاہری اعتبار سے اس کو نیک سمجھتا ہوں تو ساتھ یہ بھی کہہ دو:

وَحَسِيبُهُ اللّٰهُ وَلَا يُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا[1]

اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا یعنی اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، میں اللہ کے مقابلے میں کسی کی تعریف نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اگر کسی کی تعریف کرنی ہو تو اس طرح کرو۔ ہمیں بہت سے مواقع پیش

(۱) صحیح البخاری ۱۸/۸ (۶۰۶۱) وصحیح مسلم ۲۶۹۶/۴ (۳۰۰۰)۔

آتے ہیں جہاں پر آدمی کو سرٹیفیکٹ اور تصدیق نامہ دینا پڑتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ اچھے کردار کا آدمی ہے۔ ان سب مواقع پر نبی کریم ﷺ نے تعلیم یہ دی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ مومن کا کوئی کلمہ وزن میں آگے پیچھے نہیں ہونا چاہیے۔ وہ جوبات کہے جچی تلی ہو، اس کے اندر مبالغہ نہ ہو، اس کے اندر حدود سے تجاوز نہ ہو۔

تعریف کا ایک نامناسب انداز

رسولِ کریم سرورِ دو عالم ﷺ کی طرف سے ہر موقع پر تعلیم دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں اور ایسے صحابی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنا بھائی بنایا ہوا تھا۔ ان کا انتقال ہوگیا تو نبی کریم ﷺ ان کے گھر تعزیت کے لیے تشریف لے گئے، تو وہاں ایک خاتون کے منہ سے نکلا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ نے تمہارا بڑا اکرام کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں بڑی عزت دی ہے۔ یہ کلمہ زبان سے نکل گیا۔

حد سے بڑھا ہوا کلمہ

آپ اندازہ کیجیے کہ تعزیت کا موقع ہے۔ وہ صحابی جن کے بارے میں یہ کلمہ کہا جارہا ہے وہ بڑے معروف صحابی ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ان کو بھائی بنایا ہوا ہے۔ ان کے صلاح وتقویٰ کے بے شمار گواہ موجود ہیں، لیکن چونکہ ان خاتون نے بڑے یقین اور جزم کے ساتھ کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ نے تمھیں عزت دی ہے، جنت دی ہے۔ یہ کلمہ حدود سے متجاوز تھا۔ اس لیے

آپ ﷺ نے فوراً اس کے اوپر اس کو ٹوکا اور کہا کہ تمہیں کیسے پتہ اور تمہیں کس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اکرام کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! اگر اللہ تعالیٰ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کا اکرام نہیں کریں گے تو کس کا کریں گے؟ یعنی وہ اتنے نیک آدمی تھے کہ ساری دنیا ان کی نیکی اور صلاح و تقویٰ سے واقف ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ضرور ان کا اکرام فرمائیں گے۔

یقین اور جزم سے کچھ نہ کہو

آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو! مجھے بھی اللہ تعالیٰ سے یہی امید ہے کہ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اچھا معاملہ کیا ہوگا، ان کو جنت میں پہنچا دیا ہوگا، لیکن کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے بارے میں کچھ بھی اتنے یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا اور یہ بھی فرمایا کہ میں خود بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ کیا معاملہ فرمائیں گے۔ (۱)

لہٰذا کسی کے بارے میں اتنے جزم اور یقین کے ساتھ یہ کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور ان کے ساتھ اکرام کیا ہے، یہ بات درست نہیں ہے، اس طرح نہیں کہنا چاہیے۔ ہاں! یہ کہہ سکتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے ساتھ اچھا معاملہ فرمایا ہوگا تو یہ بات کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

مبالغہ آمیز تعریف میں خرابیاں

سرکار دو عالم ﷺ نے یہ باتیں اس لیے سمجھائی ہیں کہ دیکھو! ہر چیز کی

---

(۱) صحیح البخاری ۱۸۱/۲ (۲۶۸۷)۔

ایک حد ہے۔ ہر چیز کا ایک مقام ہے۔ اس کو اس مقام پر رکھو۔ جو بات زبان سے نکالو وہ جچی تلی ہونی چاہیے۔ اسی لیے کسی کی تعریف میں بہت زیادہ مبالغہ کرنے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ناجائز ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب مبالغہ کرو گے تو بعض اوقات ایسی بات کی تعریف کرو گے جو اس میں نہیں پائی جاتی، وہ حقیقت میں اس کے اندر نہیں ہے تو وہ خلافِ واقعہ بات ہوگئی اور اس میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس کے نتیجے میں اگر وہ شخص عجب اور تکبر میں مبتلا ہوگیا تو اس کا وبال تمہارے حصے میں بھی آئے گا۔ کیونکہ تم اس کا سبب بن گئے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کی مبالغہ آمیز تعریف کر رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اس شخص کو ہلاک کر دیا، تم نے اس کی کمر توڑ دی۔ کیونکہ اس کے عجب اور بڑائی میں مبتلا ہونے کا تم سبب بن گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

میری زیادہ تعریف نہ کرو

تعریف کرنے والے کے لیے یہ حکم ہے کہ سوچ سمجھ کر اور حدود میں رہ کر تعریف کرے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں خطاب کیا:

یا خیرنا وابن خیرنا ویا سیدنا وابن سیدنا یارسول اللہ (۱)

(۱) مسند احمد ۱٦٦/۲۱ (۱۳۵۲۹) و۲۱٦/۲۱ (۱۳۵۹٦) والسنن الکبری للنسائی ۱۰۳/۹ (۱۰۰۰۷) واصلہ فی سنن ابی داود ۲۵٤/٤ (٤۸۰٦) والحدیث سکت عنہ ابو داود وقال المنذری فی "مختصرہ" ۳۱۲/۳ (٤٦۳۸) واخرجہ النسائی.

اے ہم میں سب سے بہتر، سب سے بہتر باپ کے
بیٹے! اور اے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے!
اے اللہ کے رسول!

تو آپ ﷺ نے ان کو بھی ٹوکا اور فرمایا کہ مجھے اتنے لمبے چوڑے القاب کے ساتھ خطاب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔ مجھے اسی کی حد تک رکھو۔ یہ تکلف کی بات ہوئی کہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا رسول اللہ! کہتے ہیں اور انہوں نے لمبے چوڑے الفاظ استعمال کر کے خطاب کیا تو آپ ﷺ نے اس کو بھی منع فرمایا کہ ایسا مت کرو اور یہ فرمایا:

لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ[1]
میری تعریف میں اتنی انتہاء سے نہ گزرو، جیسے عیسائی
حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں حد سے گزر گئے
(اور ان کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا)۔

ہمارے دل کا حال

اور اس کا دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ بھی بڑا توجہ طلب ہے اور ہم سب کو اس کے بارے میں بڑی فکر کرنی چاہیے۔ وہ یہ جب کوئی بندہ ہماری تعریف کرتا ہے، چاہے مبالغے کے ساتھ کرے یا حدود میں رہ کر کرے، لیکن دل میں ایک خوشی ہوتی ہے۔ یہ واقعہ ہر شخص کے ساتھ پیش آتا ہے۔ کوئی دنیا میں ایسا نہیں ہے

(۱) صحيح البخاری ١٦٧/٤ (٣٤٤٥).

جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آتا ہو۔ جب کوئی تعریف کرتا ہے تو دل خوش ہوتا ہے کہ دیکھو! ہماری تعریف ہو رہی ہے اور دوسری طرف اس تعریف کی وجہ سے بعض اوقات اپنی بڑائی کا احساس بھی دل میں پیدا ہونے لگتا ہے اور بعض مرتبہ آدمی بہت سے کام اس لیے کرتا ہے تاکہ لوگ میری تعریف کریں، کیونکہ تعریف کرنے سے جو مزہ آرہا ہے، لذت حاصل ہو رہی ہے، اس سے خوشی مل رہی ہے، تو جو کام اللہ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے تھا وہ اب ریا کاری اور نام ونمود کا حصہ بن گیا۔ وہ اچھا کام ثواب بننے کے بجائے الٹا گناہ بن گیا۔

تعریف سے دل خوش ہو تو کیا کریں؟

اس لیے آدمی کیا طریقہ اختیار کرے جس سے اس خرابی اور فتنے میں مبتلا نہ ہو؟ تو بزرگوں نے اس کے لیے مختلف طریقے تجویز فرمائے ہیں۔ مجھے بھی لوگ خطوط میں لکھتے رہتے ہیں کہ خود ہمارے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا رہتا ہے کہ تعریفیں ہوتی ہیں تو دل خوش ہوتا ہے۔ اس کا کیا علاج کریں؟ تو حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ کوئی تعریف کرے تو فوراً بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور یہ کہے کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے اس بندہ پر میری اچھائی ظاہر فرمائی اور میرے عیوب ظاہر نہیں فرمائے۔ میرے اندر بہت سارے عیوب ہیں۔ میرے اندر بہت خرابیاں ہیں۔ آپ نے اپنے فضل وکرم سے اس پر میرا عیب ظاہر نہیں کیا۔ اگر اس کو میری خرابیوں کا پتہ چل جائے تو یہ میری تعریف کرنے کے بجائے میری برائی اور مذمت کرے گا۔ اگر آدمی اس کی عادت ڈال لے تو ان شاء اللہ تعریف کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ یہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان فرمودہ نسخہ ہے۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ کی دعا

اور بزرگوں نے اس کا طرح طرح سے علاج کیا ہے چنانچہ آگے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کیا ہے اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے فقہاء اور محدثین میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی تمہارے منہ پر تعریف کرے تو اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے یہ کہو!

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اَعْلَمُ بِیْ مِنْ نَفْسِیْ، وَاَنَا اَعْلَمُ بِنَفْسِیْ مِنَ النَّاسِ، اَللّٰھُمَّ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا یَقُوْلُوْنَ، وَاغْفِرْلِیْ مَا لَا یَعلَمُوْنَ (۱)

ترجمہ: یا اللہ! آپ کو میری مجھ سے زیادہ خبر ہے اور مجھے اپنے بارے میں ان لوگوں سے زیادہ معلوم ہے، لہٰذا یا اللہ! جو باتیں یہ کہہ رہے ہیں، ان پر میری گرفت نہ فرمایئے۔ اور جن باتوں (یعنی میرے عیوب) کا ان کو پتہ نہیں ہے، ان پر میری مغفرت فرمادیجیے۔

دعا کی تشریح

پہلے فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اَعْلَمُ بِیْ مِنْ نَفْسِیْ'' یا اللہ! آپ مجھے مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، یعنی جتنا میں اپنے آپ کو جانتا ہوں اس سے زیادہ آپ جانتے ہیں، کیونکہ بے شمار گناہ اور غلطیاں ایسی ہیں جن کا مجھے احساس ہی نہیں

(۱) شعب الایمان للبیہقی ۶/۵۰۴ (۴۵۳۲)۔ وقال محققہ فی تعلیقہ علیہ اسنادہ جید۔

اور میں ان میں مبتلا ہوں۔ آپ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ''وَاَنَا اَعْلَمُ بِنَفْسِیْ مِنَ النَّاسِ'' اور میں اپنے آپ کو ان تعریف کرنے والوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ یہ جو تعریف کرنے والے میری تعریف کر رہے ہیں یہ تو میرے ظاہر کو دیکھ رہے ہیں، میری جو حالت ظاہر کے اعتبار سے ان کے سامنے آئی ہے اس کی وجہ سے یہ تعریف کر رہے ہیں۔ میرے باطن کا حال اور میری اندرونی حالت کا ان کو پتہ نہیں۔ یہ جتنی بھی تعریف کرلیں، لیکن میں تو جو ہوں، جیسا ہوں، وہی رہوں گا، جتنی میں اپنی خرابیوں سے خود واقف ہوں اتنا یہ لوگ واقف نہیں ہوسکتے، لہٰذا ''اَللّٰھُمَّ لاَ تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا یَقُوْلُوْنَ'' یااللہ! جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں یعنی خوب تعریفیں کر رہے ہیں اس کے اوپر میری گرفت نہ فرمائیے۔ ''واغفرلی ما لا یعلمون'' اور ان بے چاروں کو جو میری برائیاں معلوم نہیں ہیں، اے اللہ! اپنی رحمت سے ان برائیوں کو معاف فرمادیجیے۔

تعریف کی حقیقت

تو تعریف کرنے کے نتیجے میں انسان کے نفس میں جو مکائد اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، ان کا واحد علاج یہ ہے کہ جب کبھی کوئی تعریف کرے تو انسان فوراً اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اپنے عیوب کی طرف نگاہ کرے کہ ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ میری حقیقت کیا ہے؟ یہ ہزار تعریفیں کر رہے ہیں، ان کی تعریفیں تو ہوا میں اڑ جائیں گی، لیکن میں جب اللہ جل جلالہ کے سامنے پیش ہوں گا تو وہاں پر ان کی تعریفیں میرے کام نہیں آئیں گی۔ وہاں تو میرا عمل کام آئے گا۔ اس لیے نہ ان کی تعریفوں کا بھروسہ ہے اور نہ ان کی تعریفوں سے مجھے کسی دھوکے میں پڑنا چاہیے۔

ایک بزرگ کی دعا

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب کوئی تعریف کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے یہ کہنا چاہیے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ خَیْرًا مِّمَّا یَظُنُّوْنَ

اے اللہ! یہ لوگ میرے بارے میں جو گمان قائم کیے ہوئے ہیں اور مجھے اچھا سمجھ رہے ہیں تو مجھے اس سے زیادہ اچھا بنادیجیے۔

تو حاصل یہ ہے کہ ان تعریفوں سے آدمی کو دھوکے میں پڑنے کے بجائے اللہ تبارک وتعالیٰ سے رجوع کرکے اس طرح پناہ مانگنی چاہیے کہ یا اللہ! مجھے اس تعریف کے فتنے سے محفوظ رکھیے۔ اے اللہ! ان کے حسن ظن کو میرے حق میں سچا کردیجیے، بلکہ مجھے اس سے بھی اچھا بنادیجیے اور میرے اندر جو خرابیاں اور کوتاہیاں ہیں انہیں معاف فرمادیجیے۔

فتنوں سے بچنے کا طریقہ

دیکھو! جب اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق جڑا ہوا ہو تو پھر سارے فتنوں کا سد باب ہوجاتا ہے۔ تو سب سے بڑی غفلت یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے غافل ہوکر زندگی گزارے۔ نہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہو، نہ اللہ تعالیٰ سے رجوع ہو، نہ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان ہو۔ آدمی ساری زندگی اس طرح گزار رہا ہے کہ جس طرح منہ اٹھایا کررہا ہے، یہ اصل خرابی ہے، لیکن جہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق

جڑا ہوا ہو تو اس رجوع الی اللہ کی بدولت بڑے سے بڑے فتنے سے رکاوٹ ہوجاتی ہے۔ اس طرح تعریف کے فتنہ سے بھی بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ان کے اوپر میری اچھائی ظاہر کردی، اگر میری برائی ظاہر ہوتی تو یہ لوگ میری کتنی مذمت کرتے۔

لوگوں کی تعریف کا بھروسہ نہیں

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ آج یہ تم سے خوش ہیں، تمہاری تعریف کررہے ہیں، ذرا ان کی طبیعت کے خلاف کام ہوگیا تو یہی لوگ جو تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملارہے تھے۔ کل ان کو دیکھنا کہ تمہیں کیا کہتے ہیں۔ نہ ان کی تعریف کا بھروسہ اور نہ ان کی مذمت کا بھروسہ۔ حضرت فرماتے تھے کہ انسان کی تعریف کا کیا بھروسہ! آج یہ تعریف کرے گا، کل کو مذمت کرے گا اور برائی بیان کرے گا۔ اس لیے اس کی تعریف سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہیے۔

اصل تعریف یہ ہے

اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں حاضری ہو۔ تو باری تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فرمادیں:

يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ (۱)

---

(۱) سورۃ الفجر آیت (۲۷تا۳۰)۔

اے وہ جان! جو (اللہ کی اطاعت) میں چین پا چکی ہے
اپنے پروردگار کی طرف اس طرح لوٹ کر آجا کہ تو اس
سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی اور شامل ہوجا میرے
(نیک) بندوں میں اور داخل ہوجا میری جنت میں۔

یہ ہے وہ تعریف ورنہ سارا جہاں تعریف کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آدمی کو سزا ملے تو کوئی تعریف فائدہ نہیں پہنچاسکتی۔

قبر کے اندر سزا میں اضافہ

بعض اوقات آدمی یہاں کسی مرنے والے کی تعریف کرتا ہے اور وہاں اس کی پٹائی ہورہی ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ فرشتے مردے سے سوال وجواب کررہے ہوتے ہیں اور گھر میں بیٹھے ہوئے لوگ اس کی تعریف کررہے ہوتے ہیں کہ یہ بڑا سردار تھا، یہ پہاڑ کی طرح عظیم آدمی تھا، یہ بڑا سخی تھا۔ جب وہاں مردے کو قبر میں یہ تعریفیں سنائی جاتی ہیں تو وہ فرشتے جواب میں کہتے ہیں کہ تو ہی وہ سردار تھا؟ تو ہی وہ عظیم الشان پہاڑ تھا جس کی عظمت کے لوگ گیت گارہے ہیں؟ تو ہی وہ بڑا سخی داتا تھا؟ یہ آواز سنا کر اس کی مزید پٹائی کی جاتی ہے[1]۔

تو دنیا والے تعریف کررہے ہیں، لیکن جہاں انسان کو آخر میں جانا ہے، جس عالم میں پہنچنا ہے، وہاں اس کی وجہ سے اور زیادہ پٹائی ہورہی ہے۔ العیاذ باللہ! تو ایسی تعریف کا کیا بھروسہ؟ کسی کی اچھائی بیان کرنے کا کیا حاصل؟ یہ تو

(۱) سنن الترمذی ۳۱۷/۲ (۱۰۰۳) وقال هذا حديث حسن غريب۔ وسنن ابن ماجه ۱۱۱/۳ (۱۵۹٤)۔

درحقیقت اسی وقت معنی خیز ہوگی جب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مغفرت فرمادیں گے۔

ہندی زبان کی مشہور مثل

ہمارے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہندی زبان میں مثل مشہور ہے کہ پیا جس کو چاہے سہاگن وہی۔ ایک لڑکی تھی جس کو دلہن بنایا جارہا تھا، دلہن بناتے ہوئے اس کی سہیلیاں اس کو آکر دیکھ رہی تھیں۔ کوئی سہیلی آکر کہتی ہے کہ تو بڑی خوبصورت لگ رہی ہے، تیرا سنگھار بڑے اعلیٰ درجے کا ہے، تیری آنکھیں اتنی اچھی لگ رہی ہیں، تیرا چہرہ اتنا خوبصورت لگ رہا ہے، ہر ایک آکر تعریف کرتی ہے تو وہ خاموش رہتی تھی، کوئی جواب نہیں دیتی، سہیلیوں نے کہا: کم از کم شکریہ ہی کہہ دے، تو اس نے کہا کہ میں شکریہ ادا کرتی ہوں، لیکن یہ بتاؤ! اگر یہ تعریف کر رہی ہیں تو ان کی تعریف سے مجھے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ اصل بات تو یہ ہے کہ جہاں جارہی ہوں وہاں تعریف ہوجائے۔ میرا شوہر اور میرے سسرال والے میری تعریف کردیں۔ یہ نادان لڑکیاں میری تعریف کردیں گی تو وہ ہوا میں اڑ جائے گی اور اس سے مجھے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

ایک نادان لڑکی سے سبق لو

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! ایک نادان لڑکی کو اتنی سمجھ ہے اور وہ جانتی ہے کہ کس کی تعریف کرنے سے فائدہ ہے اور کس کی تعریف کرنے سے فائدہ نہیں ہے اور ہم اس دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ مخلوق کی تعریف

کی خاطر کام کرنے کی فکر کرتے ہیں اور اس تعریف کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتے ہیں۔ اصل فکر اس کی کرو کہ جہاں جانا ہے وہاں تعریف ہو جائے اور وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمارے اعمال قبول فرمالے۔

دونوں باتوں کا خیال رکھو

تو بھائی! خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ دوسرے کی تعریف کرنی ہو تو حدود میں رہ کر کرو، بچے تلے الفاظ میں کرو تاکہ حدود سے تجاوز نہ ہو اور دوسرا کوئی تعریف کرے تو اس تعریف سے دھوکے میں نہ پڑو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا اہتمام کرو کہ یا اللہ! یہ تعریف تو کر رہا ہے، لیکن میں جیسا ہوں آپ زیادہ بہتر جانتے ہیں اور ان لوگوں کی تعریف کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے دھوکے میں پڑنے سے محفوظ رکھیے گا۔

حضرت عارفی قدس سرہٗ کا طرزِ عمل

میں اپنے حضرت عارفی قدس سرہ کی بات سنا کر بات ختم کرتا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں بیان فرمائی ہیں۔ یہ بڑی عجیب کتاب ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے، اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے) جب یہ کتاب چھپنے والی تھی اور پریس میں تھی تو ایک دن حضرت فرمانے لگے کہ

''دیکھو! کتاب تو چھپ رہی ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک معاملہ کیا ہے وہ یہ کہ ایک دن میں نے بیٹھ کر

اللہ تعالیٰ سے عرض معروض کی کہ یا اللہ! کتاب چھپ کر آرہی ہے اور ہم سے محبت کرنے والے لوگ اتنے ہیں کہ جب کتاب آئے گی تو ہر آدمی آکر تعریف کرے گا کہ بڑی اچھی کتاب آئی ہے، بڑی شاندار کتاب لکھی ہے، بڑا فائدہ پہنچ رہا ہے، بڑا فیض جاری ہوا ہے، اس کی بڑی ضرورت تھی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب تعریفیں میرے سامنے آئیں گی، لیکن اے اللہ! آپ کے فضل وکرم سے میں جانتا ہوں کہ جو کچھ ہوا ہے میری قدرت سے نہیں ہوا، محض آپ کی توفیق سے ہوا ہے۔ تو یا اللہ! جو تعریف ہوگی وہ آپ کی ہوگی، میری نہیں ہوگی اور یا اللہ! مجھے اس تعریف کے فتنے سے محفوظ رکھیے۔ کہیں ایسا نہ کہ اس تعریف سے میں کسی فتنے میں مبتلا ہوجاؤں۔"

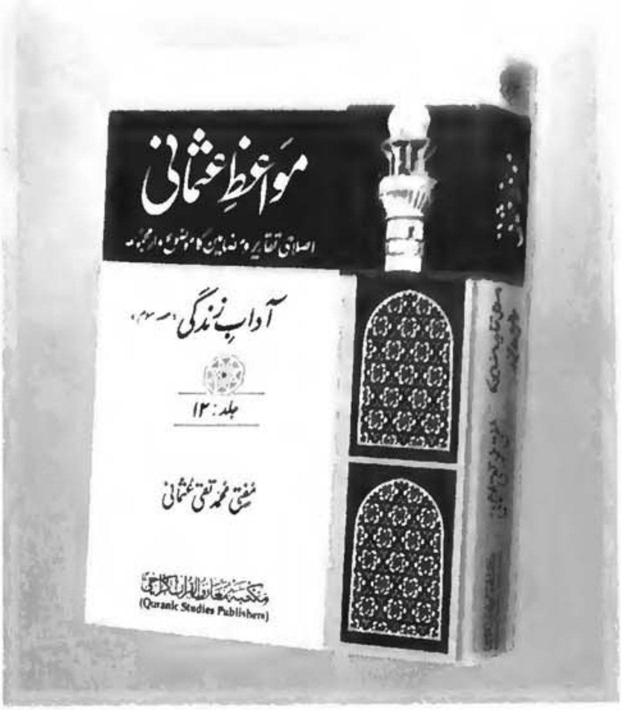
حفاظت کی دعا

دیکھیے! ابھی کتاب چھپی بھی نہیں ہے، پریس کے اندر ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حفاظت کی دعا فرمارہے ہیں، اس لیے جہاں کہیں ایسے مواقع ہوں یا ایسی جگہ پر جانا ہو جہاں تعریف کا خیال ہو کہ لوگ تعریف کریں گے تو حضرت نے یہ طریقہ بھی سکھا دیا کہ جانے سے پہلے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں عرض ومعروض کرلو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرلو تو ان شاء اللہ فتنے سے محفوظ رہو گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مواعظِ عثمانی

اصلاحی تقاریر و مضامین کا
موضوع وار مجموعہ



شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے جملہ مواعظ، خطبات اور تحریرات کا تخریج شدہ جامع اور مستند ترین موضوع وار مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا استیعاب کیا گیا ہے:

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
- اصلاحی خطبات
- اصلاحی مواعظ
- اصلاحی مجالس
- خطباتِ عثمانی
- خطبات دورۂ ہند
- درسِ شعب الایمان
- نشری تقریریں
- فردکی اصلاح
- اصلاحِ معاشرہ
- تربیتی بیانات
- ذکر و فکر
- the Islamic Months

اس کے علاوہ

- آسان ترجمہ قرآن
- اسلام اور ہماری زندگی
- انعام الباری
- تقریرِ ترمذی
- جہانِ دیدہ
- سفر در سفر
- دنیا مرے آگے
- اسلام اور جدید معاشی مسائل
- ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شامل شدہ، اور بعض صوتی صورتوں میں محفوظ شدہ حضرت والا دامت برکاتہم کے بیانات و خطبات کو شامل کیا گیا ہے، جس سے علماء، طلباء، خطباء اور عام پڑھے لکھے حضرات بآسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔

مواعظ عثمانی جلد-12
010326

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)